پستک بھنڈار لاہور کی مفید عام کتب کے سلسلہ میں

جیون چرتر

پنڈت گورودت جی ودیارتھی

ایم۔ اے

از

شریمان لالہ لاجپت

جسے

پنڈت مدن لال مالک پستک بھنڈار لاہور نے

دوبارہ مرتب کر کے

بہشتی سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر شایع کیا

ہر ایک قسم کی کتب
علمی اخلاقی۔ ملکی۔ مجلسی۔ تعلیمی۔ اور مذہبی مندرجہ ذیل
پتہ سے بکفایت ملینگی
پنڈی داس تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور
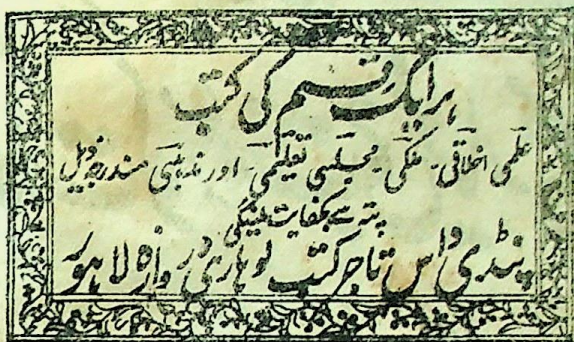
عرضداشت مؤلف

(۱)۔ لاہور مین جب سرگباشی پنڈت گورودت جی ودیارتھی ایم۔ اے کی یادگار مین ایک ودیارتھی آشرم قایم کرنے کی تحریک زورون پر تھی۔ مین نے بڑے زور سے محسوس کیا کہ جب آریہ دیر کی یاد مین یہ آشرم قایم کیا جانیوالا ہے اگر اُسی آشرم کے ودیارتھیون سے کوئی سوال کرے کہ وہ اُس سپر دھ کے جیون کے متعلق کیا جانتے ہین جسکے نقش قدم چلکر وہ تمام دینا پر ویدک دہرم کا ڈنکہ بجانے کا دعوے کرتے ہین اُسوقت ان ودیارتھیون کو اپنی ناواقفیت پر کسقدر افسوس ہوگا آہ اسوقت آریہ ستھان کے سامنے رکھنے کے لیے کسی زبان مین ایک بھی ایسی پُستک کا نہ ملنا جس سے پیارے گورودت کے جیون پر پوری روشنی پڑسکے کس قدر قابل افسوس ہے۔

ہم سب کو لالہ لاجپت رائے جی کا مشکور ہونا چاہیے جنھون نے آج سے پچیس چھبیس برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا اور مختلف ذرایع سے پنڈت جی کے حالات زندگی جمع کرکے انگریزی زبان مین شایع کیا۔ آپ نے اسکا اردو اڈیشن بھی چھپا یا چھپوا دیا تھا۔ مگر افسوس آج دونو مین سے کسی کی ایک کاپی بھی ڈھونڈے سے نہین مل سکتی۔ لالہ لاجپت رائے کی پہلی کوشش کو آخری کوشش کہنا چاہیے کیونکہ آپ کے بعد آجتک پھر کوئی کوشش پنڈت جی کے جیون چرتر کو مکمل کرنے کی نہین کی گئی۔ میرے دماغ مین یہ خیال دوماہ برابر چکر لگاتا رہا کہ جسطرح ہو پنڈت جی کا جیون چرتر جلدی شایع ہونا چاہیے مین نے بڑی کوشش اور تلاش کے بعد لالہ لاجپت رائے والے جیون چرتر کی ایک کاپی حاصل کی اور اسی وقت مین نے خیال کیا کہ اگر لالہ لاجپت رائے

جی اسکی نظر ثانی کرین اور وہ نئے حالات جو انہیں بعد مین معلوم ہوئے یا اب
مل سکین شامل کئے جادین تو یہ کام نہایت شاندار طور پر سرانجام ہوگا ۔
مگر مجکو افسوس سے معلوم ہوا کہ لالہ لاجپت رائے جی کو بعد میں کوئی نئے حالات
معلوم نہیں ہوئے اور نہ ہی وہ اسوقت اسکی نظر ثانی کرکے دوسری ایڈیشن
چھپوانے کا خیال رکھتے ہین اسکے علاوہ اُنہون نے یہ بھی فرمایا کہ انہیں اور
کوئی خاص نئے حالات ملنے کی اُمید بھی نہین ۔ مین نے اُن سے درخواست
کی کہ اگر وہ خود ایسا نہ کر سکیں تو مجھے اجازت دین کہ اُسے شایع کرا دون
مین اُنکا مشکور ہون کہ انہوں نے مجھے اس شرط پر اجازت دیدی کہ مین اُنکی
کتاب مین کوئی ترمیم تنسیخ نہ کرون ۔ گو مین اسمین تبدیلی کی بہت ضرورت
خیال کرتا تھا ۔ میری دلی خواہش تھی کہ کوی بہتر آدمی ایسے کام کو ہاتھ مین لے
مگر جب کسیطرح بھی میری خواہش پوری ہوتی نظر نہ آئی تو مینے اسی حالت
مین ہی کتاب چھپنے کے لئے پریس مین دیدی جون ۱۹۱۳ء مین کتاب
چھپ گئی اور میرے ہاتھ مین پہلی کتاب برائے ملاحظہ دی گئی ۔ کتاب
کے دیکھتے ہی میرے دل مین ایک عجیب ولولہ پیدا ہوا اور فوراً میرے دل مین
خیال آیا کہ محبت بدوت جیسے دھرم ویر کو جسمانی طور پر ہم سے جدا ہوئے چوتھائی
صدی کا عرصہ گزر چکا اور لالہ لاجپت رائے جی کی پہلی کوشش کے بعد اس
ضروری کام کی طرف کوئی دھیان ہی نہین دیا گیا ۔ پھر کسطرح کہہ سکتے ہین کہ اس
کتاب کی دوسری ایڈیشن کا موقع ضرور ملے گا ۔ اور اس ادھورے کام کو مکمل
کرنے کی کوشش کیجا دے گی ۔ اس خیال نے مجھے اور بھی زیادہ بے چین
کر دیا کہ اسوقت تو کئی ہمعصر موجود ہیں اور کوشش کرنے سے بہت حد تک ممکن ہے
کہ آریہ ویر پیارے گوردت جی کے حالات زندگی جمع ہو سکیں لیکن اگر

یہ کام آج سے دس برس اور پیچھے جا پڑا تو ہمارے پیارے گورودت کے جیون چرتر کو مکمل کرنے کا کام بالکل ناممکن ہو جاوے گا جس سے زیادہ قابل افسوس کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ پس انہی خیالات کو لیکر میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جو کچھ بھی ہو ایک دفعہ پوری کوشش کرنی چاہیے پھر اگر ناکامی ہو تو اپنا فرض کام کرنا ہے نتیجہ کی پروا فضول ہے۔

میری سب سے پہلی کوشش

میں نے پنجاب کے اُن لیڈنگ اخبارون میں جنکی آواز فوراً سارے آریہ جگت میں گونج جاتی ہے اس مضمون کا ایک نوٹس شایع کرایا کہ اگر کسی بھائی کو پنڈت جی کے جیون سے متعلق کوئی حالات معلوم ہون یا اُن کے ذریعے کوئی نئے واقعات معلوم ہو سکنے کی امید ہو تو کرپا کر کے مجھے لکھیں یا ارشاد کریں کہ اُنکی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ بتا سکیں نوٹ کر سکون۔ مگر افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ کامل ۱ ماہ تک مجھے ایک چٹھی بھی کسی بھائی کی طرف سے نہ ملی جس سے میری تھوڑی ہمت ٹوٹتی ہوئی۔ میں نے خیال کیا کہ بیشک لالہ لاجپت رائے جی کی شکایت بیجا ہے کہ ہمارے ہاں ابھی اپنے بزرگوں کے حالات زندگی جمع کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوئی۔ اسکے بعد میں نے اُن اصحاب کی سیوا میں خود حاضر ہونا یا براہ راست اُن سے خط و کتابت کرنے کا وچار کیا جنکی نسبت کہا جاتا تھا کہ وہ پنڈت جی کے ہمعصر اور سنگت ہیں اب میں یہی مناسب سمجھا ہے کہ اس کوشش کو بالتفصیل آپ کے سامنے رکھدون۔ میری ناکامیابی کامیابی سب کچھ آپکی

سامنے آجائیگی اور جو کچھ نئے حالات مل سکتے ہین ان کو بھی آپ ملاحظہ فرما سکین گے۔

پیشتر اسکے کہ مین اس سلسلہ کو شروع کرون ایک دو الفاظ اور عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے (۱) جن بھائیون نے مجھے کچھ واقفیت بہم پہونچا کر سہایتا دی ہے میں اُنکا دلی شکرگزار ہوں خصوصاً مرحوم صاحبکا جنہوں نے میری درخواست پر اسکے لئے ایک نہایت اعلےٰ نظم لکھکر روانہ کی (۳) میرا ارادہ فوراً اسے آریہ بھاشا مین چھاپنے کا ہے جو بھائی اسکی ہندی ایڈیشن خریدنا چاہیں ابھی سے کوشش شروع کرین ہندی کے سرپرستون کے تھوڑے سے خطوط آنے پر ہی اس کام کو شروع کر دیا جاوے گا۔

جو بھائی اسوقت تک بوجہ عدیم الفرصتی یا کسی اور سبب سے کچھ نہین لکھ سکے اگر وہ اب کرپا کرینگے تو یہ خاص حالات اخبار یا کسی اور ذریعہ سے پبلک تک پہونچا دے جاوینگے

(۵) جن بھائیونکی سیوا میں میں خود اپنی ناواقفیت کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکا یا کہیں بذریعہ خط وکتابت عرض نہیں کر سکا۔ وہ کھشما کرین اور اگر وہ پنڈت جی کے جیون پر کچھ روشنی ڈال سکیں تو مجھے لکھ کر بھیجدیں۔ یا مجھے ارشاد ہو کہ میں خود حاضر ہو کر لکھ سکوں۔ میرے ساتھ سارا آریہ جگت اُن کا دھنیاد کرے گا۔

(٦) میں نے اس پستک میں سوائے اس کے کہ جو کچھ مجھے جہاں سے ملا۔ اُسی طرح آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اور کچھ نہیں کیا۔ اس لئے اس کی تصنیف وتالیف کا اگر کوئی کریڈٹ ہو۔ تو اسکے سب سے زیادہ مستحق لالہ لاجپت رائے جی ہیں۔ اس کے بعد وہ بھائی

جنہوں نے کچھ نئی واقفیت بہم پہنچائی ۔

(۷)۔ میں جانتا ہوں کہ جس صورت میں اب یہ کتاب شائع ہوتی ہے اسے جیون چرتر نہیں کہہ سکتے ۔ یہ محض پنڈت جی کے حالات کا ایک بے ترتیب سا مجموعہ ہے ۔ ہاں اگر اسے کبھی دوبارہ ایڈیشن کا موقعہ ملا تو کوشش کی جاویگی کہ اسے سچے معنوں میں جیون چرتر کہا جا سکے ۔

(۸)۔ اگر کسی بھائی کے بتلائے حالات میں انہیں کچھ فرق نظر آئے تو وہ محض سہو ہوگا جسکی فوراً تصحیح ہو سکتی ہے

(۹)۔ وہ بھائی مجھے معاف کریں جن کی بعض باتیں اس لئے درج نہیں کی گئی کہ ان سے پارٹی فیلنگ بڑھنے کا اندیشہ تھا ۔

ملک قوم کا ناچیز خادم

پنڈی داس

لاہور ۔ مارچ ۱۹۱۴ء

از پنڈت رام بھجدت جی

لالہ لاجپت رائے جی کی کتاب کے بعد اگر کسی صاحب سے پنڈت جی کے بہت سے نئے حالات ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ تو وہ پنڈت رام بھجدت جی تھے۔ پنڈت رام بھجدت جی خود فرمایا کرتے ہیں کہ اگر انہیں موقعہ اور وقت ملتا تو وہ پنڈت گورو دت جی کے جیون پر بہت کچھ روشنی ڈالتے اور اُسے ہر طرح مکمل بناتے مگر افسوس انہیں آجتک ایسا موقعہ نہیں مل سکا۔ میں نے بھی سب سے پہلے انہیں ہی منتخب کیا پہلے سُنتے تھے کہ پنڈت جی کے پاس جو ڈائریاں گورودت جی کی تھی وہ گم ہو گئیں ہیں۔ لیکن میری پہلی کوشش پر یہ معلوم کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اب وہ قیمتی ڈائریاں مل گئی ہیں۔ میں لگاتار آپ کی سیوا میں یاد دہانی کراتا رہا اور آپ نے بھی برابر یقین دلایا۔ کہ وہ جلدی جو کچھ لکھ سکتے ہیں لکھکر روانہ کریں گے۔ مگر افسوس کوئی کامیابی نہ ہوئی حتےٰ کہ آریہ سماج لاہور کا سالانہ جلسہ نزدیک آگیا۔ میرا اس جلسہ پر اس کتاب کو نکال دینے کا وچار تھا۔ لیکن پنڈت جی اور ضروری کاموں میں بے حد مشغول تھے کچھ نہ لکھ سکے۔ میں نے بھی جلسہ کے آخری دن تک کوشش جاری رکھی۔ آخر آپ نے چند سطور بطور چٹھی کے لکھ بھیجیں جسے حرف بحرف درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی ایک بھائیوں کی طرف سے جلسہ کی شمولیت کے باعث کچھ نہ لکھے جا سکنے کا عذر تھا ادھر پنڈت جی کی ایسی چٹھی ملی۔ مجبوراً جلسہ پر کتاب نکالنے کا ارادہ ترک کر دیا گیا اور اس وقت سے پھر کوشش ہونے لگی

کہ مارچ ۱۹۱۴ء میں گورو کل کے جلسہ تک یہ کتاب چھپ جاوے
لیکن آج جبکہ صرف ۳ یوم جلسہ میں باقی ہیں اور مارچ کی ۱۷ تاریخ
ہو چکی ہے۔ اس آخری کاپی کے پریس میں جانے تک بھی پنڈت
رام بھجدت جی سے کچھ نہیں مل سکا۔ اگر اس کے بعد بھی انہوں
نے کچھ بھیجدیا تو میں اُسے درج کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔

شریمان پنڈت رام بھجدت جی کی چٹھی

جس رتن کے حالات زندگی ان اوراق میں درج ہیں۔ اُس کی
بابت مجھے ایک باب اپنی قلم سے لکھکر دینے کے لئے درخواست
کی گئی۔ اور ساتھ ہی یہ کہا گیا کہ جلدی ہی چند ایک روز میں کتاب
چھپ کر شائع کیجانی ہے۔ میری مصروفیت کے آدمی کے لئے نہ صرف
مشکل بلکہ قریباً ناممکن تھا کہ تعمیل حکم کے لئے اتنا وقت نکال سکوں
کہ جسمیں اُس پنجاب کے سچے موتی کے اوصاف بیان کرسکوں۔ اس
لئے میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میری گردن پر یہ رِن ہے۔ جو میں
جلدی ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ میری رائے میں پنڈت
گورودت کی لائف کے اپنے حقیقی معنوں میں لکھے جانے کی ازبس
ضرورت ہے۔ کیونکہ آریہ سماج کے موجودہ انتشار کا ایک علاج اسکی
زندگی اور اُس کے جیون پر گہری نظر ہے
آریہ سماج کے نوجوانوں کے لئے بہت سی مشکلات کا حل اور سماجک
تنازعات میں پھنسے ہوئے بھائیوں کی رہائی کا ایک طریقہ اُس کے
پوتر خیالات کا انکشاف ہے مجھے اس بات کا ہمیشہ خیال رہا ہے کہ

جس کام کو ایک اپنے سے بڑا آدمی اپنے ذمہ لے - اُس میں دخل دینا
نامعقولیت ہے - لیکن میں پچھلے بیس سال سے ہمیشہ محسوس کرتا رہا
ہوں کہ جہاں شری لالہ لاجپت رائے صاحب کی لکھی سوانح عمری
کیلئے ہم اُن کے تہ دل سے مشکور ہیں - وہاں اس بات کو نظر انداز نہیں
کر سکتے کہ گورودت کا اصلی جیون ان آسمانی خیالات کا گنج تھا جن
کے کمالیت کے وقت لالہ لاجپت رائے جی اُن سے دور رہتے
تھے - مجھے یہ بھی ایک مشکل ہے کہ ان کی ڈائریاں معمولی حروف
میں نہیں ہیں - اس وقت میں نے وہ خاص الف ب (alphabets)
جوش میں معلوم کر لی تھی - لیکن جب مجھے خطرہ ہوا تھا کہ وہ ڈائریاں
جو پیارے گورودت جی مجھے بطور ورثہ یا امانت کے دے گئے تھے - مجھ
سے چھینی جائینگی - تو میں نے اُن کو ایک ایسی جگہ رکھا تھا کہ جہاں
پہ اگر اُن کو نکالنے کی کوشش کی جاتی تو وہ خاک کی صورت میں
ملتیں - نہ کہ کاغذ کی شکل میں - افسوس کہ اُن میں سے جو کچھ میں نے
اخذ کر کے شری لالہ لاجپت رائے جی کو دیا تھا - اس کا پورا استعمال
انہوں نے مناسب خیال نہ فرمایا - اب مجھے پھر سے وہ alphabets
نکالنی پڑے گی اور پھر سے گھنٹوں غوطہ زن ہو کر اُن کے حالات زندگی
یادداشت کے لاکھوں ہتوں کے نیچے دبے ہوئے پھر سے سطح
پر لانے پڑیں گے - اس کے لئے وقت درکار ہے - ایشور نے چاہا
تو میں ایسا کر کے اپنے رن کو ادا کرونگا - فی الحال اتنا عرض کئے
دیتا ہوں کہ پبلک کو چاہئے بغور ان اوراق کو پڑھے اور اپنے موجودہ
نقصوں کا علاج ان کے اندر دیکھے

(رام بھجدت)

یہاں میں یہ نوٹ کرنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ ۲۷ نومبر بر موقعہ سالانہ جلسہ آریہ سماج لاہور پنڈت جی نے میری طرف سے پُرزور مطالبہ پر مجبور ہو کر مجھے آخری دن یہ چٹھی لکھکر بھیجی

اس کے ملنے پر میں نے کسی قسم کے مالی نقصان اور لوگوں کے تقاضا کی پروا نہ کرتے ہوئے اس خیال سے کہ جو قیمتی باتیں پنڈت صاحب سے ملنے کی توقع ہے۔ اس سے میرے پاٹھک محروم نہ رہیں۔ اس وقت اس کی اشاعت کو روک دیا۔ اور جلسہ کے ختم ہوتے ہی فوراً پنڈت جی سے دوبارہ تقاضا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ دو ہفتہ ٹھیر کر روزانہ میرے پاس آدمی بھیجو تو میں باقاعدہ کام شروع کر دوں گا۔ عین ارشاد کے مطابق تعمیل کی گئی مگر آپ کو فرصت نہ مل سکی۔ آخیر دسمبر گزرا جنوری اور فروری بھی گئے اور مارچ کا وہ پہلا ہفتہ آگیا جسمیں ذرا بھی کوتاہی کرنے سے کتاب کا گورو کل پر نکلنا ناممکن تھا۔ میں نے ہر روز پنڈت جی کو خط لکھے پیغام پر پیغام بھیجے۔ پنڈت جی نے آخری وقت تک امید دلائی۔ مگر آج ۷ر مارچ کو جبکہ عملی طور پر جلسہ شروع ہو چکا ہے۔ آپ نے آخر یہ خبر بھیجی کہ "افسوس اب وہ کچھ نہیں کر سکتے"

میرے دل پر اس جواب کا جو اثر ہوا ہوگا اُس کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے

میں ایشور سے پرارتھنا کروں گا کہ وہ پنڈت رام بھجدت جی کو بل اُتساہ اور فرض شناسی کا خیال دیں کہ وہ جلدی اُس دن

کو جس کا ذکر وہ بارہا اپنی تحریروں اور تقریروں میں کر چکے ہیں۔ اُتارنے
کے قابل ہوں۔ میں اُن کا کمال مشکور ہوں گا۔ اگر وہ اب بھی اسکا پورا
خیال رکھتے ہوئے اپنے اس فرض کو پورا کریں گے تا کہ اس جیون
کے پڑھنے والوں کو اس بات کا افسوس نہ رہے۔ اور مجھے بھی
یہ حسرت نہ رہے کہ میں اپنے پاٹھکوں کو جو باتیں آسانی سے بتلا
سکتا تھا اس کے ناقابل رہا +

مہاتما منشی رام جی

کی سیوا میں عرض کی گئی مگر آپ اپنی اہم ذمہ داریوں کی وجہ سے
کمال مشغول و مصروف تھے۔ اور اُن دنوں اُن کی صحت بھی
اچھی نہ تھی۔ اس لئے کچھ نہ بتلا سکے۔ مجبوراً آپ کے لیکھ کچھ آپ
بیتی کچھ جگت بیتی ہیں جو مسلسل ستیہ دھرم پرچارک میں چھپ
رہا ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباس پر ہی اکتفا کی جاتی ہے +

مہاتما جی جالندھر آریہ سماج کے سب سے پہلے جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے

پنڈت گورودت جی کی شخصیت

کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ پنڈت گورودت کی نہاں شخصیت کو مینے
سب سے زیادہ اسی سال انبھو کیا۔ پنڈت جی کو لالہ دیو راج جی

کے بڑے گھر میں اُتارا گیا تھا۔ ہمارے آپ پر وہاں ماسٹر بھگت رام جی پنڈت جی کے ہم جماعتی تھے۔ اُن کو ساتھ لے کر پنڈت جی شام کے وقت باہر گھومنے کو نکلے۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ موسلا دھار بارش کے بعد مطلع صاف ہو چکنے پر اس شدت کا جاڑا تھا کہ خود بخود دانت بج رہے تھے۔ مگر پنڈت گورودت جی لٹھے کا ایک کرتہ اُس پر سفید زین کی واسکٹ اور کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ کوٹ کے بٹن بھی کھل گئے تھے۔ ماسٹر بھگت رام جی نے کہا "پنڈت جی گرم کپڑا پہن لو"۔ پنڈت جی کے ہاتھ میں چھاتہ تھا کھول کر لے لیا اور بولے سردی اوس سے پڑیگی چلو اب بچاؤ ہو گیا"۔ مہاتما جی فرماتے ہیں میں نے تمام گرم کپڑے پہن کر اوپر اوور کوٹ بھی پہنا ہوا تھا اپنے آدمی کو کہکر گھر سے دُھسہ منگا کر پنڈت جی کو دینا چاہا۔ میرے ہاتھ کو جو جیب میں تھا باہر نکال کر پنڈت جی نے اپنے ہاتھوں سے ملایا اور پوچھا۔ "دُھسے کی آپ کو ضرورت ہے یا مجھے"۔

بلاشبہ دُھسے کی مجھے ہی ضرورت تھی۔ مجھے ٹھیک یاد ہے کہ اُس وقت سے مینے بہت کپڑوں کا بوجھ لادنا چھوڑ دیا

از شری یان ڈاکٹر چرنجیو جی بھاردواج حال مقیم جزیرہ مالٹس

پنڈت گورودت جی کے جیون پر روشنی ڈالنے والوں میں نہایت نمایاں طور پر آپ کا نام پیش کیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی افسوس کیا جاتا تھا کاش ڈاکٹر صاحب اس وقت پنجاب میں ہوتے۔ خوش قسمتی دیکھئے لاہور آریہ سماج کے جلسہ پر ڈاکٹر صاحب بھی اچانک تشریف

ے آئے - میں ان کی سیوا میں حاضر ہوا - آپ نے بڑے شوق اور
پریم سے اس کام میں مجھے سہایتا دینے کا وعدہ کیا - لیکن ساتھ ہی
افسوس کیا کہ اُن کے پاس وقت بہت کم ہے - اور وہ جلدی واپس
چلے جانے والے ہیں - میرا ارادہ لاہور سماج کے جلسہ پر ہی اس کتاب
کو شائع کر دینے کا تھا مگر جب دیکھا کہ اور اصحاب کی طرح ڈاکٹر صاحب
بھی تنگیٔ وقت کے شاکی ہیں تو میں نے اُس وقت یہ خیال ترک کر دیا
اُس وقت ڈاکٹر صاحب نے چند ایک باتیں بتلائیں جو ذیل میں
درج کی جاتی ہیں اور وعدہ فرمایا کہ اگر پہلی چھپی ہوئی کتاب اُن
کے پاس مارشیس روانہ کر دی جائے تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ
لکھ کر روانہ کریں گے - تعمیل ارشاد میں میں نے کتاب ارسال کر دی
اور اس کے بعد دو تین خط بھی لکھے مگر نہ معلوم کیوں آجتک اُن کی
طرف سے کوئی جواب نہ ملا - اگر اس کے بعد آپ کی طرف سے کچھ
کرپا ہوئی تو اُسے کسی نہ کسی طرح ناظرین تک پہنچانے کی کوشش
کی جاوے گی (مؤلف)

پنڈت گورودت جی بچپن سے ورزش کے شوقین تھے

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں - پنڈت گورودت جی کو ورزش کا شروع
سے ہی کمال شوق تھا - وہ اس سے جی نہیں چراتے تھے - جب آپ
ملتان پڑھتے تھے - تو سکول سے آتے ہوئے بجائے سیدھے
راستہ کے ارادتاً سارے شہر کا چکر لگا کر آتے تھے - آپ
عموماً بہت تیز چلتے تھے -

پنڈت گورودت جی اور یوگیوں کی سنگت

آپ کو یوگیوں سے ملنے کا بڑا شوق تھا۔ اور اکثر وہ ان کی صحبت میں بہت سا وقت گذارا کرتے تھے۔ اُن کی بہت سے یوگیوں سے خط وکتابت تھی۔ ایکدفعہ لاہور میں کوئی بڑے باکمال اور بااثر یوگی آئے۔ پنڈت جی کو اُن کے آنے کی اطلاع دی گئی آپ ہر روز اُن کے پاس شام کے ۴ بجے جاتے اور اُن سے مل کر بڑے خوش ہوتے اور عام طور پر یوگ کے متعلق اُن سے واقفیت حاصل کرتے اُپنشد پڑھتے اور دھار مک وشیوں پر بات چیت کیا کرتے تھے ایکدن سردار امراؤ سنگھ جی نے پنڈت جی کے ساتھ یوگی جی کے درشنوں کو جانا چاہا۔ پنڈت جی انہیں ساتھ لے گئے۔ مگر یوگی جی مہاراج کی طرف سے اُن کو اجازت نہ ملی یوگی جی نے کہا۔ کوئی خاص کام ہو تو اجازت مل سکیگی ایسے کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی آپ کے یوگ کا وقت ۴ بجے تھا چاہے کسی وقت بھی سوئیں آپ صبح ۴ بجے ضرور اُٹھ بیٹھا کرتے تھے ؞

پنڈت گورودت اور پراچین ساہتیہ

پنڈت گورودت جی کو پرانے آرین لٹریچر کی اشاعت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ آپ چاہتے تھے۔ جو جو پستکیں اور جو جو اعلےٰ آرین ساہتیہ اس وقت نہیں ملتا۔ اس کی تلاش کر کے اُسے

از سر نو زندہ کیا جاوے۔ آپ بڑی کوشش میں رہتے اور ہر جگہ تحقیقات کرتے پھرتے تھے۔ کئی کتابیں تلاش کر کے چھپوائیں چنانچہ دشیشک شاستر پرشیت پال پہلے کہیں نہیں ملتا تھا۔ پنڈت لیکھرام جی نے کشمیر میں بڑی تلاش اور تحقیقات کے بعد ایک نسخہ حاصل کیا اور اپنے ساتھ لاہور لائے جسے پنڈت گورودت جی نے ماسٹر درگا پرشاد جی کے ورجانند پریس میں چھپوایا۔

کئی نایاب چیزیں وہ پبلک کو دیتے مگر افسوس کم بخت موت نے ہماری تمام امیدوں کے سلسلہ کو اُن کی زندگی کے ساتھ منقطع کر دیا۔

پنڈت گورودت جی کی نظر میں سوامی دیانند سرسوتی کی عظمت

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔ ایک لیکچر میں پنڈت جی نے دلو اسر سنگرام (سورج اور بادل کی لڑائی) کے متعلق ایک ویدک منتر کی ویاکھیا اس قابلیت اور سائنٹیفک وجوہات کی بنا پر کی کہ سب لوگ عش عش کر اُٹھے۔ لالہ جیون داس جی پنشنر نے اختتام لیکچر پر پنڈت گورودت جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "پنڈت جی آج آپ نے سوامی دیانند جی سے بڑھ کر لیاقت کا اظہار کیا ہے۔"

پنڈت جی نے جواب میں کہا "سوامی جی کے مقابلہ میں

بھی سائنس نہیں جانتا - ویدک سائنس وہاں سے شروع ہوتا ہے - جہاں انگلش سائنس ختم ہوتی ہے ؞

منوسمرتی پر نوٹس

آپ نے منوسمرتی پر بہت سے نوٹس لکھے تھے اور وہ منوسمرتی اُن کے پاس موجود تھی ۔ معلوم وہ بعد میں کیا ہوئی اور لے کون گیا - اگر اس منوسمرتی کو اشاعت کا موقعہ ملتا - تو وید ک ساہتہ میں ایک نہایت ہی قیمتی اضافہ ہوتا ؞

پنڈت گورودت جی اور نیٹیل سکالر تھے

آپ کے مضامین نے ولایت تک دھوم مچادی تھی اور ہندوستان سے باہر بڑے بڑے فاضل امریکن ویدپا پنڈت گورودت جی کو نیٹیل سکالر کہتے تھے ؞

پنڈت گورودت جی کی آخری خواہش

ڈاکٹر چرنجیو جی نے فرمایا کہ آپ اپنے آخری ایام میں جبکہ بہت بیمار تھے - یوگیوں کیساتھ جانا چاہتے تھے - انتم سمے میں آپ نے فرمایا - اگر انہیں یوگیوں کیساتھ جانے دیا جاتا تو وہ ضرور بچ رہتے ؞

از سوامی اچتیانندجی

آپ کے متعلق منتری آریہ سماج جہلم سے چٹھی لکھکر دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ سوامی جی جہلم میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں آپ کی سیوا میں جہلم حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی۔ کہ آپ جو کچھ پنڈت جی کے جیون کے متعلق جانتے ہوں۔ کرپا کر کے اسے روشنی میں لائیے۔ اور آپ نے بڑی کرپا کی اور فرمایا کہ میں قلم دوات لیکر آن کے پاس بیٹھکر جو کچھ وہ لکھائیں لکھتا جاؤں۔ چنانچہ آپ نے مجھے ۸ صفحے کے قریب لکھوائے مگر چونکہ اس طول تحریر میں واقعات کی نسبت جذبات زیادہ تھے۔ اس لئے بخوف عدالت اس کا مناسب حصہ ہی پیش کیا جاتا ہے۔

(سمپادک)

پنڈت گورودت سوامی اچتیانندجی کی نظر میں

سوامی اچتیانندجی فرماتے ہیں۔ پنڈت گورودت جی اپنے اندر ایک مقناطیسی کشش رکھتے تھے۔ جوان کے درود ہی سے دورد ہی کو بچی

ان کی طرف کھینچ لاتی تھی۔ مگر افسوس پنڈت گورودت کے ساتھ ہی یہ کشش بھی جاتی رہی۔ اور آریہ سماج اس سچے پریم بھاؤ کی کشش سے بالکل خالی ہو گیا۔ آپ کی رائے ہیں پنڈت گورودت پریم مجسم فیاضی کا نمونہ اور پراوپکار کی مورت تھے۔

سوامی اچتیانند جی سماج میں کیسے آئے؟

اس کا مختصر ذکر لالہ لاجپت رائے جی نے اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔ مگر سوامی اچتیانند کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ ہم لاہور میں ایک سادھو منڈلی کے آئے۔ ہمارے ساتھ بہت سے مشتمل شاگرد تھے لاہور کے بڑے بڑے معزز۔ رؤسا۔ اُمرا۔ ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ ہم شاہ عالمی دروازہ کے باغ میں ایک میونسپل کمیٹی کی کوٹھی میں ٹھہرے تھے۔ اور وہاں ہر روز ویدانت پرچار کرتے تھے۔ پنڈت گورودت ہمارا بنایا ہوا اپنشد بھاشیہ دیکھا کرتے تھے ان کو جب معلوم ہوا۔ کہ اپنشد بھاشیہ کرنے والے سوامی خود لاہور میں آئے ہیں۔ تو آپ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے۔ آتے ہی اپنشدوں پر بات چیت شروع کر دی۔ سوامی جی کہتے ہیں۔ ہم کو اس وقت یہ معلوم نہ تھا۔ کہ ہمارے ساتھ آریہ سماج کا سب سے بڑا رتن بات کر رہا ہے۔ تھوڑی گفتگو کے بعد آپ چلے گئے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ پنڈت گورودت جی اس وقت یہ بھاؤ اپنے دل میں لے کر گئے۔ کہ اگر یہ سوامی

آریہ سماج کے اندر آجائے۔ تو بہت ہی اچھا ہے۔ اس کے بعد آپ ہر روز آتے اور بہت دیر بیٹھ کر اور شاستروں کے وشے پر بات چیت کر کے چلے جاتے۔ اکثر پنڈت گورو دت جی فٹن اور لینڈو لاتے۔ اور ہم کو ساتھ بٹھا کر سیر کو لیجاتے تھے۔ ہم نے ایک دن پنڈت گورو دت سے کہا۔ کہ بھئی تمہاری اپنی گاڑی تو ہے نہیں۔ پھر روز کیوں ایسی تکلیف کرتے ہو۔ آپ نے جواب میں کہا بھائی جی گاڑی والے کو تین روپے دئے ہیں۔ بس اب یہ گاڑی اپنی ہو گئی۔ سوامی جی فرماتے ہیں کہ آپ بڑے فیاض تھے۔ روپیہ ان کے لئے کوئی کشش نہ رکھتا تھا گورنمنٹ کالج سے 250 روپیہ ماہوار لیتے تھے۔ جو زیادہ سماجک کاموں میں ہی یکم تاریخ سے پہلے خرچ کر دیتے تھے۔

گورو دت فنا فی السماج تھے

سوامی اچھیا نند جی فرماتے ہیں۔ پنڈت گورو دت سماج کے سامنے سب کچھ بھول چکے تھے۔ ایکدن کا ذکر ہے۔ پنڈت گورو دت جی رات کے ۱۲ بجے تک ہمارے پاس بیٹھے رہتے۔ گھر سے نوکر بڑا گھبرایا ہوا آیا۔ اور کہا ماتا جی نے آپ کو بلایا ہے۔ آپ کا لڑکا سخت بیمار ہے۔ پنڈت گورو دت نے جواب دیا۔ لڑکا کب بڑا ہو اور کب پڑھے اور کب اس قابل ہو کہ وہ سماج کا کوئی کام کر سکے۔ اور پھر کیا معلوم۔ ایسے سماج کی سیوا کے قابل بنا ئیں کیا کیا۔ یتن کرنا پڑے اور کتنا عرصہ لگے۔ اور اس بات کا کیا یقین ہے کہ

وہ ضرور دلیش سیوا کرے گا۔ اگر یہ پڑھے پڑھائے۔ دلیش کی حالت
کو دل سے محسوس کرنے والے سوامی مجھے مل جاویں۔ تو سماج کا
کتنا کام ہو۔ آخر پنڈت جی بہت دیر بعد گھر گئے۔ جب دوسرے
دن ہم نے پوچھا۔ بھائی گورودت تم نے لڑکے کو دیکھنے میں اتنی
غفلت کیوں کی۔ تو آپ نے فرمایا سوامی لڑکا اچھا ہو جاوے گا
آخر سوامی جی فرماتے ہیں۔ پنڈت گورودت کا پریم۔ قابلیت اور دھرم
کا بھاؤ۔ ایسی زبردست کشش رکھنے والی صفات ہیں۔ کہ وہ ہمیں
سماج میں کھینچ ہی لائیں۔ سوامی جی کہتے ہیں۔ ہم کو پبلک میں
انٹروڈیوس کرتے ہوئے پنڈت گورودت جی نے جو سپیچ دی
وہ آتش بہ جینک تھی۔ اور ہمارے دل سے کبھی محو نہیں ہو سکتی۔

پنڈت گورودت کا مکان ایک ودیالیہ تھا

پنڈت گورودت جی کے مکان پر بہت سے نوجوان اور بوڑھے آریہ گرہستی
پنچ مہا یگیہ ودھی کی پستک اور کئی کتابیں لے کر ان سے سماجک
سدھانتوں پر واقفیت حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ اور پنڈت جی
بڑی لیاقت اور بڑے پریم سے سب کو بالتشریح سمجھایا کرتے تھے

پنڈت گورودت اور مولی باوا کا مباحثہ

سوامی جی کہتے ہیں۔ ہم سماج میں آنے کے بعد صرف ڈیڑھ ماہ
گورودت جی کے ساتھ رہے اسکے بعد پنڈت جی ہمیں جالندھر

آریہ سماج کے جلسہ پر لے گئے۔
وہاں عجیب آنند کا سمہ تھا۔ اس وقت نگر کیرتن ہیں ڈھول ڈھمکا نہ ہوتا تھا۔ اور نہ ہی ایسے شاندار انتظام سے بھجن منڈلیاں ہوتی تھیں۔ وہ کتنا بڑا منوہر اور بھاؤ نا درشیہ ہوگا۔ جب پنڈت گورودت ایم۔ اے کی موگری کا گاؤن اوڑ ھے ہوئے۔ ماسٹر درگا پرشاد جی لالہ دیوراج اور تمام سماج کے بڑے بڑے رکن یہ بھجن گاتے جا رہے تھے۔" پرالونہ گاہی پران تو ہیں۔ تو ہی راجہ ادھیراج تو ہی نردھن ہین۔
اس کے بعد دو روز جلسہ ہوتا رہا۔ آخر دن ایک مونی باوا نوین ویدانتی جن کا اصل نام عطر سنگھ تھا۔ کے ساتھ ہمارا اور پنڈت گورودت جی کا ویدانت کھنڈن پر مباحثہ ہوا اس میں آریہ سماج کی جے ہوئی۔ مباحثہ کے بہت سے پہلو تھے۔ جو یاد نہیں۔ اتنا یاد ہے مونی باوا کہتا تھا۔ سب جگت جھوٹا ہے۔ پنڈت گورودت جی نے جواب میں کہا اگر سارا جگت جھوٹا ہے۔ تو آپ سب جگت میں ہیں۔ اس سے آپ بھی جھوٹے ہیں اور آپ کے بچن بھی سب جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ ہمارے ہاں وید بھی سچا اور ہمارا دہرم بھی سچا۔ اسلئے صاف ظاہر ہے۔ کہ سچ ہماری طرف اور جھوٹ آپ کی طرف ہے۔

پنڈت گورودت اور امریکہ جانیکا خیال

سوامی اچتیانند جی نے بتلایا۔ کہ پنڈت گورودت جی ہم سے

بار ہا کہا کرتے تھے۔ کہ امریکہ کے لوگ دہرم کے جگیاسو ہیں۔ وہ صدانت کو بہت جلد گرہن کر لیتے ہیں۔ ایشور نے چاہا۔ تو میں امریکہ میں جاکر ویدک دہرم کا جھنڈا گاڑوں گا۔ افسوس آپ کی یہ خواہش بھی پوری نہ ہو سکی۔

پنڈت گورودت جی اتھک (کبھی نہ تھکنے والے) پرش تھے سوامی اچیتانند جی کا کتھن ہے کہ پنڈت گورودت کو لی اسادھارن آتما تھے۔ غیر معمولی انسان تھے۔ وہ راتوں جاگتے اور پہروں کام کرتے رہتے اور کبھی نہ تھکتے۔ ہمارے پاس رات کے دو بجے تک بیٹھے رہتے۔ ہم کئی دفعہ کہہ دیتے۔ بھائی گورودت! اب آرام کرو ہم کو نیند آئی ہے۔ پنڈت گورودت جی کہا کرتے۔ مہاراج! یہ وقت پھر کہاں ملتا ہے؟ جتنا اس کا بہتر استعمال ہو اچھا ہے۔ آپ نے تھوڑے عرصہ میں کئی کئی ہزار صفحات اپنشدوں کے پڑھے اور بہت سے دقیق مضامین کا اس کثرت سے مطالعہ کیا۔ کہ تعجب ہی معلوم ہوتا ہے۔

سوامی اچیتانند جی اور پنڈت گورودت جی کی پہلی ملاقات اور ویدیش کی حالت پر بات چیت

سوامی جی فرماتے ہیں۔ جب پہلے دن پنڈت گورودت جی میرے پاس آئے اور مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ ایک آریہ نوجوان ہیں۔ تو میں نے آتے ہی کہا۔ "تم آریہ ہو؟" ویدیش کی حالت دیکھ رہے ہو۔ آریہ جاتی

کس طرح پتت ہو رہی ہے۔ سب کی شاریرک سماجک اور آتمک
ترقی دب گئی ہے۔ ایک دوسرے سے دشمنی وحسد کے سوائے
آپس میں پریم کا نام تک نہیں رہا۔ سب طرح کی ایکتا جاتی رہی
کوئی عیسائی اور کوئی مسلمان ہوا جا رہا ہے۔ کسی کو اپنے دھرم
کی مطلقاً خبر نہیں۔ مالی حالت بھی اس قدر خراب ہو گئی ہے۔ کہ فاقہ
کشی تک نوبت آنے والی ہے۔ کم سن عمر کی شادی نے تباہی برپا کر
رکھی ہے۔ اس پر پنڈت گورودت نے بڑی گمبھیرتا سے جواب دیا۔

سوامی جی۔ دھرم کا بھاؤ نہ ہونے سے یہ سب حالت ہے۔ جس جاتی میں
فرض شناسی کا بھاؤ نہیں رہتا۔ وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ آریہ جاتی
نے جس دن سے ڈیوٹی اور دھرم کا خیال چھوڑ کر بنا سوچے سمجھے کام کرنا
شروع کیا۔ وہ تنزل کی طرف جانے لگی۔ ویدوں کی تعلیم ملک میں
دن بدن کم ہو رہی ہے۔ ویدک الفاظ نابود ہوا جا رہا ہے
سائنس کی تعلیم کا خیال اس طرح محو ہوا۔ جیسے کبھی ہمارے ہاں
سائنس تھی ہی نہیں۔ ایسی اوستھا میں ترقی کا خیال ناممکن ہے۔
دیش کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ کہ تعلیم عام ہو۔ ویدک سدھانتوں
کو عام کیا جاوے۔ ہمارے ہاں اب بھی کسی بات کی کمی نہیں
گندم اس قدر پیدا ہوتی ہے۔ کہ اگر ہمارے ملک سے باہر نہ جاوے
تو ہمارے لئے کئی سال تک کافی ہے۔ کپڑا بھی کافی ہے۔ بھارت ورش
کو ایشور کی طرف سے سب برکتیں حاصل ہیں۔ مگر ہم اپنی جہالت
کے سبب ان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اگر ہم ویدک لٹریچر
کا مطالعہ کریں تو اس میں سائنس ودیا بھری پڑی ہے وشیشک درشن

میں بہت سی کام کی باتیں ہیں۔ اس وقت آپ نے سنسکرت کے منتر سنائے۔ اور کہا۔ ویدوں کو گھر گھر پھیلا دو۔ اور لوگوں کو ان کے فرض سے آگاہ کردو۔ اور بھارت ورش پھر کبھی سے پیچھے نہ رہے گا۔

پنڈت جی کے دیہانت کی وحشت اثر خبر

سوامی جی فرماتے ہیں۔ پنڈت جی کے دیہانت پر ہم ایک ریاست میں تھے۔ وہاں آریہ ورت اخبار جو اس وقت آریوں کا یکیہ اخبار تھا۔ اور کلکتہ سے نکلتا تھا۔ آیا کرتا تھا۔ ایک دن ہم نے پڑھنے کے لئے اٹھایا۔ تو ہماری نظر ایک ہندی نظم پر پڑی۔ جو پیارے پنڈت گورودت کے ماتم پر اظہار افسوس کے لئے لکھی گئی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی خود بخود ہمارے آنسو نکلنے لگے۔ اور ہمیں اس قدر کلیش ہوا۔ کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ ہم نے کہا اس کمی کا پورا ہونا بڑا مشکل ہے۔

اس نظم میں سے ایک شعر سوامی جی کو اب تک یاد ہے آپ نے راقم الحروف کو اب بھی بڑے درد سے یہ شعر سنایا ؎

یدیپی جگ دیو ہار سکل لیتوو ہم جانا
پے پچیس کی ویس پیکھ تر ھٹیت ہیا پرانا

اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ یونتو سارا سنسار فانی ہے مگر آہ پیارے گورودت تو ہمکو پچیس برس کی عمر میں ہی چھوڑ کر جاتا ہے۔ ہمارا دل تمہارے لئے تڑپ رہا ہے۔ اور جگر پھٹ رہا ہے۔

از لالہ گنپت رائے جی

آپ پنڈت گورودت جی کے نہایت پریمیوں سے ہیں۔ بہت عرصہ تک پنڈت
جی کے ساتھ رہے۔ آپ نے بڑے افسوس سے کہا۔ کہ میرے پاس بہت
سے نوٹ اور مکمل ڈائری تھی۔ جو نہ معلوم کس نے گم کر دی۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ
پنڈت گورودت ابھی پانچ برس کے بھی نہ ہوئے تھے۔ کہ آپ کے پتا لالہ
رام کرشن جی کو ان کی تعلیم کا بڑا زوردار خیال ہوا۔ کہ۔ آپ کے پتا جی
کی رائے تھی۔ کہ بچوں کو پہلے دو تین سال بجائے سکول کے گھر میں
تعلیم دینی چاہیئے۔ آپ نے اسی خیال کے زیر اثر اپنے بچے کو بجائے
سکول بھیجنے کے کچھ دیر گھر میں ہی پڑھانا مناسب سمجھا اور اپنے بچے
کو ایک مسلمان دفتری جو اسوقت ملتان کچہری میں ملازم تھے۔
کے سپرد کر دیا۔ کہ وہ ننھے فرشتے کو حروف تہجی سکھلا دیں۔ ہونہار
بچے نے تھوڑے دنوں میں اپنا یہ کورس ختم کر لیا۔

ایک دن اُستاد نے آگے سبق پڑھاتے ہوئے جوڑ کر کے کہا کہو
الف۔ ب۔ "اب"۔ مگر چھوٹے فلاسفر نے فوراً سوال کیا۔ الف۔ ب
مل کر الف۔ ب ہی رہنے چاہئیں۔ "اب" کیسے ہو گئے۔ مگر بیچارے
اُستاد کے پاس سوائے اس کے اور کیا جواب ہو سکتا تھا کہ
یہ ایسا ہی ہوتا ہے جب جوڑ کریں۔ تو اب بنجاتا ہے۔ اس نے بڑا اصرار
کیا۔ کہ شاگرد تعمیل حکم کرے۔ مگر شاگرد پیدائشی استاد تھا۔ وہ
بھلا کیسے مانتا۔ اس نے بزور کہا۔ کہ استاد جی مجھے بتلایئے۔
کہ الف۔ ب۔ "اب" کیسے بن گیا۔ جب تک نہ بتلا دیں گے میں سبق

نہ پڑھوں گا۔ آخر اُستاد۔ شریر۔ بیوقوف۔ کہکر ناراض ہو گئے اور تب گرودوڑ کر اپنے پتا کے پاس آگیا۔ اور کہا۔ کہ استاد جی خواہ مخواہ ناراض ہو گئے ہیں۔ اور مجھے کچھ بتلاتے نہیں باپ ہونہار بچے کی دریافت پر دل سے تو بہت خوش ہوئے۔ مگر پیار سے اسے کچھ دے دلاکر رضامند کرلیا۔ کہ وہ جس طرح استاد کہے۔ اسی طرح پڑھے۔

پنڈت گرودت اور نوجوان

لالہ گنپت رائے جی فرماتے ہیں۔ کہ پنڈت جی کا اس بات پر پورن وشواش تھا۔ کہ نوجوان ہی کسی قوم کی حالت سدھار سکتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ کہ آریہ جاتی کا اصلی سرمایہ اس کے بچے ہیں جب سے اس نے اپنے اس قیمتی سرمایہ کی طرف سے لاپرواہی کی۔ تو ذلالت میں گر گئی۔ وہ ہمیشہ نوجوانوں کو وسیع مطالعہ کرنے کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ وہ اس بات کے حق میں تھے۔ بلکہ اس بات پر بڑا زور دیا کرتے تھے۔ کہ ہر ایک نوجوان کو چاہیئے۔ کہ اس میں جتنی کمزوریاں ہیں۔ اگر انہیں کھلے طور پر ظاہر نہ کرسکے۔ تو اپنی ڈائری میں نوٹ کر رکھے۔ آئندہ ان کمزوریوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ اور روزانہ اپنی ہر ایک غلطی اور کمزوری کو دور کرنے کا وچار کرے۔ پنڈت جی نے کتنے نوجوانوں کو کئی قسم کی خفیہ تحریروں کے طریقے بتا رکھے تھے۔ کہ اگر وہ اس بات سے ڈرتے ہوں۔ کہ ان کی ڈائری کوئی دیکھ نہ لے۔ تو وہ ایسی طرح لکھیں کہ وہ خود سمجھ سکیں۔ مگر دوسرا کچھ نہ سمجھے۔

پنڈت گورودت جیکی تصنیف جو آجتک شائع نہیں ہوئیں

لالہ گنپت رائے جی نے بتلایا - کہ پنڈت گورودت جیکی مرتیو سے پہلے وہ نہایت قیمتی مسودے ایسے تھے - جنہیں پنڈت جی جلدی شائع کرنا چاہتے تھے - مگر نہ معلوم ان کی مرتیو پر وہ کہاں گئے - گم کیا ہوئے - کس نے چرائے - ان میں ایک تو سندھیا کا باتشریح انگریزی ترجمہ تھا - دوسری ایک کتاب جس میں لاہور کی تمام سبھاؤں اور سوسائیٹوں کے دلچسپ حالات پر روشنی ڈالی گئی تھی -

پنڈت گورودت جی اور سنسکرت تعلیم

گو میری سوانح عمری میں تھوڑا سا ذکر لالہ لاجپت رائے جی نے پنڈت جی کی سنسکرت تعلیم کے متعلق کیا ہے - مگر لالہ گنپت رائے جی نے اس کے متعلق ایک قابل ذکر واقعہ سنایا - آپ فرماتے ہیں - پنڈت جی پہلے پہل سنسکرت زبان کو dead language یعنے ایک مردہ زبان" کہا کرتے تھے - ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ لالہ چیتا نند بی - اے وکیل ملتان کے مکان پر تشریف لے گئے - وہاں سنسکرت میں منوسمرتی پڑھی تھی - آپ نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر کہا - کیسی مردہ اور گلی سڑی زبان کی کتابیں پڑھتے ہو - مگر اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی آپ کو سنسکرت زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا - اور اسکی ابتدا اسطرح ہوئی - کہ آپ کے سکول میں ایک لائق ماسٹر تھے - جو لڑکوں کو بڑے شوق سے تواریخ پڑھایا کرتے تھے - اکثر

اوقات وہ انگریزی کے ایسے الفاظ استعمال کرتے۔ جن کا ماخذ
مخرج وہ سنسکرت بتلایا کرتے تھے۔ ایک دن یکایک اٹھ گئے
اور آپ سنسکرت پڑھانے والے پنڈت کے پاس خود بخود چلے گئے
اور سنسکرت پڑھنے والے دوسرے طلباء کے ساتھ شامل ہو گئے۔
پنڈت جی تو اپنے معمولی شاگردوں کو روز پڑھاتے تھے۔ اور کوئی چلن نہ
کرتا تھا۔ لیکن نئے شاگرد سے پنڈت صاحب تنگ آ گئے۔ گورودت جی
ایک ایک بات پر سوال کرتے اور بغیر اچھی طرح سمجھے پنڈت جی کو ذرا آگے
نہ بڑھنے دیتے تھے۔ دو چار روز پنڈت صاحب نے جوں توں کر کے کاٹے
مگر آخر یہ سمجھ کر کہ جتنے ورق اوقات... وہ ایک گھنٹہ میں لڑکوں کو پڑھا
دیتے تھے۔ نئے شاگرد ول نے چار دنوں میں بھی ختم نہیں ہونے
دئے۔ پنڈت جی نے گورودت جی کو دھمکایا۔ اگر پڑھنا ہے۔ تو ایسے
فضول اعتراضات مت کرو۔ اس سے جماعت کا بہت حرج ہوتا ہے
مگر آپ کب ملنے والے تھے۔ آپ نے کہا۔ جب تک میری پوری تسلی
نہ ہو۔ مجھے پورا اختیار ہے۔ کہ آپ کو آگے چلنے نہ دوں۔ آپ کا
فرض ہے کہ آپ مجھے اچھی طرح سے سمجھائیں۔ اس پر پنڈت صاحب
بڑے ناراض ہوئے اور اپنے لائق شاگرد کو جو ایسے سوال
پوچھتا تھا۔ جس کا جواب وہ استاد نہ دے سکتا تھا۔ جماعت
سے باہر نکال دیا۔ گورودت جی فوراً ہیڈ ماسٹر صاحب کے مکان
پر پہونچے۔ اور ان کو جا کر ساری کیفیت سنا دی۔ ہیڈ ماسٹر
اپنے ہونہار طالب علم کو اچھی طرح جانتے تھے۔ انہوں نے کہا
میری رائے میں بہتر ہے۔ کہ تم سکول میں سنسکرت نہ پڑھو۔

بلکہ جس طرح میں کہتا ہوں۔ اسی طرح پرائیویٹ طور پر سنسکرت کا مطالعہ شروع کرو۔ چنانچہ آپ نے پنڈت جی کو چند ایک کتابیں دیں۔ اور پنڈت جی نے پرائیویٹ طور پر اپنی کوششوں سے سنسکرت میں جو لیاقت پیدا کی۔ اسے آج کون نہیں جانتا۔

پنڈت گورودت جی کی سنسکرت لیاقت کا پہلا اور نرالا امتحان

آپ جن دنوں ملتان میں اشٹادھیائے پڑھا کرتے تھے۔ اتفاق سے وہاں ایک سنیاسی آگئے۔ ان کا آریوں کے ساتھ مباحثہ ہوا پنڈت گورودت جی کی نسبت کہا گیا۔ کہ وہ ابھی طفل مکتب ہے ہمارے سامنے وہ سنسکرت کی لیاقت کی کیا ڈھینگ مار سکتا ہے۔ دیو بانی (دیوتوں کی زبان ہے) بچوں کا کھیل نہیں۔ ہم ایسے نوجوان سے کیا مباحثہ کریں جس کو سنسکرت کا ابجی کا کھا یعنی حروف تہجی بھی نہیں آتی۔ لوگوں نے سنیاسی صاحب کو کہا۔ اگر آپ اتنے ہی ودوان ہیں۔ تو کوئی مشکل سے مشکل سنسکرت شلوک لکھ بھیجئے۔ اگر اس کا جواب گورودت جی نے ٹھیک دیدیا۔ تو خیر نہیں تو سب سمجھ لیں گے۔ کہ گورودت ابھی آپ کے سامنے بچہ ہے۔ اور آریہ آپ کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتے۔ سنیاسی نے ایک شلوک لکھکر بھیجدیا۔ پنڈت گورودت جی نے فوراً اس کا جواب کئی شلوکوں میں - اور سنسکرت شلوکوں کے الفاظ کی بناوٹ ایسی

رکھی۔ کہ جوں ہی سنیاسی نے کاغذ ہاتھ میں لیا۔ پڑھتے ہی پکار اُٹھا۔ یہ دیکھو۔ آریوں کی تہذیب۔ کسی معقول جواب کے نہ ہونے پر الٹا مجھے فحش گالیاں لکھ بھیجی ہیں۔ مگر جب پنڈت جی نے ان شلوکوں کو پڑھ کر ٹھیک ارتھ کئے۔ تو تمام حاضرین دنگ رہ گئے۔ وہ تمام شلوک لالہ گنپت رائے جی کو یاد نہیں۔ مثال کے طور پر سنسکرت کا شبد ہے "دھی چود" پنجابی میں فحش گالی ہے۔ لیکن اس کا ارتھ ہے۔ جو پرماتما بدھی کو پریرنا کرتا ہے۔

شروع شروع میں جبکہ لاہور ابھی سماج قائم ہی ہوا تھا۔ سماج میں ایک ہفتہ وار ڈائری پڑھی جاتی تھی جیسے ایک سماج کا ممبر اپنے متعلق لکھا کرتا تھا کہ اس نے اس ہفتہ میں اپنے پریوار اور اپنی جاتی کی ترقی کیلئے عملی طور پر کیا کیا۔ اس ڈائری میں سوائے گورودت جی کے ایک نام بھی ایسا نہ تھا۔ جس کے ریمارکس سے معلوم ہو۔ کہ اس نے کسی قسم کی ترقی کی ہے۔ پنڈت گورودت جی کے ریمارکس ہوتے تھے۔ اشٹادھیائی۔ وید۔ اپنشد کا مطالعہ فلاں سبھا سوسائٹی کا کام وغیرہ۔

پنڈت گورودت جی کا اُدیش

پنڈت گورودت جی کا آئیڈیل یہ تھا۔ اور وہ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر انسان کوئی اور مہان کام نہ کر سکے تو کم از کم یہ تو ہر ایک منش کا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ خود اسے عالی بنے اور کم از کم اپنے جیون میں

ایک ایسا آدمی پیدا کرے۔ جو سچے معنوں میں اس کا قائم مقام ہو۔ آپ اس کے متعلق سرگرم کوشش کرتے رہے۔ کہ کوئی وسیع مطالعہ کرنے والا۔ محنتی اور ویدک سدھانتوں کا پرچار کرنے والا اپنا ساتھی پیدا کریں۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔

از لالہ کدار ناتھ جی ٹھاپر منتری آریہ پرتی ندھی سبھا

آپ کے درشن کرنے پر آپ نے بکمال توجہ اور پریم سے میری درخواست کو سنا۔ اور جو کچھ وہ تبلا سکتے تھے۔ نہایت خوشی سے تبلانے کی کرپا کی۔ بلکہ آپ نے اپنے ایک لیکچر کے نوٹ جو آپ نے پنڈت گورودت جی کے جیون کے متعلق آریہ سماج لاہور میں دیا تھا۔ میرے حوالے کر دئے۔ کہ اگر میں ان سے کچھ فائدہ اٹھا سکوں۔ تو اٹھاؤں۔ ذیل میں جو کچھ ان سے پراپت ہوا۔ اسے اپنے الفاظ میں بالتفصیل قلمبند کیا جاتا ہے۔

پنڈت گورودت جی اخبارات نہیں پڑھا کرتے تھے

لالہ کدار ناتھ جی فرماتے ہیں۔ ہمیں یہ بات پہلی دفعہ اس وقت معلوم ہوئی۔ جب بنگال میں بابو سریندر ناتھ جی پر پہلا مقدمہ چلا۔ اس وقت تمام اہل وطن کی ہمدردی بابو صاحب موصوف کیساتھ تھی۔ آپ سے اظہار ہمدردی کے خیال سے ملک میں ہر جگہ جلسے کئے گئے تھے۔ لاہور میں بھی ایسے جلسے کا انتظام ہوا۔ اور تجویز ہوئی۔ کہ پنڈت گورودت جی اس جلسہ میں تقریر کریں۔ جب

پنڈت جی سے درخواست کی گئی۔ کہ وہ اس جلسہ میں تقریر کریں۔
تو آپ نے فرمایا۔ افسوس میں اخبارات نہیں پڑھا کرتا۔ اس
لئے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں۔ کہ ملک میں عام خیالات کیا ہیں"۔
اس سے یہ مطلب نہیں نکال لینا چاہیئے۔ کہ پنڈت جی اخبارات
کی اہمیت اور ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ یا وہ اخبارات پڑھنے کے
حق میں ہی نہ تھے۔ بلکہ یہ کہ وہ اخبارات پڑھنے سے بدرجہا زیادہ
اہم علمی تحقیقاتوں میں لگے ہوئے تھے (مولف)

پتا اور چچا کے اصلی رشتے

لالہ لاجپت رائے جی اس پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ کہ شروع
میں پنڈت گورودت جی ایشور پرستوں کو وہمی سمجھتے تھے۔ مگر جب
پنڈت گورودت جی نے رشی دیانند کی تیجسوی مورت کو دیکھا۔
اور مہرشی کے منوہر اور موثر دلائل کو سنا۔ اس وقت سے وہ
اپنی پہلی زندگی کے آدرش کو بھول گئے۔ انہوں نے مہرشی
سوامی دیانند کو اپنا پتا اور انہی کے نصب العین کو اپنا معراج
قرار دیا۔ دنیاوی پتا سے بدرجہا زیادہ عزت رشی دیانند
کے لئے ان کے دل میں تھی۔ خیالات ہی تمام دنیا پر حکومت
کرتے ہیں۔ اور خیالات کی ہم آہنگی ہی بہت بڑا رشتہ ہے
پنڈت گورودت جی مشہور مصنف ڈیوس کی مصنفہ کتابیں بڑے
شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ اور ان سے پنڈت گورودت کے دل و دماغ

میں غیر معمولی ولولے پیدا ہوتے تھے۔ پنڈت گورودت جی نے دنیاوی رشتوں کی دلدل میں زیادہ نہ پھنستے ہوئے اپنے جذبات و خیالات کے ہمنواؤں سے رشتہ داریاں پیدا کیں۔ اور جس طرح وہ مہرشی دیانند مہاراج کو اپنا پتا مانتے تھے۔ اسی طرح بدیشی سکالر ڈیوس کو اپنا بزرگوار چچا کہا کرتے تھے۔

دراصل خیالات ایک عجیب بے پایاں طوفان ہے جسے کوئی دیوار روک نہیں سکتی۔ پنڈت گورودت جی ڈیوس کی شکل سے اپنی شکل کی مشابہت پیدا کیا کرتے تھے۔ اور اس سے بڑے خوش ہوتے تھے۔

ویدوں کی تعلیم عام ہو

پنڈت گورودت جی کا خیال تھا کہ وید وہ بیش قیمت دولت ہے۔ جو انسانوں کو ہر وقت اپنے دل و دماغ میں جمع رکھنی چاہیئے ویدوں سے دنیا کی تمام ضروریات کی تکمیل کا سبق ملتا ہے۔ وید ہمیں ہر قسم کی دنیاوی راحت کا ڈھنگ سکھلاتے ہیں اور ان سے تمام انسانوں کو یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ ہمیں دنیا میں کس طرح قدم اٹھا کر زندگی کے مرحلہ کو طے کرکے پھر دوسری دنیا میں مہان شانتی سے جانا چاہیئے۔ ویدوں سے ہی تمام نظام کے سلسلہ کا مکمل حال معلوم ہوتا ہے۔ جیو۔ برہم۔ آتما۔ پرماتما۔ اسنبھور پرکرتی۔ وغیرہ باریک مسئلوں کے حل کا صرف ایک وید ہی ذریعہ ہیں پنڈت گورودت عام لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ اگر تم دنیا

میں جینا چاہتے ہو۔ تو ویدک دہرم کو گرہن کرو۔ پھر تم دیکھوگے۔ تمہارے ہرایک کام میں اس پوتر دھرم سے تمہیں کیا مدد مل سکتی ہے۔ پنڈت جی نے اسپر کئی کتابیں لکھیں۔ سینکڑوں تقریریں کیں۔ اور ہر روز شروع دن میں کئی نئے خیالات سوچکر اس نئے تیار ہو کر اٹھتے تھے۔ کہ کس طرح ویدک دہرم دنیا میں عالمگیر دہرم ہوسکتا ہے۔ We must go through Vedas

"ہرایک انسان کے لئے ضروری ہے۔ کہ ویدوں کا مطالعہ کرے" آپ کا اپنا جیون اپدیش تھا۔ اور اسی کی تلقین وہ سب کو کیا کرتے تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں۔ کہ ہرایک آدمی ویدوں کو جان جائے اور کسی کو بغیر پڑھے اور بغیر ویدوں کے جانے کسی قسم کی رائے قایم کرنے کا حق نہ رہے ٭

ویدوں کو گھر گھر پھیلا دینا ہمارا کرتویہ ہے پھر اس بات کی جانچ خود بخود ہو جائے گی۔ کہ وید کن کن خوبیوں کا مخزن ہیں ٭

پنڈت گورودت جی کا جیون پریکٹیکل جیون تھا

لالہ کدارناتھ جی نے فرمایا۔ کہ پنڈت گورودت کو جن لوگوں نے گہرے طور پر مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ آپکا جیون عملی جیون تھا۔ آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ زبج جب تک نشٹ نہ ہو پھل نہیں لاتا۔ اسکا عملی ثبوت آپنے اپنے جیون سے دیا

ہڈیاں مُلک سے باہر نہ جاویں گی

آج شاید یہ خیال عام ہوگیا ہے۔ اور لوگوں کو یہ صداقت معلوم ہوگئی ہے کہ آئے دن جو سینکڑوں چھکڑے ہڈیوں کے بھر کر ولایت کو روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس میں ہمارے ولیش کی بڑی ہانی ہے لیکن آج سے چوتھائی صدی پہلے پنڈت گورودت جی ہڈیوں کے باہر جانے کے سائینٹفک وجوہات پر سخت مخالف تھے۔ ہڈیاں ہمارے کھیتوں کی جان ہیں۔ اور فاسفورس پیدا کرتی ہیں۔ جس سے کئی گنا زیادہ فصل ہوتی ہے۔

پنڈت جی کے سُنہری الفاظ

آپ جب بیمار ہو کر مسوری تشریف لے گئے ہیں۔ تو آپ نے پنڈت رام بھجدت جی کو اپنی ایک طویل چھٹی میں لکھا۔

If I will die I will get a better Shaira

اگر میں مرگیا۔ تو مجھے یقین ہے کہ میں اس سے بہتر جسم حاصل کروں گا۔

ایکدفعہ پنڈت جی سے درخواست کی گئی کہ وہ سوامی جی کا جیون چرتر لکھیں۔ جو جواب آپنے اس وقت دیا۔ اس قابل ہے کہ ہر ایک آریہ نوجوان اسے اپنے دل پر کندہ کرلے۔ اور عملی طور پر اپنے

جیون میں ڈھلے ۔ یہ جواب نہایت مختصر مگر بڑا شاندار تھا
آپ نے فرمایا ۔
"میں سوامی جی کے جیون کو اپنے پرانوں میں لکھ رہا ہوں"
لالہ کدارناتھ جی بھی ملتان میں پڑھا کرتے تھے ۔ پنڈت گرودت
جی آپ سے ایک جماعت اوپر تھے ۔
آپ اس وقت کی واقفیت کی بنا پر فرماتے ہیں ۔ کہ پنڈت
جب سکول میں پڑھا کرتے اور ابھی خود شِشیہ یعنے طالب علم
تھے ۔ تو دوسرے لڑکے آپ کو گرو جی کہکر مخاطب کیا کرتے
تھے ۔ جسے دوسرے الفاظ میں اس طرح کہہ سکتے ہیں ۔ کہ
وہ جس نے ساری عمر اپنے آپ کو ودیارتھی یعنی طالب علم
سمجھا ۔ لوگ اُسے پیدائش سے ہی گورو ملنتے تھے

پنڈت گورودت جی اور برہمچریہ

لالہ کدارناتھ جی فرماتے ہیں ۔ ایکدفعہ برہمچریہ پر بات چیت کرتے
ہوئے میں نے کہا ۔ برہمچریہ کی منزل بڑی کٹھن ہے ۔
جب تک استری پرش دونو اس بارے میں مکمل طور پر
ہم خیال نہ ہوں ۔ انسان کے لئے برہمچریہ کے نیم کا پورا پورا
پالن کرنا قریباً ناممکن ہو جاتا ہے ۔ جب استریاں اس پوتر
کام میں سہاتک نہ ہوں ۔ تو کیا کیا جاوے ۔ پنڈت جی نے
جواب میں فرمایا ۔ کچھ ہو انسان کو اپنا آدرش مکمل رکھنا چاہیئے

لالہ کدار ناتھ جی نے بڑے درد بھرے لہجے میں پنڈت جی کی مرتیو کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ انہیں یاد ہے۔ اور یہ ۱۸۸۱ء کا واقعہ ہے۔ ایک روز کرکٹ کھیلنے جا رہے تھے۔ کہ پنڈت جی نے مجھے فرمایا۔ میرا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ یہ Brain activity جلدی میری موت کا باعث ہوگی۔ آہ! وہی ہوا جو انہوں نے اپنی موت سے نو سال پہلے پیارے گوروُدت نے خود ہی ظاہر کر دیا تھا +

اشٹادھیائی کلاس

پنڈت گورودت جی چاہتے تھے۔ کہ پرائیویٹ طور پر ایک اشٹادھیائی کلاس کھولی جاوے۔ اور پڑھنے والوں کو وظیفے دئے جاویں۔ اس کام میں شنتے ہیں۔ سردار امراؤ سنگھ جی نے مالی امداد دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ سکالرشپ کی کوئی خاص رقم مقرر نہ تھی بلکہ یہ کہا گیا تھا۔ کہ جس قدر تنخواہ وہ کسی دفتر سے پاتے ہیں۔ وہی ان کو بطور وظیفہ مل جاوے گا۔ مگر افسوس ان کی یہ آشا پوری نہ ہوئی۔ کئی نوجوان اپنے طور پر پڑھتے رہے لیکن کسی نے باقاعدہ ملازمت چھوڑ کر وظیفہ نہ لیا۔

لالہ کدار ناتھ جی فرماتے ہیں۔ ڈی۔ اے۔ وی کالج کے نظام تعلیم میں جو تبدیلی اشٹادھیائی کے متعلق ہونے والی تھی پنڈت گورودت جی کی سرگرم کوششوں سے وہ سکیم پاس ہو جانے والی تھی۔ مگر سورگباشی لالہ لال چند جی کی دھمکی سے رک گئی۔

لالہ کدار ناتھ جی کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ اس وقت پنڈت گورودت جی کی تمام Constitution آئینی کو سٹیشن نکالا ہے یہی وہ افسوسناک سمہ تھا۔ جب باہمی مخالفت ہو جانے پر سماج میں قابل افسوس نا اتفاقی کا بیج بویا گیا۔

گورودت جی کا پنڈت کیشوانند سے مباحثہ

لاہور میں پنڈت کیشوانند جی مع اپنے چالیس ہمجولیوں کے تشریف لائے۔ سماج کی طرف سے گورودت جی نے سنسکرت میں مباحثہ کرنیکا نوٹس دیا۔ لگاتار چار ہفتوں کا نوٹس تھا۔ اس گروہ میں سے کتنے ہی پنڈت میدان میں نکلے مگر لاجواب ہو کر واپس ہوئے۔ لاہور پبلک کے سامنے اس موقعہ پر پنڈت گورودت جی نے اپنی سنسکرت کی مکمل واقفیت اور اعلیٰ قابلیت کا اظہار کیا۔ اور اسی دن سے آپ پنڈت کہلائے۔

ایک دفعہ پنڈت جی مع لالہ شیونا تھ رائے۔ لالہ ہیراج اور شاید کوئی اور صاحب بھی تھے۔ لاہور۔ موری دروازہ کے اندر بورڈنگ ہاؤس میں تشریف لے گئے۔ ان دنوں بھگت ریمل جی یہاں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ آپ نے جاتے ہی لڑکوں کو معمولی آپدیش کرتے ہوئے سوال کیا۔ تم کسی سے ڈرتے تو نہیں۔ سب لڑکوں نے اکڑ کر جواب دیا۔ مطلقاً نہیں" لڑکے اکثر شام کے وقت ٹکسالی دروازہ کے باہر دریا کی طرف سیر کو جایا

کرتے رہتے۔ ایک دن پنڈت جی نے مع اپنے دو تین اور ساتھیوں کے جاٹوں والے کپڑے پہن کر ہاتھوں میں لمبی لمبی لاٹھیاں لے کھیتوں سے نکلکر ان لڑکوں کو جا گھیرا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ کسی لڑکے نے ان کو نہ پہچانا۔ اور یکدم سب گھبرا گئے۔ بیچاروں کو اپنی مصنوعی دلیری کے دعوے یاد بھی نہ رہے مصنوعی چوروں نے نہیں نہیں رحمت کے فرشتوں نے جو عملی طور پر اپنے بچوں کو جتلانے آئے تھے۔ کہ کاہیر تا کا جیون موت کا مترادف ہے۔ گو پنڈت جی کچھ نہ بولے۔ مگر ان کا طرز عمل خود بخود ان بچوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

سچے آریہ جیون کیلئے سب سے پہلی اور لازمی شرط یہ ہے کہ کسی کے سامنے کسی حالت میں سرنگوں نہ ہونا پڑے اور دنیا کی کوئی طاقت کسی قسم کا جسمانی یا مالی خوف دلاکر گمراہ نہ کر سکے جینا ہے تو بے خوف جیو۔ اور اپنے آپ کو مضبوط دل اور مضبوط جسم بناؤ۔ بزدل اور کائیر دنیا میں کسی طرح کی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ مردانگی لاٹھیوں کے سامنے سر جھکانے میں نہیں۔ آریہ ویر دل کا سر جھکیگا۔ تو صرف ستیہ۔ (سچائی) کے سامنے۔ بزدل لڑکوں نے چوں نہ کی۔ اور پنڈت جی : مع ساتھیوں کے ان کے سب کپڑے وغیرہ چھین لئے۔ بیچارے چپ چاپ بورڈنگ میں چلے گئے۔ دو تین روز بعد آپ پھر بورڈنگ میں تشریف لے گئے۔ اور ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد پھر وہی

سوال کیا۔ اور لڑکوں نے وہی جواب دیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد سب بھید کھل گیا۔ اور سب لڑکوں کو سخت شرمندہ ہونا پڑا۔

پنڈت گورودت کی زبردست شخصیت

لالہ کدارناتھ جی فرماتے ہیں۔ کہ ایک ہائی کلاس کا معمولی طالب علم ہوتے ہی آپ کسقدر زبردست ہستی تھے۔ اسکا اندازہ اس ایک چھوٹی سی بات سے ہو سکتا ہے۔ اس بات کا ذکر لالہ لاجپت رائے جی کی کتاب میں آچکا ہے۔ جس وقت آپ نے اشٹادھیائی کے لئے ملتان کے سماجک ادھیکاریوں کو کہا۔ کہ میرے لئے کوئی پنڈت بلاؤ۔ تو آپ نے بڑی زوردار دھمکی دی تھی۔ کہ اگر آپ لوگ مجھے اشٹادھیائی پڑھانے کا پورا انتظام نہ کر دیں گے۔ تو میں سماج کے خلاف پبلک لیکچر دونگا۔ کیونکہ اس سے مجھے یقین ہو جاوے گا۔ کہ آپ لوگ سنسکرت۔ سنسکرت کا نام لے کر رونا جانتے ہیں۔ مگر آپ میں سنسکرت پڑھانے والا قابل آدمی ایک بھی نہیں ۔

شریمان لالہ جیون داس جی پنشنر

بھی ان بزرگوار ولنے ہیں۔ جن سے پنڈت گورودت جی کے جیون کے متعلق بہت کچھ روشنی پڑنے کی آشا کیجاتی ہے۔ آپ پہلے پنڈت گورودت جی کے انگریزی ورکس کو مرتب کر کے پبلک میں پیش کر چکے ہیں۔ ورکس کے پہلے صفحات میں آپ نے پنڈت گورودت جی

کا مختصر جیون چرتر بھی دیا ہے۔ اس لئے انہیں مزید تکلیف دینے کی ضرورت نہ سمجھ کر اس جیون چرتر سے جو کوئی نئی بات قابل اندراج سمجھی گئی ہے۔ یہاں اخذ کر دی گئی ہے جس کے لئے میں انکا تہ دل سے مشکور ہوں۔

پنڈت گورودت نیچرل شاعر تھے

پنڈت گورودت جی کا رجحان طبع شاعرانہ تھا۔ اور ان میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔ جو ایک پیدائشی شاعر کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ ان کے کلام میں تصنع کا نام و نشان نہ تھا۔ ایکدفعہ آپ نے زمانہ طالب علمی میں ایک طویل فارسی نظم لکھی۔ آپ نے جب کبھی چھوٹی سی نظم بھی کہی اسمیں شیریں کلامی۔ فصاحت بلند خیالی اور روانی پائی جاتی تھی مگر افسوس انہوں نے اپنے جیون میں اپنے اس اوصاف کو بڑھنے کا موقعہ ندیا۔

کالج لائیف سے پہلے ہی آپ نے لٹریچر کی تمام شاخوں کا مطالعہ کر لیا

لالہ جیون داس جی اپنے لکھے جیون چرتر میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہ ایک غیر معمولی بات ہے کہ ایک پندرہ سولہ سال کا بچہ ہائی سکول کی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی لٹریچر کی تقریباً تمام شاخوں پر عبور حاصل کرے۔ جبکہ آجکل ہمارے انٹرینس میں پڑھنے والے بچوں کو لفظ "لٹریچر" کے اچھی طرح معنے بھی نہیں آتے۔ انگریزی میں ملٹن شیکسپیر

سپنسر وغیرہ تمام مشہور مصنفوں کی تصانیف - فارسی کا بھی بہت سا
لٹریچر اور عربی میں صرف نحو وغیرہ بھی پڑھ لی - اور منطق و فلسفہ پر بہت
سی کتابیں دیکھ لی تھیں -

اپنی جماعت میں طالبعلموں کے سامنے اپنی قابلیت کا ثبوت

ایک دفعہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکوں کی حوصلہ افزائی اور امتحانِ لیاقت
کے خیال سے ایک مشہور مصنف کا ایک جُملہ پیش کیا - جو "Here it
کے الفاظ پر ختم ہوتا تھا - آپ نے کہا - جو لڑکا اس کی توضیح کرے گا -
اُسے پانچ روپیہ انعام دیئے جاویں گے - تمام جماعت میں خاموشی
چھا گئی - اور کِسی کو جرأت نہ ہوئی کہ جواب دے - مگر ننھا فرشتہ گورودت فوراً
میز پر جا چڑھا اور اس خوبی اور خوبصورتی سے اپنا جواب پیش کیا - کہ
سب دنگ اور حیران رہ گئے - ہیڈ ماسٹر اپنے ہونہار شاگرد کی خوبی
ذہانت دیکھکر جامے میں نہ سمائے - اس کی پیٹھ پر تھپکی دی - اور
فوراً پانچ روپیہ بطور انعام پیش کئے - پنڈت گورودت تمام سکول بھر میں
نہ صرف اپنی لیاقت کے لئے مشہور تھے - بلکہ اپنی سچائی اور دلیری کیلئے بھی
نہایت ہر دلعزیز تھے - ان کی نسبت بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے - کہ انہوں
نے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں کبھی کِسی سے دب کر ایک دفعہ بھی جھوٹ
نہیں بولا +

پنڈت گورودت پر سوامی جی کا اعتماد

لالہ جیون داس جی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج نے جب اپنا آخری سمہ بالکل قریب سمجھا تو تمام نوکروں میں شال اور روپے تقسیم کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا۔ کہ تمام آدمی ان کے کمرہ سے نکل جاویں۔ صرف پنڈت گورودت جی میرے پاس رہیں۔ جب کمرہ خالی ہو چکا۔ تو سوامی جی نے پنڈت جی کو اپنے بہت نزدیک بلایا۔ اور نہایت گہرے پریم سے اپنی معجزہ اثر زبان سے نہ معلوم دو چار لفظوں میں کیا جادو پھونکا کہ پنڈت گورودت جی جب باہر تشریف لائے۔ تو اس خاص ملاقات سے کمال متاثر پائے گئے۔ اس دن سے آپ کے خیالات میں جو تھوڑے بہت ناستکتا کے جرم موجود تھے۔ ہمیشہ کے لئے جاتے رہے۔

آخری نویدن

پیارے ناظرین! اب میں چند الفاظ عرض کر کے آپ سے رخصت چاہتا ہوں جو کچھ جس ذریعے سے ملا آپ کے سامنے ہے۔ اور جو اس کے بعد ملیگا اُسے بھی حتے الوسع جلدی کسی نہ کسی ذریعے سے آپ تک پہونچانے کی کوشش کی جاوے گی۔ مندرجہ بالا اصحاب کے علاوہ میں نے پنڈت گورودت جی کے سوپتر مہاشہ سدانند جی جو آجکل لاہور گورنمنٹ کالج میں ڈیمانسٹریٹر ہیں۔ کے بھی درشن کئے۔ میری درخواست پر انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے پتا کی دیہانت پر صرف دو سال کے کمسن بچے تھے انہوں نے یہ بھی کہا۔ کہ اگر انہیں اپنی ماتا اور دیگر رشتہ داروں

سے سنا سنایا کچھہ معلوم بہی ہے۔ تو وہ ان کے پبلک جیون سے
متعلق نہیں۔

اس کے بعد شریمان لالہ ہنسراج جی سے بہی درخواست کی گئی۔ کہ
وہ اگر پنڈت جی کے جیون پر کچھہ روشنی ڈال سکیں۔ تو کرپا کریں
آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ انہیں اسوقت تو کوئی خاص واقعہ ایسا یاد
نہیں۔ جسے پبلک کے لئے نیا سمجھا جا سکے۔ البتہ اتنا کہا۔
کہ اگر میں ان کے پاس پہلا مسودہ ارسال کر دوں۔ تو وہ اسکو
دیکھنے کے بعد اگر کوئی نئی بات ہوئی۔ تو بخوشی بتلا دیں گے۔ میں
نے تعمیل ارشاد میں ان واقعات کا خلاصہ ان کے پاس روانہ کر دیا
جو اس وقت تک چھپ چکے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہیں کوئی
نئی بات معلوم نہیں ہوئی ورنہ وہ اوشیہ مجھے اطلاع دیتے۔

شریمان بھگت رئیل جی سے بہت کچھ ابتدائی حالات ملنے کی توقع کی
جاتی ہے۔ میں نے اپنے ایک متر کو پے درپے خط لکھے۔ کہ وہ
بھگت جی کو ملکر ان سے کچھ نوٹ لے کر ارسال کریں۔ انہوں
نے مجھے لکھا۔ کہ وہ کوشش کریں گے۔ اور کئی دفعہ کوشش
بہی کی۔ مگر وقت کے ابھاؤ سے وہ ناکامیاب ہی رہے۔ میں خود
ان کی سیوا میں حاضر ہوتا مگر مجھے ایک تو کامل امید تھی۔ کہ وہ ضرور کچھ
بھجوائیں گے۔ دوسرے لالا جپت رائے جی کی کتاب میں بہت کچھ
بھگت جی کی واقفیت کی بابت لکھا گیا ہے۔ میں نے خیال کیا شاید
اسی وجہ سے انہیں کامیابی نہ ہوئی ہو۔ اسکے علاوہ اور بہی کئی جگہ خطوط لکھے گئے۔
اور کئی طرح کوشش کی گئی مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

پنڈت گورودت کی زندگی سے چند سبق

از شریمان ڈاکٹر گوکل چند جی ایم۔اے۔ پی ایچ۔ ڈی بیرسٹرایٹ لا
سابق پروفیسر ڈی۔اے۔وی کالج لاہور

آریہ سماج میں سوامی دیانند سے اُتر کر پنڈت گورُودت کا بلحاظ لیاقت اور علمیت دوسرا درجہ سمجھا جاتا ہے۔ اور میری رائے میں بجا طور پر ان کو یہ پدوی دی جاتی ہے۔ پنڈت گورُودت نہ صرف علوم مغربی کے ماہر تھے۔ بلکہ سنسکرت اور آرین فلسفہ کے بھی فاضل تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اودرکہ خاندان میں پیدا ہو کر آپ نے پنڈت کا خطاب حاصل کیا۔ جو ابھی تک آریہ سماج جیسی گن کرم اور سبھاؤ سے ورن ماننے والی سبھا سے بھی اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ مگر باوجود پنڈت گورودت کی اعلیٰ قابلیت اور علمیت کے جو بات ان کی زندگی میں میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کرتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو ساری عمر طالب علم ہی سمجھتے رہے۔ اور اسی وجہ سے اپنا نام ودیارتھی رکھا۔ جہاں آجکل کے طالب علم کالج سے نکل کر اپنی کتابیں نصف قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ اور سوائے اخبارات کی چند سطور کے اور کسی قسم کا مطالعہ نہیں کرتے۔ وہاں پنڈت گورودت یہ سمجھتے تھے۔ کہ امتحانات ختم کر کے ہی اصلی طالب علمی کا زمانہ شروع ہوتا ہے چنانچہ ایم۔اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد پنڈت گورودت نے مشرقی اور مغربی فلسفہ کا نہایت زور سے مطالعہ شروع کیا۔ سنسکرت سیکھنے

ازحد کوشش کرنے لگے۔ اور اپنے لقب کو ہر صورت میں پر معنی اور اسم باسمیٰ کر دکھایا۔

دوسرا سبق جو مجھے پنڈت گورودت کے جیون سے ملتا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ علم علم کی خاطر حاصل کرنا چاہیئے۔ ان کے دل میں جس طرح ایام طالب علمی میں اس بات کی ذرا پرواہ نہ تھی۔ کہ امتحان پاس کریں یا نہ کریں۔ امتحان میں اچھے نمبر پر رہیں یا نہ رہیں۔ اسی طرح یونیورسٹی کی تعلیم سے فارغ ہو کر بھی ان کے دل میں وہ خواہشات پیدا نہیں ہوئیں جن کے پورا کرنے کا لوگ علم کو ذریعہ بناتے ہیں۔ دنیاوی عیش و عشرت اور جاہ و مرتبہ ان کی نظروں میں کچھ وقعت نہ رکھتا تھا۔ منصفی اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری وکالت یا انجنیری و دیگر اعزاز جو تعلیم کے مدعا اور معراج شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے لئے باعث فخر و قبلہ امید نہ تھے۔ انھوں نے اپنی ساری عمر تحصیل و اشاعت علم میں صرف کر کے ثابت کر دکھایا۔ کہ جس طرح لوگ دھرم پر شہید ہوتے ہیں یا فنافی القوم یا فنافی العشق ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ فنافی العلم تھے۔ ایام طالب علمی کے بعد ان کا سارا وقت مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ یا تو وہ خود پڑھتے رہتے یا پڑھاتے رہتے یا قلم اٹھا کر اپنے وسیع مطالعہ کا فائدہ دوسروں کو پہنچانے کی کوشش میں رہتے۔ ایسے شیدایان علم کی زمانہ سلف میں کچھ کمی نہ تھی۔ اور ایسے لوگ اس ملک میں بکثرت ملتے تھے۔ جو ایک لنگوٹی اور روٹی پہ قناعت کر کے اپنی ساری عمر اور طاقت تحصیل و اشاعت علم میں صرف کرتے اور آج کل بھی پرانی وضع کے عالموں میں کئی ایسے ملتے ہیں۔ جو قناعت

کو اپنا دستور العمل بنائے ہوئے ہیں۔ اور نان جویں پر گذارہ کرکے علم کی روشنی
کو پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ مگر انگریزی خواندہ لوگوں میں ایسے
لوگ عنقا ہیں۔اس لئے پنڈت گورودت کی زندگی اس پہلو میں ایک
عدیم المثال زندگی تھی +

جہانتک ہمارا خیال ہے۔پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد سے لے کر آج
تک سوائے لالہ ہنسراج اور ان کے دو چار شاگردوں کے آریہ سماج کے
انگریزی خواندوں میں بھی ایسی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ اور آریہ سماج
سے باہر تو سوائے ہمیں لالہ ہردیال ایم۔اے کے اور کوئی نظیر ہی
نظر نہیں آتی +

کاش کہ پنڈت گورودت کی عمر وفا کرتی اور وہ اپنی پاک اور بے غرضانہ
زندگی کی روشنی ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں کی رہنمائی کے واسطے قایم رکھ
سکتے۔ مگر افسوس کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اور یہ

تیسرا سبق ہے۔جو پنڈت گورودت کی زندگی سے ہمارے طالبعلم
نوجوان خاص طور پر سیکھ سکتے ہیں۔جوش جوانی میں۔اور شوق تحصیل علوم
میں نوجوان لوگ اکثر یہ بات بھلا دیتے ہیں۔کہ زندگی کا ایک پہلو
جسمانی بھی ہے۔اور یہ ایک ایسا پہلو ہے جس پر کہ دماغی اور روحانی
زندگی کا دار و مدار ہے۔اس لئے اُس کو قایم رکھنا بھی ایسا ہی ضروری
ہے۔جیسا دماغی اور روحانی زندگی کا۔پنڈت گورودت کی قابلیت
کے ہم سب لوگ قایل ہیں۔مگر ہم ان کو اس بات کے لئے معاف
نہیں کر سکتے۔کہ انھوں نے اپنی جسمانی صحت کا پورا دھیان نہ کیا۔
اس کا کارن کچھ ہی ہو۔یہ ایک جرم تھا جس کے پنڈت گورودت

مرتکب ہوئے۔ اور ایک ایسی زندگی کو جس نے نشو و نما پاکر قوم کے
لیے نہایت ہی مفید بننا تھا پیش از وقت تلف کیا۔ کھانے پینے اور
سونے کی بے قاعدگی خواہ اس کا کارن ہوگا ابھیاس اور جسمانی قوام
پر قدرت کامل حاصل کرنیکی خواہش کیوں نہ ہو اپنا اثر دکھائے بنے
نہیں رہ سکتی۔ اور ہرچند پنڈت گورودت کو جسمانی صحت بخشنے میں
قدرت نے کنجوسی سے کام نہ لیا تھا۔ مگر قدرت کارگر نہیں ہو سکتی۔
جب تک احتیاط اس کی مددگار نہ ہو۔ میری رائے میں گورودت
سے نصف دماغی قابلیت رکھنا اور جسمانی صحت کو قایم رکھکر ستر
سال تک جینا اس سے بہتر ہے۔ کہ گورودت جیسی قابلیت
پیدا کر کے انسان پچیس تیس برس کی عمر میں چل بسے۔ اور یہ سبق ہے
جو نوجوانوں کو پنڈت گورودت کی زندگی سے خاص طور پر سیکھنا
چاہیئے؛

چوتھا سبق جو پنڈت گورودت کی زندگی سے خاص طور پر
سیکھنے کے قابل ہے۔ اور آریہ سماج کے لئے قابل وقعت ہے۔ وہ
پنڈت گورودت کا ویدک مطالعہ کا کام ہے۔ پنڈت گورودت آریہ
سماج میں پہلے ہی شخص تھے۔ جنھوں نے مغربی علوم کی روشنی میں ویدک
فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا۔ اور افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ وہ
آخری شخص ہی معلوم ہوتے ہیں۔ جو تھوڑا بہت کام اس پید میں
کر گئے۔ کیونکہ ان کے بعد کسی نے یہ کام اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ آریہ
سماج کا انحصار ویدوں پر ہے۔ اور جس طرح آجکل ویدک کی تفسیر
کی جاتی ہے۔ وہ بجائے ویدوں کے لئے عزت پیدا کرنے کے عزت

پیدا کرتی ہے۔ اس لئے یہ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے۔ کہ مقابلتًا چھوٹے چھوٹے کاموں کی طرف لگ کر آریہ سماج اس بڑے کام کی طرف سے بالکل غافل ہے۔ پنڈت گورودت نے رستہ دکھایا تھا۔ مگر افسوس کہ نہ وہ خود اس رستہ پر زیادہ دور تک چل سکے اور نہ ہی ان کے بعد کسی نے اُن کے پیچھے چلنے کی کوشش کی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ پنڈت گورودت نے اپنی کوشش میں بہت سی غلطیاں کیں۔ مگر وہ غلطیاں صرف ابتدائی کی غلطیاں تھیں۔ اور اگر ان کی عمر وفا کرتی۔ تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک نہایت قابل اور مستند ویدک مفسر ہوتے۔ اور آریہ سماج کی اس مشکل کو بہت درجہ تک حل کر دیتے ؁

گوکل چند نارنگ

فخرِ وطن پنڈت گورودت جی ایم اے (مرحوم)

از شیرِ ملتان منشی تلوک چند جی محروم

سمجھے ہیں خورد و خواب کو معیارِ زندگی — ہم کس طرح ہوں واقفِ اسرارِ زندگی
جلتے ہیں جب لپیٹ کے طومارِ زندگی — رہتے نہیں ہیں بعد میں آثارِ زندگی

ہم زندگی کو دفترِ باطل سمجھتے ہیں
کب اسکو فکر و غور کے قابل سمجھتے ہیں

رہتے ہیں بسکہ خواہشِ بیجا سے کام ہم — رہتے ہیں نفسِ دوں کے ہمیشہ غلام ہم
رہ کر ریاضِ دہر میں پابندِ دام ہم — کرتے ہیں اپنی عمر کا قصہ تمام ہم

کچھ اپنی اصلیت کا اثر دیکھتے نہیں
آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں

پاتے نہیں ثمر کوئی نخلِ حیات سے — رہتے ہیں تلخ کام غمِ حادثات سے
دنیا میں لو لگاتے نہیں حق کی ذات سے — عقبیٰ کو کھو ہی بیٹھتے ہیں اپنے ہات سے

کڑھتے بسمل کی طرح جگر میں رات دن
رہتے ہیں ایک حالتِ ابتر میں رات دن

بیہودہ خواہشات کا مجمع درونِ دل — اُٹھوں پہر ہے باعثِ دردِ جنونِ دل
ہر دم کے اضطراب سے پیتے ہیں خونِ دل — ملتا نہیں ہے ایک گھڑی کو سکونِ دل

جسم نزار اور تپِ دنیا کا لرزہ ہے
دل ہے وہ دل کہ درپئے اشغالِ ہرزہ ہے

ئے نازہ کوش حیرت اسرار زندگی — حل جس نگارش طومار زندگی
ں جھاڑ دے کدورت پندار زندگی — چمکیں گے پھر جواہر شہود زندگی

تو خود چمک کہ اصل تری نور پاک ہے
خاک اون کے منہ میں ہو جو کہیں مشت خاک ہے

سینے میں دل جو سوز محبت سے داغ ہو — تجھ کو اگر ملا ہے تو پھر باغ باغ ہو
ع جہاں کیواسطے روشن چراغ ہو — دل کو سرور جس سے ہو فرحاں دماغ ہو

ہستی ہو تیری جاذب تار نگاہ دہر
اور فیضیاب تجھ سے ہوں گم کردہ راہ دہر

وہ کام کر کہ جس پہ ہو اہل وطن کو ناز — وہ چال چل کہ جس پہ ہو قومی چلن کو ناز
وہ پھول بن کہ جس پہ ہو سارے چمن کو ناز — پیدا وہ آب کر کہ ہو جس پر عدن کو ناز

یہ بھی ہے کوئی زیست کہ کھا پی کے مر گیا
حشرات کی طرح کوئی دن جی کے رہ گیا

گر چاہتا ہے تجھ کو ملے مدعائے زیست — خالق کے دلپسند ہو تیری ادائے زیست
درکار جان من ! ہے تجھے گر بقائے زیست — مثل حباب رکھ نہ ہوا پر بنائے زیست

لازم ہے طالبان حقیقت کی پیروی
کر مسلک صفایہ گورودت کی پیروی

اُس نوجواں کی راہ پہ گرم سفر ہو تو — جس کو رہی ہمیشہ حقیقت کی جستجو
پاکر جلائے صدق جو مرد حمیدہ خو — خود ہو گیا شبیہ صداقت کی ہو بہو

قطرے سے جو کہ گوہر خوش آب ہو گیا
ذرے سے آفتاب جہاں تاب ہو گیا

وہ دفتر کمال کی تفسیر آہ ! آہ ! — وہ باطنی جمال کی تصویر آہ ! آہ !

ہندوستاں کا مایۂ توقیر آہ! آہ! رہتا یہاں کہاں یہی تقدیر آہ! آہ!

اک پھول تھا کہ کھلتے ہی مرجھا کے مر گیا
رنگِ بہار شاخ پہ دکھلا کے گر گیا

حاصل علوم کو بہ ہزار آرزو کیا ؛ داخل نہ اسمیں دنیوی اغراض کو کیا
بے واسطہ طلب کا بہ سعی نکو کیا اوروں کے واسطے ہی کیا اُس نے جو کیا

پہلوئے دل میں اس کے رہی جائے دردِ قوم
کرتا نہ کس طرح وہ مداوائے دردِ قوم

چاہا کہ دیو بانی کا پھر سے رواج ہو پھر وہ زبان پاک زبانوں کی تاج ہو
قدرت کے زیر قاعدہ سب کام کاج ہو ویدک دھرم کا سارے زمانے میں راج ہو

دنیا و دیں میں تابع حکم خدا ہوں لوگ
آزردہ پھر نہ پاپ کے دکھ سے ذرا ہوں لوگ!

یہ آرزو تھی اور اسی پہ ہوا نثار خواہش نہ کوئی دل میں رکھی اور زینہار
کیا شباب۔ کیسی تمنائے اقتدار القصہ ایک دُھن پہ دیا زندگی کو وار

سوامی کے بعد ہم کو سنایا پیامِ وید
بے اختیار ہو گئے منکر بھی رامِ وید

تیرے اندھیرے کیسے ہیں لئے تو آگیا کہو روشن رواں تھا ایک ہی آتش زدہ دُوں!
تو نے کیا ہے کتنی امیدوں کا آہ! خوں کیوں پرچم اُمید وطن ہو نہ سرنگوں

اپنے لئے جو باعثِ صد افتخار ہو دل
اے موت! وہ شباب میں تیرا نشانہ ہو

ڈیرہ اسمٰعیل خاں۔ ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء تلوک چند محروم

شریمان پنڈت گورودت جی ودیارتھی

(یہ نظم بموقع سالانہ جلسہ آریہ سماج لاہور گورودت ودیارتھی آشرم بنیادی پتھر مہاتما منشی رام جی نے رکھا پڑھی گئی تھی۔

آب زر سے لکھنے کے قابل ہے یہ زریں کلام ——— زندگی ہے بس سرانجام فرائض کا ہی نام

ہے وہی انسان جو انسانیت کو جان لے ——— اپنی ہستی اور حقیقت کی غرض پہچان لے

بنکے غواص حقیقت انتہ بحر جہاں ——— ڈھونڈ لائے راز ہستی کے سبھی گنج نہاں

پر نگر اس کامیابی پر نہ وہ ہو خود غرض ——— خود پسندی اور خود رائی ہے اک مہلک مرض

زندگی کا اس کی ہو آدرش پراوپکار میں ——— عمر بھر کوشاں رہے سنسار کے اُدھار میں

کبر و نخوت پاس تک آنے نہیں پائے کبھی ——— ہو سدا پھلدار بر وا کی طرح گردن جھکی

مثل نیر ہر طرف ہو ہر گھڑی وہ ضوفشاں ——— جس کی کرنوں سے چمک اُٹھے غرض صفحہ جہاں

ایسی خوبی پر بھی ہو اس طور کا مرد غنی ——— عالم کامل بھی ہو گو پھر رہے ودیارتھی

آہ ایسے مرد کامل ہند میں کمیاب ہیں
پوچھئے گر سچ تو بس نایاب ہیں نایاب ہیں

تھا ہوا حق سے عطا اُسکو عجب روشن دماغ ——— اس اندھیرے گھر کا تھا وہ ایک ہی روشن چراغ

کمسنی میں علم تھا علماء کی اسقدر اٹک ——— چشم حیرت سے تکا کرتے تھے نہ اُستاد تک

قدرت حق یاد آجاتی تھی اُس کو دیکھکر ——— ہر ادا اُس کی نرالی تھی جہاں سے سربسر

تھا ملا حق سے اُسے کچھ اسقدر ذہن رسا ——— دم زدن میں یاد ہو جاتا تھا سب لکھا پڑھا

ہمنشینوں میں رہا اول ہمیشہ در کلاس ——— اور نو عمری میں ہی سب امتحان کر ڈالے پاس

گرچہ انگریزی میں بھی وہ ہر طرح سے طاق تھا ——— دیو بانی میں مگر وہ شہرہ آفاق تھا

کونسا عقدہ تھا جو اُس سے نہاں تھا وا کیا — حل نہ اُس سے ہو گیا وہ کون سا تھا مسئلہ

دیکھ ڈالے عالمانِ دہر کے اُستاد تھے — مل سپنسر ہکسلے ڈیوس اُسے سب یاد تھے۔

اُنکی تصنیفات کو پڑھکر یہ دلمیں جم گیا — ہستی پرماتما کا من گھڑت ہے مسئلہ

ایسی ہستی کا نہیں ملتا کوئی نام و نشاں — حضرتِ انساں کا ہے یہ حرفِ وہم و گماں

پر نہیں قدرت نے تھا پیدا کیا اسواسطے — کہ وہ تاریکی میں ہی جا بجا ٹھوکریں کھاتا پھرے

اُس کو تو اِس بحرِ ناپیدا کنارہ دہر میں — دھرم ویدک تھا بتانا حضرتِ انساں دہر میں

عمر کو تا ہم گئے بتائے سال ہیر و پھیر میں — رہبرِ کامل ملا۔ آخر اُنہیں اجمیر میں

تھا ہوا اِک مہرشی کا اِن دنوں جگمیں ظہور — مت متانتر کے گڑھوں میں بج رہا تھا اک فتور

مہرشی کی علمیت اور طرزِ استدلال سے — ہو رہے عاجز مذاہب کے سبھی افراد تھے

پھر سے دنیا میں چڑھا تھا وید کا ماہِ تمام — جسکے پرتو سے چمک اُٹھا تھا ہر شہر و گرام

بہ رہی گنگا جہاں میں تھی دھرم پرچار کی — ہو رہی کایا پلٹ تھی بھارتیہ گلزار کی

گھر بہ گھر چرچا اسی محسن کا صبح و شام تھا — مہرشی سوامی دیانند جنکا نامی نام تھا

اتنے میں پہنچی خبر کہ وہ رشی فخرِ جہاں — پی کے جامِ زہر بستر پہ پڑا ہے نیم جاں

تھا رشی کو ایک ظالم بےوفا جلاد نے — دیدیا زہرِ ہلاہل اک ستم ایجاد نے

آگیا جسکے اثر سے تھا مہِ نو در گہن — کچھ کو شک گھر کر گیا تھا یار کا جسمِ زرین

جلد سے پنڈت گرودت بھی عیادت کیلئے — بہرِ دیدار اور اظہارِ سعادت کیلئے

دیکھتے ہیں جا کے کیا۔ بیٹھے ہیں کرسی میں رشی — چہرۂ اقدس سے ظاہر تھی نرالی شانتی

باوجود درد کے خوش خوش بڑے ہی خوشنما — شکوہ آہ و فغاں لب پر جو آئے کیا مجال

محو تھے دیدارِ جاناں میں اُنہیں کچھ غم نہ تھا
دامنِ چشمِ مبارک آنسوؤں سے نم نہ تھا

روزِ دیوالی تھا منگلوار وقتِ شام تھا — روشنی کرنے میں جب مشغول خاص و عام تھا

چھپ چلا تھا ایک یاں پر علم دین کا آفتاب
روز روشن تھی شب ظلمت سے اوڑھ لی کالی نقاب

رہبر عالم جہاں سے تھا روانہ ہو چلا
گلشن بہار تھا دم بھر میں ویرانہ ہو چلا

ہو رہے حیرت مجسم تھے گورودت جی وہاں
تھی عجب حالت رشی کی اور نرالا تھا سماں

دیکھتے ہیں کیا رشی ہر باوجود اس ضعف کے
خود بخود ہی بیٹھ کر سور بہت منتر پڑھ رہے

کر رہے محبوب کی اپنے ہیں وہ حمد و ثنا
جوشش فرط محبت کا ہے دریا بہہ رہا

بعد از حمد و ثنا پھر سے گئے بستر پہ لیٹ
نقش امید آریوں کے یہ مٹے کہکر سیٹ

آہ ایسے رہبر کی ہم نے نہ کچھ بھی قدر کی
یادگار ان کی بنائی تھی نہ ابتک بھی کوئی

ایشور نے ہی دیا ہے آگیا ہے اب خیال
ہے گورودت آشرم کا تم سبکے آگے سوال

نوجوان جنپر کہ وہ بھی جان سے قربان تھے
بہتری کے سوچتے جنکی سدا سامان تھے

ان کی خاطر نام پر ان کے کھلیگا آشرم
جس جگہ رہکر کے وہ پائینگے تعلیم دھرم

اسجگہ محفوظ ہونگے وہ برے اثرات سے
بچ رہینگے وہ زمانہ کی بری عادات سے

جنکی خاطر تھی گورودت جی نے اپنی جان دی
سینکڑوں نکلینگے یہاں سے آپ جیسے ودیارتھی

جو کرینگے جان و دل سے خدمت ویدک دھرم
اوم کا لہرائیگا پھر سے جہان بھر کا علم

نوجوانوں آپ کے محسن کی ہے یہ یادگار
دیکھنا یہ نامکمل رہ نہ جائے یادگار

سنگ بنیاد آپکا لیڈر رکھیگا دیکھنا
جسنے ویدک دھرم پر ہے قربان سب کچھ کر دیا

جسطرح ہو آؤ اب اس یگیہ کو پورن کرو
انکی خاطر جسطرح سے ہو اکٹھا دھن کرو

تاکہ نہ رہجائے نہ یہ دامن پہ دھبہ آپکے
کر دئے محسن کے ہیں احسان فراموش آپنے

پریم سے مل جل کرو ہمت کہ جس سے کام ہو
آپ کا ہو کام پنڈت جی کا دائم نام ہو

اوم

پہلی ایڈیشن کا دیباچہ از لالہ لاجپت رائے

میں بڑے ادب کے ساتھ ان اوراق کو ہدیہ ناظرین کرتا ہوں - اور اگرچہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ کیا بلحاظ عبارت آرائی و کیا بلحاظ واقعات و ترتیب اس کتاب میں بہت سے نقص ہیں - اور نہ میں نے کبھی اپنے آپ کو وشواس سے اس کام کے لائق ہی سمجھا ہے - مگر مرحوم کے جو احسانات کہ مجھ پر ہیں اور جو محبت کہ ان کو میرے ساتھ تھی اس نے مجھ کو مجبور کیا ہے - کہ میں اپنے ایک نہایت ہی صادق اور دھرماتما متر کے جیون کی مختصر سی کہانی اپنے ہموطنوں کی آگاہی و عبرت کے لئے طیار کر کے بار شکر گذاری سے سبکدوش ہوں - چونکہ مجھ سے لائق صاحبان جو مجھ سے بہتر اس کام کو کر سکتے تھے - اس کام کی طرف (خواہ بسبب عدیم الفرصتی یا بسبب عدم شوق) متوجہ نہیں پائے گئے - اس لئے میں نے بخیال خود اس پاک فرض کے پورا کرنے کی کوشش کی ہے - اور اس تمام کام کو محبت کے خیالات سے انجام دیا ہے مجھکو کامل بھروسہ ہے - کہ پبلک میری اس پہلی تالیف کو ہمدردی و عیب پوشی کی نگاہوں سے دیکھیگی - اور اپنی رائے قائم کرنے کیوقت مفصلہ ذیل واقعات کا خیال رکھے گی -

(۱) یہ پہلی دفعہ ہے کہ راقم نے کوئی کتاب اسقدر ضخامت کی لکھنے کی کوشش کی ہے

(۲) یہ کہ ابھی تک ہم لوگوں کو اپنے بڑے آدمیوں اور مصلحان قوم کے جیون چرتر محفوظ رکھنے کا شوق پیدا نہیں ہوا - اور اس لئے جیون چرتر سکہ نے

معقول درجہ کے واقعات ملنے بہی دشوار ہیں - مجہکو سخت شوک ہے - کہ
اس بارے میں آریہ سماجیوں نے بھی اپنے آپ کو مستثنیات ہنیں کیا
چند صاحبان کے سوائے جن کا ابھی میں شکر گذاری کے ساتھ ذکر کروں گا۔
پنڈت گورودت ودیارتھی مرحوم کے بیشمار دوستوں اور ثناخوانوں نے پنڈت
صاحب موصوف کی زندگی کے متعلق چند سطور لکھکر بھیجنی بہی گوارا ہنیں
فرمائی۔

(۳) مولف بوجہ عدیم الفرصتی خاطرخواہ توجہ اس کام کیطرف ہنیں کرسکا۔
اور مناسب وقت بہی اس کے لیے دینے کے ناقابل رہا۔

جن صاحبوں سے مجہکو مدد کی امید تھی ان سے مدد نہ ملنے کا اگرچہ
مجھ کو بہت افسوس رہا - مگر میں اس موقع کو بغیر ان دوستوں کی شکر
گذاری کا اظہار کرنے کے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا - جنہوں نے
اس کتاب کی ترتیب میں مجھے مدد دی سب سے اوّل میں لالہ چیتن آنند بی۔ اے
ایل ایل وکیل ملتان کا شکرگذار ہوں - جنہوں نے بذریعہ خط وکتابت مجھ کو پنڈت
جی کی اوائل عمر کے حالات بھیجے - چنانچہ پہلی دو فصل اُن واقعات سے مرتب
کی گئیں جو انہوں نے بہم پہونچائے۔

اُن کے بعد میں لالہ جے چند اور لالہ چرنجیت جی کا احسانمند ہوں جنہوں
نے اپنے علم کے مطابق پنڈت جی کے کسیقدر خیالات سے میری مدد کی اِن
ہر دو کی تحریرات سے مجہکو اپنے علم کی تصدیق کا بہت فائدہ ہوا - ناظرین اس
تصدیق کا مضحکہ نہ اڑادیں - کیونکہ بہول جانا انسان کی نیچر میں ہے اور کسی

بڑے آدمی کی سوانح عمری کے مرتب کرنے والے کے لیئے ہر ایک قسم کی تصدیق بہت بیش بہا ہوتی ہے۔

پنڈت صاحب کے روزنامجات کے خلاصوں کے لئے پنڈت رام بھجدت کا ممنون ہوں۔ اب چند الفاظ اس اردو کی کتاب کے متعلق خصوصاً عرض کرنے کے قابل ہیں۔ وہ یہہ کہ انگریزی کی کتاب کے شائع ہونے سے قبل ہی میرے عزیز بہائی لالہ دلپت رائے ودیارتھی نے جو پنڈت صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں۔ میری قلمی کتاب کو لیکر قریباً چھ فصلوں کا ترجمہ کرلیا تہا۔ یعنی فصلہائے نمبر ۱ تا نمبر ۳ و کچہہ حصہ فصل نمبر ۴ و فصل متعلق اختیار پیشہ و عادات ذیلگ مگر چونکہ انکا ترجمہ کسیقدر ناقص اور بعض بعض جگہ بے محاورہ تہا۔ اسلیئے میں نے وہ ترجمہ اپنے والد بزرگوار منشی رادھاکشن جی کیخدمت میں پیش کیا تاکہ وہ انکی عبارت کو بامحاورہ و درست بنادیں۔ چنانچہ انہوں نے بڑی شفقت سے میری اس درخواست کو منظور کرکے اس کی عبارت درست کردی۔

اُن کے صحیح کردہ حصص کو میں نے پہر پڑھ لیا ہے اور جہانتک میرا خیال ہے۔ وہ انگریزی کتاب سے مطابق ہیں۔ سوائے اُن مقامات کے جہاں تبدیلی طرز عبارت کے لئے کیگئی ہے باقی تمام کتاب کو میں نے خود ترجمہ کیا کیونکہ دلپت رائے کالج چلے جانے کیوجہ سے پہر اس کام کو نہ کرسکے۔ انٹروڈکشن بھی اس کتاب کا میرے قلم سے ہے۔ اس ترجمہ اور تصحیح کے لئے میں اپنے عزیز بہائی و قبلہ منشی رادہاکشن جی کا ازحد مشکور ہوں۔ ناظرین کتاب کے مختلف حصص میں مختلف قسم کی اردو پائیں گے۔ کم سے کم دو قسم کے تو صاف طور پر تمیز ہو سکتی ہے۔ ایک اردو وہ ہے

جس میں فارسی کے الفاظ زیادہ کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ زیادہ تر میرے
والد ماجد کی اردو ہے۔ دوسری وہ اردو ہے جسمیں میں نے بھاشہ کے الفاظ
زیادہ تر (حسب لیاقت خود) استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ ست دہرم پرچارک
جالندھر کے لائق اور فائق ایڈیٹر صاحب کی کوشش سے امید قوی پڑتی ہے۔ کہ
اردو جلد ایک معقول حد تک اپنی کایا پلٹیگی۔ اور اس میں فارسی کے بجائے
ہندی بھاشہ کے الفاظ داخل ہو جاویں گے۔ مجھکو ست دھرم پرچارک کی
اردو بہت پیاری معلوم ہوتی ہے۔ اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کے
نقش قدم پر چلوں۔ لیکن ربط ایسا پڑا ہوا ہے۔ کہ جب تک زیادہ غور سے
بہت وقت صرف نہ کروں۔ اس قسم کی اردو نہیں لکھ سکتا۔ شاید طبع ثانی
میں میں اپنی اصل خواہش کو ایک معقول حد تک پورا کر سکوں۔

میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اردو میں پنڈت صاحب کے جیون چرتر کو
کو انکی تصنیفات کے تذکرہ سے علیحدہ ہی چھپوا دوں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ ایک تو
اردو میں پوری کتاب چھپوانے سے اس کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جاتی۔
دوسرے یہ ہے کہ تصنیفات پنڈت صاحب کا بوجہ سخت عبارت اور نفس مضمون کی
پیچیدگی جلدی ترجمہ ہونا ممکن نہیں ہے ؛

راقم آپ کا داس

رائے
لاجپت

مورخہ ۱۳۔ نومبر ۱۸۹۱ء

اوم

طبع اوّل

انٹروڈکشن

مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی زندگی کے کارناموں سے کسی ملک کی تاریخ میں کچھ حصہ لیتے ہیں۔ اور اپنے افعال و کردار سے آیندہ آنیوالی نسلوں کے لیئے ہدایت کی مشعل چھوڑ جاتے ہیں۔ اور مبارک ہیں وہ لوگ جو کسی ملک کے بجھتے ہوئے چراغان علم کو روشن کرنے کے لیے سعی و کوشش کرتے ہیں اور اپنا سرمایہ قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اور مبارک ہیں وہ بندگان خدا جو اپنی عقل و دماغ و فضل و کمال سے سرشٹی کو تسخیر کرتے ہیں۔ اور نیز مبارک ہیں وہ انسان جو ایک زمانہ دراز کے گذر جانے کے بعد اپنے آبا و اجداد کے مدفونہ علم و ہنر کو پھر پرگھٹ کرنے میں اپنی جان تک سے دریغ نہیں کرتے۔

وہ وقت اب دور نہیں ہے۔ جب کہ تمام دنیا متفق اللفظ اور ہمزبان ہو کر ان کوششوں کی داد دیگی۔ جو آریہ سماج کی طرف سے سنسکرت زبان کے دوبارہ زندہ کرنے کے لیئے وقوع میں آئیں اور آتی ہیں۔ خلقت کہتی رہی کہ سنسکرت

مردہ زبان ہے۔ اور زندوں کو چھوڑ کر مردوں کے جلانے کی کوشش کرنا لاحاصل
اور وقت کا رائیگاں کھونا ہے۔ زمانہ کہتا ہے۔ کہ یورپ کی زندہ علمی تحقیقات
نے سنسکرت کے بظاہر مردہ دفتروں کو لافانی ثابت کر دیا۔ مگر آریہ سماج کا ورڈھ
وشواش ضرور سنسکرت کو (اگر وہ بالفرض مردہ بھی ہے) زندہ کر کے دکھائیگا۔
کیونکہ یہ وشواش کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں ہے جس میں ان کی کوشش
سست ہوجاوے۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں پھول جائیں۔ بلکہ اس اعتقاد اور خیال
مذہبی سے ہے کہ سنسکرت کے زندہ ہوئے بدون مذہبی سرشٹی کا اور نیز
ہندوؤں کی دنیوی حالت کا اُدھار نہیں ہوسکتا۔ اور نہ منش ماتر کا اوپکار ہوسکتا
ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وقت نزدیک آتا جاتا ہے جب بلاشبہ اس
امر کو تسلیم کیا جاوے گا۔ کہ مہرشی سوامی دیانند سرستی کی تصنیفات سنسکرت
کے زندہ کرنے کے لئے بذات خود اکسیر ہیں۔ سوامی صاحب کی تصنیفات سنسکرت
کی نئی زندگی میں اپنا جواب آپ ہی ہوں گی۔ اور سماں آتا جاتا ہے کہ کسی
شخص کو بھی ہمارے اس دعوے کی صداقت میں کلام نہ رہے گا۔ بعض اشخاص
کی نگاہوں میں ہمارا یہ دعوےٰ ایک وہمی خیال سے بڑھکر نہ ہوگا۔ مگر جو شخص
دوربین نظر سے افق کی طرف مصنوعی دوربینوں سے نہیں بلکہ اپنے
اندر کی آنکھوں سے بغور مشاہدہ کرے گا اس کو آسمان کے اس نیلگوں
رنگ میں ضرور تغیر انوبھو ہونے سے نہیں رہے گا۔

کسی مذہب یا ملک کی طرف نظر اٹھا کر دیکھئے۔ اس میں ہندوستان
کے قدیم علم ادب و فلسفہ کا چرچا کم و بیش روز بروز زور پکڑتا ہوا نظر آتا ہے
اور آثار نمودار ہیں کہ وہ زمانہ قریب آگیا کہ جب فاضل دنیا ویدک مذہب
اور ویدک مسائل سوشیالوجی (سماجک نیم) کا نعرہ بلند کرے گی۔ اور روز

بروز فضیلت کی پگڑی کے حصول کے لیے سنسکرت کی واقفیت ضروری ہوتی چلی جائے گی۔ چنانچہ اس وقت بھی یورپ کے شاداب اور پھلے پھولے باغ کے چیدہ گل گذشتہ زمانہ کے کھنڈرات اور مدفون جذبات اس ہند کی شانتی وایک مٹی سے نیا ہی نیا رنگ پکڑتے جاتے ہیں۔ اور روز بروز نئی ہی نئی خوشبو اُن میں بستی جاتی ہے۔ کاش کہ یہ خوشبو اپنی اصلیت پر پہنچکر اور باغ کی چار دیواری سے چھوٹ کر تمام عالم کو معطر کرے۔ اور اگرچہ اس وقت یہ خوشبو بارہ ماسے گلاب کے پھول کی طرح کی ہے۔ لیکن اگر سنسکرت کے قدیم ذخیروں اور ہندوستان کے گمنام قدیمی چشموں سے اسی طرح ان کو پانی دیا جاتا رہا۔ تو ہم کو امید قوی ہے۔ کہ یہ پھول بہت جلد اپنی حالت شادابی کو پہونچکر اصلی گلاب کا رنگ و بو حاصل کر لیں گے +

مغربی دنیا باوجود اپنی عجیب و غریب تعجب خیز سائنٹیفک تحقیقاتوں اور دریافتوں کے مشرقی دنیا کے گذشتہ زمانہ کی طرف ادب کی نگاہوں سے دیکھنے لگی ہے۔ اور مشرقی ستارہ مغرب کے نظاہر زیادہ چمکیلے ستارے پر اپنی روشنی کا عکس ڈالتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

پروفیسر میکس مُلر صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ فرانس جرمنی و انگلستان میں (جو اس وقت یورپ کے ممالک میں سب سے زیادہ اعلیٰ ذخیرے علم اور سائنس کے سمجھے جاتے ہیں) اور نیز ڈنمارک وسویڈن و روس میں بھی ہندوستان کا نام ایک عجیب موہنی منتر کا کام دیتا ہے۔ جرمن زبان میں نہایت ہی اعلیٰ کتب نظم میں سے ایک کتاب وہ ہے جو بنام "براہمنوں کی دانائی" ادکرٹ صاحب نے لکھی ہے۔ یہ کتاب میرے خیال میں صورت و شکل

ونیز خیالات کے لحاظ سے ستٹر گٹی[۱] کی کتاب سے بھی زیادہ عمدہ ہے۔ ملک
جرمنی میں جو شخص کہ سنسکرت پڑھتا ہے۔ اس کی نسبت یہ خیال ہوتا ہے کہ
وہ قدیم دانائی کے تمام گہرے اور تاریک رازوں سے واقف ہو رہا ہے
اور جو ہندوستان کی جاترا یعنی سفر کر جاتا ہے۔ خواہ اس نے صرف بمبئی یا
مدراس ہی دیکھا ہو اس کی باتوں کو لوگ ایسا کان دیکر سنتے ہیں کہ گویا اس کو
مارکو پولو[۲] کا رتبہ حاصل ہو گیا"۔

اور وہی صاحب اپنی کتاب موسومہ "ہندوستان ہمکو کیا سکھا[۳]
سکتا ہے"، کے صفحہ ۱ پر حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

"کہ اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ کونسے آسمان کے تلے انسان نے نہایت
کامل طور پر اپنی بعض نہایت ہی عمدہ خداداد لیاقتوں کو درجہ کمال پر پہونچایا۔
اور زندگی کے بڑے سے بڑے اہم مسائل پر نہایت گہرے طور پر غور کیا۔ اور
ان میں سے بعض کو ایسے عمدہ اور شائستہ طور پر حل کیا۔ کہ وہ حل ان لوگوں
کے بھی توجہ کے قابل ہے۔ جنہوں نے کہ پلیٹو اور کینٹ (نامی یورپین فلاسفر)
کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے تو میں معاً ہندوستان کی طرف اشارہ کرونگا
اور اگر میں خود اپنے دل سے ہی یہ سوال کروں کہ وہ کونسا علم ادب ہے جس سے

---

۱ ملک جرمنی کے ایک شاعر کا نام ہے ۱۲

۲ ایک یورپین سیاح کا نام ہے جس نے تیرھویں صدی میں قریباً کل ایشیا کی سیر کی ۱۲

۳ پروفیسر میکس مولر کی اس نہایت ضروری کتاب کا ترجمہ بھی "آرین عظمت یا بھارت درشن سے ہمیں کیا سکھشا مل سکتی ہے" پرنٹنگ بھنڈار لاہور کی طرف سے شایع ہو چکا ہے۔ قیمت صرف ۱۲ر ۔ ملنے کا پتہ۔ منیجر پرنٹنگ بھنڈار لاہور

ہم یورپ باسی جنھوں نے خالص یونانیوں اور اہل روما اور صرف ایک ہی شمیٹک نسل یعنی یہودیوں کے خیالات میں نشوونما پائی ہے وہ نسخہ کہاں سے پا سکتے ہیں۔ جس کی کہ ہم کو اپنی اندرونی زندگی کے زیادہ مکمل اور زیادہ عالمگیر واقعات میں درست طور پر ٹھیک انسانی زندگی (یعنی ایسی زندگی جو اس حیات کے لئے نہ ہو۔ بلکہ ایک بالکل تبدیل شدہ اور ابدی زندگی وحیات ہو) بنانے کے لئے ضرورت ہے تو بھی میں ہندوستان ہی کی طرف اشارہ کرونگا"۔

اِسی کتاب میں آگے جا کر مصنف مذکور نام بنام علم کی مختلف شاخوں کو گنا تا ہے۔ اور یہ بیان کرتا ہے کہ ہر ایک کے لئے ہندوستان میں کیسا وسیع خزانہ ہے۔ جس کے اخیر میں وہ مفصلہ ذیل دل سوز اپیل قلمبند کرتا ہے۔

"خیر ان سب باتوں کے علاوہ علم ادب و بھاشا کیطرف نظر ڈالیے جس کو کہ ہم خود مانیں یا نہ مانیں۔ مگر دراصل وہ اس زندگی میں دیگر ہر ایک چیز سے زیادہ توجہ کرنے کے لائق ہے۔ ہاں جس کی کہ دراصل وہ لوگ بھی بہت زیادہ پرواہ کرتے ہیں۔ جو بظاہر اس سے انکاری ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ ہاں اس چیز کو لیجئے جو ہمارے تمام افعال ہمارے خیالات اور ہماری اُمیدوں کا سہارا اور بنیاد ہے۔ اور جس کا نظارہ ہمارے تمام اقوال و افعال و خیالات و امیدوں میں دیکھ پڑتا ہے۔ اور جس کے بغیر نہ کوئی آبادی آباد ہو سکتی ہے۔ نہ کسی سلطنت کا وجود موجود اور نہ کوئی رسم و رواج قایم ہو سکتے ہیں۔ اور نہ کوئی قانون اور نہ بُرے بھلے کی تمیز ہو سکتی ہے۔ اور جس نے زمانہ سے اثر کر سب سے زیادہ مستقل اور بدیہی طور پر انسان اور وحشی کے درمیان حد فاصل قایم کی ہے (یعنی منش اور وحشی کی تمیز کو قایم کیا ہے) اور جس کے سہارے یہ زندگی کاٹنی ممکن اور قابل برداشت ہے۔ اور جو شخص زندگی کی نہایت ہی

گہری اور اکثر اوقات مخفی کہانی ہے۔ اور اسی پر قومی زندگی کی بنیاد ہے۔ اور جو تمام تاریخوں کی تاریخ ہے۔ اور تمام بھیدوں کا خلاصہ ہے۔ (یعنی بھاشا) اور ہاں مذہب کی طرف عندکرو۔ تو مت کہیے مذہب اور اس کی قدرتی نشو و نما اور ابتداً ترقی کے مطالعہ کا بہتر موقع ہندوستان سے زیادہ کہاں مل سکتا ہے۔ یہ وہی ہندوستان ہے جو برہمنوں کے مذہب کا مسکن تھا۔ جہاں بدھ مذہب نے جنم لیا۔ اور جہاں آخرکار زردشتیوں کے مذہب نے پناہ لی۔ اور جہاں اب بھی نئے نئے توہمات پیدا ہوتے ہیں۔ اور جو آیندہ زمانہ میں سب سے زیادہ خالص مذہب کا و دھنماطفلک ہونے کی اُمید دلاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مذہب اُنیسویں صدی کے خس و خاشاک سے پاک ہو جاوے"۔

ان اخیر الفاظ میں اگرچہ مصنف اپنی عیسائیت کے اظہار سے نہیں رُکا۔ مگر تاہم ہم اس کے ساتھ اس دعا میں شریک ہوتے ہیں۔ کہ ہندوستان اب بھی سب سے خالص مذہب یعنی ویدک دھرم کے دو جنما طفلک ہونے کی امیدیں دلاتا ہے۔ بشرطیکہ اس مذہب میں سے پرچلت مختلف مذاہب کے خس و خاشاک جو ہزارہا برس ہیں اس کے اندر مل گئے ہیں دور ہو جاویں۔ اسی سلسلہ میں آگے چلکر ایک جگہ حسب ذیل لکھا ہے۔

"ہندوستان میں تم اپنے تئیں ایک وسیع زمانہ گذشتہ اور ایک وسیع زمانہ مستقبل کے مابین دیکھتے ہو۔ ہندوستان میں تم کو اس قسم کے موقعے دستیاب ہیں۔ جن سے تم کو پرانی دنیا سے ملنے کی امید بہت شاذ ہوسکتی تھی۔ زمانہ موجودہ کے مشہور مسائل میں سے کسی کو لو۔

خواہ عام لوگوں کی تعلیم کا سوال - خواہ اعلےٰ تعلیم کا سلسلہ خواہ پارلیمنٹ کے ذریعہ سے حکومت کا قاعدہ خواہ مختلف قوانین کا تشکل کوڈ مرتب کرنے کا اصول - خواہ ملک کی مالی حالت کا طریق اور نقل مکان اور غرباء کے متعلق قوانین - غرض ان سب کے سیکھنے اور سکھانے کے اور تجربہ اور مشاہدہ کے لئے ہندوستان ایسا تجربہ گاہ ہے - جس کے مساوی اور کوئی ملک دکھائی نہیں دیتا"

مصنف کی اس بلند پروازی کو میں اوپنشدوں کے اس واکیہ پر ختم کرتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان الشان کو اس چیز کا گیان بخش سکتا ہے - جس کے جاننے سے سب کچھ جانا جاسکتا ہے -

میرے نوجوان دوستوں کو اپنی نسل کیوجہ سے شرمندہ ہونیکا کوئی موقع نہیں ہے - کیونکہ پروفیسر میکس ملر اسبات پر فخر کرتا ہے کہ "ہندوستان کے آریہ لوگ اس کے نزدیک سے نزدیک جدی بھائی بند ہیں -

جنھوں نے دنیا کی اس عجیب و غریب زبان کو بنایا جس کو سنسکرت کہتے ہیں - اور جنھوں نے سب سے اعلیٰ اور نیچے نیچری مذہب کی تعلیم دی - اور صاف سے صاف ئیتھالوجی (مذہبی قصے و کہانیاں) اختراع کیں اور باریک سے باریک فلاسفی ایجاد کی - اور مفصل سے مفصل قوانین بنائے"

ناظرین مندرجہ بالا فقروں میں میں نے اس شخص کی رائے پیش کی ہے جو خود اس امر کو تسلیم کرتا ہے - کہ ہنوز وہ سنسکرت زبان اور اس کے علم ادب کا عالم تو کجا بلکہ ابھی تک اپنے تئیں ویدک سنسکرت کا مبتدی

ہونا قبول کرتا ہے۔ اور جس کو ابھی تک یہ شبہ ہے۔ کہ اس نے اوپنشدوں کے ارتھ بھی درست طور پر نہیں سمجھے۔

میں اسباب کو دوسرے حصہ میں اپنے ناظرین پر ظاہر کرونگا کہ اکثر موقعوں پر پروفیسر مذکور نے سنسکرت ودیا کے ناپیداکنار سمندر کے پار اترنے کی کوشش میں بڑے بڑے غوطے کھائے ہیں۔ اور وہ اب تک منجدھار میں پڑا ہے۔ اور اس نے بارہا ویدک اصطلاحات کی یوگک اور روڈک ارتھوں کی ضروری تمیز کو نظر انداز کر دیا ہے۔

یہ فقرات تو میں نے اس کتاب سے اخذ کئے ہیں جو ۱۸۸۳ء میں شایع ہوئی تھی۔ اس کے بعد اب مجھکو پروفیسر مذکور کی ایک اور نئی کتاب کے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ جو اسی سال کے شروع میں شایع ہوئی ہے اور جس کو انھوں نے ہند کا طبعی مذہب کے نام سے موسوم کیا ہے اس کتاب کے مطالعہ سے میرے دل پر یہ نتیجہ ہو گیا ہے۔ کہ پروفیسر مذکور روز بروز سنسکرت لٹریچر کے سمجھنے میں ترقی کر رہا ہے اور خواہ وہ مانے یا نہ مانے مگر سوامی دیانند سرستی کی تحریرات نے اُس پر بہت کچھ اثر کیا ہے۔ چنانچہ اب اس کو ویدک اصطلاحات کے معنی لگانے میں اکثر اوقات سوامی جی کی روشنی طبع سے فائدہ اُٹھانا پڑتا ہے۔

پروفیسر مذکور اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر ایک جگہ ایسا تحریر کرتے ہیں کہ "دہرم جو بذاتہ بعض فاضلوں کے نزدیک انسانی طبیعت کا ایک لایعنی اور خلاف فطرت اختراعی ڈھکوسلا معلوم ہوتا تھا۔ اب جبکہ اس کو ویدک دہرم کی روشنی دوار دیکھا جاتا ہے۔ تو بالکل ایک فطرتی اور معقول حیثیت میں نظر پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ کہ دہرم کا انکار طبع

انسانی کی نشوونما میں ایک قدرتی خیال ہے "

ناظرین جو دھرم کہ ایسی پوتر مہماں کے لایق ہے۔ جیسے کہ فقرہ بالا سے ظاہر ہے۔ کیوں اس کو فخر مذاہب نہ کہا جائے۔ جس دھرم کی روشن اگنی نے اس طرح سے بڑے بڑے مادہ پرستوں کو خدا پرست بنا دیا۔ اور دھرم کو منش کا فطرتی خیال ہونا ظاہر نتیجہ کرادیا وہ دھرم تمام منش ماتر کے لئے کیوں نہ ایشوری سچا دھرم کہا جاوے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر ایک امر یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ **اندر۔ ورن متر اور اگنی** وغیرہ مختلف نام اسی ایک سرب شکتیمان پرماتما کے ہیں جس کے وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ہونے کی ویدوں نے بار بار شہادت دی ہے "

اسی کتاب کے صفحہ ۵۵ و ۵۶ پر جہاں پروفیسر مذکور ہندوستان کی قدامت کو دیگر ممالک کی قدامت پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہاں فرماتے ہیں کہ " انڈین دل و دماغ کبھی اس چھوٹے اور خیالی لقاء نام کا خواہشمند نہیں ہوا جس کے کہ شاہان مصر اور بیبلی لون اسقدر قدر و منزلت کرتے تھے۔ اور جسکے حاصل کرنے کے لئے انھوں نے بڑے بڑے عالیشان مینار تعمیر کرائے۔ اہل ہنود ہمیشہ اس خیال کے پابند رہے ہیں کہ ہماری یہ زندگی مستعار چند روزہ ہے۔ اور اس جگت میں ہم مثل پردیسیوں کے مسافر ہیں۔ کبھی ان کے دل میں یہ خیال جاگزین نہیں ہوا کہ وہ خشت اور چونے سے اپنی لقاء نام و شہرت دوام کے جو یاں ہوں جب تک کہ غیر قوموں نے ان کے دلوں میں یہ خیال نہ ٹھونس دیا "

لیکن اگر آریہ ورت کے آریہ لوگوں نے ہمارے لئے اینٹ پتھر نہیں چھوڑے (یعنی عمارات عالیشان) تو انھوں نے بجائے اس کے ہمارے دل و دماغ کی پرورش کے لئے عمدہ غذا چھوڑی ہے۔ اور ایسے ستھرے چھوڑے ہیں کہ جن پر ہم اپنی عقل لڑا سکتے ہیں۔ اور ہمارے لئے بہت چھوڑے ہیں جن پر ہم [illegible] سکتے ہیں۔

اور یہ غذا و منتر و سبق ایسے بے نظیر ہیں کہ دنیا کے پردہ پر اور کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکتے "

اے پیارے ناظرین اگر اس فقرہ کو پڑھکر بھی ہماری غیرت و حمیت کی رگ جوش زن نہ ہو تو سمجھ لو کہ ہمارے خون میں ذرا بھی فطرت انسانی باقی نہیں رہی۔

ہمارے اکثر انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان جن کے دلوں کی صفائی کو انگریزی علوم کی چکاچوند نے دھندلا کر دیا ہے یہہ شکایت کرتے سُنے جاتے ہیں کہ سوامی دیانند سرسوتی نے لفظوں کو کھینچ کھانچکر ان سے معقول معنے اور مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ درحقیقت ویدوں میں سوائے بچپن کی سی باتوں و عناصر پرستی اور رسومات مذہبی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور نیز بعض کا یہ خیال بھی ہے کہ ویدوں میں قربانیوں کا ذکر بہت ہے۔ چنانچہ اسی خیال سے اکثر انگریزی فاضل لفظ **یگ** کا ترجمہ قربانی ہی کرتے ہیں۔ اس خیال کی ان غلط فہمیوں کے دور ہونے کا زمانہ بہت قریب آتا جاتا ہے۔ اور وہ وقت بہت دور نہیں ہے۔ کہ ان الفاظ اور ان خیالات کی جو تعبیر سوامی دیانند سرسوتی نے کی ہے اسی کو تمام دنیا صحیح مان لے۔ ان فقرات سے جو میں پروفیسر مذکور کی نئی کتاب موسوم بہ **مذہب طبعی ہند** سے اخذ کرتا ہوں بہت تقویت ہوتی ہے۔

اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے۔ کہ میں پروفیسر مذکور کے ان خیالات کو مانتا ہوں بلکہ صرف نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ پروفیسر مذکور لکھتے ہیں کہ

"جس فعل کو ہم قربانی کے نام سے پکارتے ہیں وہ قدیم لوگوں کے نزدیک ایک معمولی کرم ہوتا تھا "

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ " ہم کو بھول نہیں جانا چاہئے۔ کہ بہت سی قربانیاں صرف ضروری کرم تھے۔ مثلاً صبح و شام کو آگ جلانا یہ ایک معمولی اور سادہ کام تھا جس نے

رفتہ رفتہ عادت ہو جانے سے قانون کی منزلت اختیار کر لی۔ اور پھر بعد کو اگنی ہوتر کے نام سے
موسوم ہو گیا۔ اور اعلےٰ رتبہ کا کام سمجھا جانے لگا۔"

اسی طرح چاند کی مختلف حالتوں کا مشاہدہ اور اس کے ناموں وغیرہ کا تعین سن
و ماہ و ایام کے قائم کرنے کے لئے ضروری تھا۔ کیونکہ اس کے تعین و تقرر کی بنا
سوشیل زندگی کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح مختلف موسموں کا تقرر و
تعین جن کو یگ وغیرہ ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ بھی ضروری اور مفید
علمی باتیں تھیں۔ مگر انہوں نے بھی آہستہ آہستہ یگ کی منزلت حاصل کی۔ ان
سب باتوں کے نشان و پتے موجودہ تہواروں کی ظاہری صورت میں گہرے مضمون
کا بھید بتلاتے ہیں۔ ہاں سمجھنے اور غور کرنے کے لئے علم و عقل کی ضرورت ہے۔

پروفیسر مذکور لکھتے ہیں۔ کہ ان تمام افعال میں خواہ وہ ایک منٹ کے لئے ہوں
یا ایک دن یا چند دنوں کے لئے ہم کو ایک سیدھی سادی قدرتی غرض معلوم ہوتی
ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک مفہوم اور الفاظ میں وہ تشریح بیان نہیں ہیں۔ ان سے
سوائے اس کے اور کچھ نہیں ثابت ہوتا کہ بعض ضروری کنبہ داری کے فرائض
کو باقاعدہ انجام دینے کے لئے اور نیز موسموں وغیرہ کے اختلافات کے ضروری نقشے کو
نوجوانوں و عام لوگوں کے دلوں پر ہمیشہ نقش رہنے اور یاد دہانی کی غرض سے خاص خاندانوں
و عام قوم کے لئے مختلف تہوار قائم کر دئے گئے تھے۔ اور زمانہ کے گذرنے سے وہ
اصل و سادہ غرض تو مفقود ہو گئی۔ اور صرف رسمیات ہی رسمیات باقی رہ گئیں۔ ان تمام
باتوں سے صاف پرگھٹ ہوتا ہے۔ کہ آریہ لوگوں کو دھرم کی سکھشا ایسے طور پر ملی تھی
کہ جس میں ان کے تمام سوشل ضروریات کا علاج بھی ساتھ ہی ساتھ تھا۔ یہ باتیں ہمارے
اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ کہ پرانے آریہ لوگوں کا دھرم ایسی وشنو نہیں تھا جو

دم بھر کے لئے بھی اُن سے جدا ہو سکے۔ ان کے ہر فعل و قول میں کوئی نہ کوئی دھارمک غرض
ضرور ہوتی تھی۔ وہ ہر ایک کام کو دھارمک طور سے کرتے تھے۔ کیا اپنے کاروبیوہار میں کیا
اپنے بچپن و جوانی میں۔ اور کیا بڑھاپے میں۔ کیا عدالتوں اور کچہریوں میں کیا فوج میں۔
کیا سیلوں اور مصاحبتوں میں۔ کیا طبابت وغیرہ دیگر علوم و فنون میں۔ غرض ہر ایک
کام میں انکا دھرم ان کے ساتھ رہتا تھا۔ ان کو ایسی عادتیں بنانیکی سکشا دیگئی
تھی جس سے ان کا دھرم ہر وقت اُن کے ساتھ رہے۔ اور ہر دنیوی کام کرتے وقت
بھی دھرم کا خیال دل و نظر سے دور نہ ہو۔ تاکہ پرماتما ہر وقت یاد رہے۔ اس
طرح سے وہ لوگ ہمیشہ دھارمک جیون بسر کرتے تھے۔ یہ کیا ہی سندر دھرم ہے
جو منش کو ایسی شانتی و ایک تعلیم دیتا ہے۔ اگر تمام منش اس کو سوئیکار کر کے اسکے
موافق آچرن کرلیں تو واقعی یہ جنجال سنسار ایک سورگ نگری ہو جائے۔ جس میں
سب آتمائیں سکھ اور آنند سے باس کریں۔

ہمارے بعض دوست یہ اکثر کہا کرتے ہیں کہ سنسکرت تعلیم پر جسقدر محنت
و وقت درکار ہے اسقدر وہ پھلدایک نہیں اور عقلی ترقی کے لئے بھی جسقدر آجکل یوروپین لٹریچر
مفید پڑتا ہے۔ سنسکرت علم ادب اس سے بہت کم مفید ثابت ہوتا ہے۔

ایسے مہربانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ علاوہ مندرجہ بالا شہادتوں کے
چند ایک اور نامی گرامی یوروپین مصنفین کی شہادتیں جو میں پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں
کاش کہ میرے ہموطنوں کا دل بھی ان کے مطالعہ سے کچھ نرم ہو۔ اور انکو سنسکرت ودیا
کی تحصیل کے لئے زندگیاں خرچ کرنا ناگوار نہ گذریں۔

شاپن ہائر صاحب جو صرف ملک جرمنی کے ہی نہیں۔ بلکہ زمانہ حال کے نامی
گرامی فلاسفروں میں گنے جاتے ہیں اپنشدوں کی فلاسفی کی بابت حسب ذیل تحریر کرتے

ہیں۔

اُپنشدوں کے ہر ایک فقرے سے گہرے اصول اور بڑے بڑے عالی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان تمام میں ایک اعلیٰ درجہ کی مقدس اور سچی روح دیا پک معلوم ہوتی ہے۔ تمام دنیا میں سوائے اصل اوپنشدوں کے کوئی کتاب اُن سے زیادہ مفید اور علویت کو پہنچانیوالا مطالعہ نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اُوپنشد کا مطالعہ ہے۔ یہی اُوپنشد میری زندگی کے لیے موجب تسکین ہوئے ہیں۔ اور یہی میری موت کے وقت بھی تسکین دہ ہونگے"

ڈاکٹر تھیبا ہاٹ کی تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے۔ کہ علم اقلیدس اور علم ہیئت سب سے اوّل اول ہندوستان میں ایجاد ہوئے اور نیز علم

دیاکرن۔ فلاسفی اور نیائے۔

پروفیسر **ویبر صاحب** تحریر کرتے ہیں کہ فلاسفی اور گرامر کو ہندوؤں کی طبیعت کی جولانی نے درجہ کمال پر پہونچایا **تھیوگرس** نے (جو ایک مشہور یونانی محقق وعالم کا نام ہے) مسئلہ تناسخ اور ریاضی کو چھ سو سال قبل از مسیح انڈیا سے سیکھا۔

جرمنی کے ڈاکٹر راتھ صاحب یہ بحث کرتے ہیں کہ ویدک زمانے میں ذات پات کی کوئی تمیز نہ تھی (**بیشک جنم پر ذات کا مدار نہ تھا**)

کپل منی کی فلاسفی کی بابت یورپین فضلا کی یہ رائے ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے فلاسفی جس کا پتہ تحریر میں ملتا ہے یہی ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی ظاہر ہوگئی ہے۔ کہ جرمن کی تازہ سے تازہ فلاسفی یعنی شوپن ہائر اور دون ہارٹ من کی فلاسفی کپل کی فلاسفی کے اس حصہ کی نقل ہے جس کا تعلق پدارتھ ودیا سے ہے۔ ہاں اس تازہ فلاسفی میں اتنی خامی ہے۔ کہ اس نے آتما اور آتما کے سروپ کو تسلیم نہیں کیا۔ **کرزن صاحب** لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی فلاسفی دراصل دنیا کی فلاسفی کی مختصر تاریخ ہے۔

ایم جیکولسٹ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "انڈیا دنیا کا پنگوڑہ ہے اور ہم سب کی والدہ مہربان ہے جس نے اپنی اولاد کو مغرب کی طرف روانہ کرتے وقت ہماری اصلیت کو ہمیشہ ثابت اور قایم رکھنے کے لیے ہمکو اپنا قانون اپنا علم اخلاق و اپنا علم ادب اور اپنا مذہب وراثت میں دیا۔ انکا مقولہ ہے کہ **مصری یہودی۔ یونانی** اور **اہل روما** کے تمام قوانین منو کے دہرم شاستر سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اور منو کے مجموعہ احکام کا جوہر ہمارے یورپ کے تمام قانونی تمدن میں ظاہر ہے"

صاحب موصوف بڑے زور سے درخواست کرتے ہیں کہ جو لوگ ہندوستان کے معاملات میں دلچسپی ظاہر کرتے ہیں ان کو چاہیے۔ کہ ویدوں اور منوسمرتی کو خوب غور سے مطالعہ کریں کیونکہ اسی سے ہمنے تمام علوم و فنون و مذہب وغیرہ ورثہ میں پائے ہیں"۔ صاحب موصوف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ رقم فرماتے ہیں کہ

"قدیم اہل ہند نے جو تصنیفات بمہ تاریخ و علم تصوف و اخلاق و نظم و فلاسفی و مذہب و مختلف فنون طبابت وغیرہ پر چھوڑی ہیں۔ صرف انہی کے پڑھنے کے لیے چند نسلوں کی زندگیاں درکار ہیں"۔

المختصر اس قسم کی شہادتیں آریاورت کی تہذیب و علمی فضیلت کے ثبوت میں آجکل بکثرت دستیاب ہوتی ہیں۔ تاریخ ہند میں ایک وہ زمانہ تھا کہ جب **کالبروک صاحب** کی **تصنیف** "ویدوں کی موجودگی" پر شبہات کیے جاتے تھے۔ اور نیز خیال کیا جاتا تھا کہ اگر وید کہیں مل بھی جائیں۔ تو کوئی شخص خواہ کتنا ہی ودوان کیوں نہ ہو ان کے سمجھنے کے قابل نہ ہوگا۔ جس زمانہ کا یہ ذکر ہے وہ زمانہ انگریزی گورنمنٹ کا شروع زمانہ تھا۔ جس کو ہنوز صدیاں نہیں گذریں۔ شکر کا مقام ہے کہ آریاورت نے صرف ویدوں ہی کو قایم نہیں رکھا۔ بلکہ اسی اثناء میں اپنی خاک پاک سے ایک ایسا رشی بھی ادتپن

کرکے دکھا دیا جو نہ صرف ویدوں کی زبان اور مضمون کو ہی اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ بلکہ جس کو یہ جرأت ہوئی کہ اس نے ویدوں کو بھاش کرکے مشتہر کردیا۔ مہرشی سوامی دیانند سرستی جی کے وید بھاش کی نسبت لوگ کچھ ہی رائے دیا کریں۔ مگر اس کے سخت سے سخت مخالف کی بھی یہ جرأت و مجال نہیں ہوئی ہے کہ وہ اسکی فضیلت پر سوال کرنیکی جرأت کرسکے۔ واقعی یہ بڑی دلیری کا کام تھا۔ کہ باوجود ایسی سخت مخالفت کے سوامی دیانند نے اپنے یقین کو چھپانا تو درکنار ہر ایک در و دیوار پر کندہ کرنیکی کوشش کی۔ لوگ اس کے وید بھاش پر جسقدر چاہیں نکتہ چینی کریں۔ مگر یقین نہیں پڑتا کہ کبھی کوئی یہ کہہ سکے کہ ویدوں کے ترجمہ کا خیال سوامی صاحب کی ذات میں ایک ابہام تھا۔

اس چمکتی دمکتی زندگی نے ایک اور شخص کے ہردیہ میں ویدوں کی جوتی دکھلائی تھی۔ مگر ہائے افسوس کہ وہ روشن ستارہ اس آفتاب کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش میں ہی ٹوٹ پڑا۔

مفصلہ ذیل صفحات میں میں اپنے ناظرین کے سامنے اس ستارے کی مختصر زندگی پیش کرتا ہوں۔ شاید بعض ناظرین یہ سوال کریں کہ مندرجہ بالا مضمون کا اس سوانح عمری سے کیا تعلق ہے اس کے جواب میں گذارش ہے۔ کہ یہ سمع خراشی محض اس غرض سے کی گئی ہے کہ میرے ہموطنوں کے دلوں میں اس بھاری فرض کا کچھ خیال جاگزین ہو۔ جو ان پر اپنے مورثان کیطرف سے واجب ہے۔

یہ مقولے اس جگہ پر اس واسطے نقل کئے گئے ہیں کہ ہندوستانیوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ کام یعنی سنسکرت زبان کا زندہ کرنا اگرچہ بہت محنت طلب ہے۔ مگر اس سے بڑے بڑے نتیجوں کی امید ہے۔ اور اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ قبل ازیں کہ ہم ان نتیجوں پر پہونچیں ہمکو بہت سی ظاہری دنیا کی اُمید دلانیوالی زندگیاں وید دیا

کے حصول کے لیے قربان کرنی ہونگی۔

پنڈت گورودت ودیارتھی کے جانشینوں سے میری یہ دست بستہ عرض ہے کہ جب تک بہت سی زندگیاں اس مبارک مشن پر بلدان نہ ہونگی۔ بھارت ورش کا ادوہار ناممکن ہے۔ پس ان کو اس بلدان کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

واضح ہو کہ یورپ کے بہت سے روشنضمیر اشخاص اگر ہندوستان کے مردہ علم ادب کو زندہ کرنے کے درپے ہیں۔ تو ہندوستان بھی گاہے ماہے کوئی نہ کوئی آتما ایسی اوتپن کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ جو اسی دھن میں اپنا سروسیہ قربان کر دیتا ہے۔ میری آئندہ تحریر کے مطالعہ سے ظاہر ہو جائے گا۔ کہ انڈیا میں سوامی دیانند سرستی کی روح بھی اپنا کام کر رہی ہے۔ اور لوگوں کو حب الوطنی اور قومی ہمدردی کے خیالات سے لبریز کر کے ان کے چند روزہ زندگی کے پودے کو سنسکرت زبان کے چشمہ آب حیات سے تر و تازہ ہونیکا خیال دلا رہی ہے۔

ہاں اس مادر زبان یعنی سنسکرت کو زندہ کرنے کے لئے اگر بہت سی چمکتی ہوئی شعلیں بجھ بھی جاویں تو کچھ فکر کی بات نہیں۔ بشرطیکہ یہ روشنی سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی جاوے۔ آئندہ صفحات میں میں ایک ایسی زندگی کی تاریخ ہدیہ ناظرین کرونگا جس نے دنیا کی معمولی لذات میں ایک کی بھی چاشنی نہ چکھی اور جس نے اپنی تمام جوانی لگاتار محنت میں ایک اعلیٰ نمونہ کی زندگی بنانے کے لیئے اور گیان و معرفت کا مشکل راستہ حاصل کرنے اور اپنے ہموطنوں کے لئے اس کے حصول کے آسان ذریعے تلاش کرنیکی غرض سے خرچ کر ڈالی۔

بعض لوگ یہ سوال کرینگے بلکہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انگریزی کتاب کے شایع ہونے کے بعد میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ کہ پنڈت جی نے کون سے ایسے

کارہائے نمایاں کیے تھے کہ جن سے ان کا جیون چرتر شایع ہونے کے قابل ٹھہرا میں اس کا یہی جواب دیتا ہوں کہ بیشک انھوں نے اگرچہ کوئی ایسا کارنامہ نہ کیا ہو۔ جو دنیا داروں کی نگاہ میں نہ جم سکے۔ لیکن حق کے متلاشی وگیان کے طالبان کے لئے ان کی یہ سادہ زندگی اور اس کے واقعات مشعل کے کام دے سکتے ہیں۔ بھراتری گن اگر غور سے پڑھو گے تو پنڈت جی کا جیون چرتر ہم تم بھولے بھٹکے مسافروں کے لئے اس تاریک رات میں ماہتاب کا کام دیگا۔

پس اگر اس روشنی سے ایک بھولا بھی راستہ پر آجائے اور دوسرا گوردت ودیارتھی پیدا ہو جائے۔ تو مصنف اپنی محنتوں کو بہت زیادہ قیمتی سمجھنے کا فخر حاصل کرے گا +

پنڈت گورودت ودیارتھی جی

ایم۔ اے کا جیون چرتر

پنڈت جی کے خاندانی حالات

نمیدانم حدیث نامہ چوں است
ہمے بینم کہ عنوانش بخوں است

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

بہت سے ذیشان اور عالی رتبہ فاضلوں نے جسوقت یہ واقعہ جانکاہ وحادثہ ہوش ربا سُنا کہ پنڈت گورودت ایم۔ اے سُرگ دھام کو سدھارے بے تحاشا بول اُٹھے کہ اے پنجاب صرف ایک ہی انسان تھا جس کو تو نے ان چالیس سال کی مدت انگریزی راج میں بنایا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ بھی کچھ دنوں تجھکو تیری محنتوں کا ثمرہ دینے کے لئے زندہ نہ رہا۔ اجل کے بیرحم فرشتہ نے اس کو تیری محبت بھری گود سے جلد اُٹھا لیا۔

بلاشبہ پنڈت صاحب مرحوم کا وجود فخر پنجاب تھا۔ بہادر پنجابیوں میں جن کی بہادری
اور وفاداری سے تاریخ کے صفحات پُر ہیں ایک یہی شخص پیدا ہوا تھا جس کی فضیلت
شہرہ آفاق ہونے کی اُمیدیں دلاتی تھی۔ پنڈت جی کا اپنی حیات مستعار کو (دہرم)
مذہب حقیقی پر قربان کرنا ایسا تھا۔ جیسا کہ اُس عالیخاندان کے بچوں سے کہ
جس میں وہ پرگھٹ ہوئے۔ امید کیا جا سکتا ہے۔ وہ جگدیش راجہ کی اولاد یا
نسل میں سے تھے۔ یہ راجہ شمالی ہندوستان کی قدیم اقوام کی روایتوں میں
ہنوارسدنا کے نام سے مشہور ہے۔

روایت ہے کہ راجہ موصوف نے اپنی زندگی کسی بڑے بھاری کام کو سرانجام
کرنے میں قربان کر دی تھی۔ جو غالباً کسی مسلمان حکمراں کی جابرانہ کارروائیوں
سے اُپنے ملک اور دہرم کی رکشا سے متعلق تھا۔ اس مبارک اور قابل عبرت
کام کے باعث وہ اور اُن کی اولاد سروانا (سر دینے والا) کے نام سے ممتاز ہوئی
آخر بگڑ کر سدانا ہو گیا۔ اور اب تک اس خاندان والوں کے لئے بولا جاتا ہے۔
اسوجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ پنڈت گورودت کی فطرت میں یہ وصف یعنی قوم
اور ملک پر قربان ہونا وراثتاً مرکوز تھا۔ یعنی بلند حوصلگی۔ مضبوط باطنی۔ ایثار نفسی
سب صفات پنڈت جی نے اپنے جد بزرگوار کے خون سے ورثہ میں پائی تھیں۔ جو اُس
چندروزہ زندگی میں ان کے ہر قول و فعل سے عیاں اور ہویدا تھی۔ پس بوجوہات
مذکورہ کوئی جائے تعجب نہیں اگر پنڈت جی نے راستی و حقیقت کے پرچار میں
کسی قسم کی سختیوں اور تکالیف کی پروا نہ کی ہو۔ اور ہمیشہ ذاتی آرام و تن آسانی
سے احتراز کر کے ست دہرم کی فتح اور صداقت کی روشنی کے پھیلانے میں
کوشش کی ہو۔ یہ مبارک روح ہمیشہ اسی دھن میں رہی کہ پرتھوی پر سچے دہرم

کی راجدھانی پھر از سر نو ایک دفعہ استھاپت ہو۔ جیسے کہ اس کے جد امجد نے اس
کام پر جس کو کہ وہ صادق اور دہرم کاریہ خیال کرتا تھا۔ اپنے تئیں قربان کر دیا
ویسے ہی اس کے ہونہار بچے نے اپنے سروسو کو اس کار خیر کے لئے سماجک
کاموں میں جس کو کہ وہ بالکل صحیح خیال کرتا تھا فدا کیا۔ اس نے دنیا کو اس بات
کا ثبوت دیا کہ وہ ان شہیدوں کی اولاد سے ہے جو کہ اپنے دہرم پر اپنی جانوں کو
قربان کر دیتے تھے۔

پنڈت جی کی یہ قربانی اس عالیخاندان کے شایان شان تھی۔ کہ جس میں پیدا
ہونیکا فخر پنڈت صاحب کو قدرتاً حاصل تھا۔ اگر ہم ان کے شجرۂ نسب کیطرف نظر اٹھاکر
دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ پنڈت جی کے آباؤ اجداد بڑے شریف اور معزز اور
اپنے زمانہ کے بارعب آدمیوں میں سے گنے جاتے تھے۔ ان کے پڑدادا مہتہ
گردھاری لال نواب بہاولپور کی طرف سے امیر کابل کے دربار میں بطور وکیل رہا
کرتے تھے۔ نیرنگی زمانہ نے راجہ جگدیش کی اولاد کو ایک مسلمان حکمران کی ملازمت
پر مجبور کیا۔ مہتہ گردھاری لال کی اولاد سے مشہور و معروف دیوان ساون مل والئے
ملتان بڑی عزت و توقیر سے پیش آیا کرتے تھے۔ اور ان کو اپنے دوستوں میں
گنا کرتے اور جب اس خاندان کا کوئی ممبر کبھی ملتان کو جاتا تھا۔ تو دیوان صاحب
اپنے ملازموں کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا کرتے تھے۔

پنڈت جی کے والد لالہ رام کشن جی فارسی زبان و علم ادب کے ماہر تھے۔
اور وہ ان استادوں میں سے تھے کہ جنہوں نے صوبہ پنجاب کے سررشتہ تعلیم
کو ابتدائی زمانہ میں رونق دی۔ لالہ رام کشن جی کا قد میانہ اور پیشانی فراخ
اور کشادہ تھی۔ ایک مضبوط اور گٹھا ہوا جسم رکھتے تھے۔ اور زیور علم و لیاقت

اور رسائی فہم وذکا سے آراستہ تھے۔ پنڈت صاحب ہوبہو اپنے باپ کا فوٹو تھے۔

پنڈت جی کی ماتا اُن ہندوستانی ماتاؤں کا نمونہ تھیں۔ جو تھوڑی سی آمدنی میں اپنے کنبہ کو فارغ البالی سے پرورش کرنا جانتی ہیں۔ وہ صاحب عصمت اور لایق منتظم عورت تھیں۔ پنڈت جی کے پتا کی تنخواہ اخیر وقت پر جب کہ وہ سررشتہ تعلیم سے علیحدہ ہوئے ساٹھ روپیہ ماہوار تھی۔ مگر اسقدر قلیل آمدنی سے ان کی ماتا اپنے بچوں کے خورو پوش کا امیرانہ انتظام رکھتی تھیں۔ وہ کتابی تعلیم سے محض بے بہرہ نہیں جیسے کہ ہندو خاندانوں میں عموماً مستورات مبتلا ہوتی ہیں۔ وہ اپنے بچوں پر معمول سے زیادہ مہربان اور شفیق تھیں۔ مگر پنڈت صاحب سے خصوصاً ان کو دلی لگاؤ بہت زیادہ تھا۔ انکی طبعیت میں برخلاف عام عورات کے استقلال کا وصف پایا جاتا تھا۔ چنانچہ میرے ایک دوست جن کو پنڈت جی سے بہت اُنس تھا اور جو اُن کے خاندان سے گہرا تعارف رکھتے ہیں لکھتے ہیں کہ پنڈت جی کی ماتا مصیبت کو مردانگی سے برداشت کرنا جانتی تھیں۔

مرحوم پنڈت اپنے پتا کی بہت عزت کیا کرتے تھے اور وہ ایسے ہی لایق تھے۔ انکو جو خداداد ذہن اور حافظہ ملا تھا۔ اسی کا ظہور پنڈت کی ذات ستودہ صفات میں پورا پورا تھا۔ یعنی پنڈت کی ذات میں اس قدرتی ملکہ نے خوب ہی نشوونما پایا تھا۔

لالہ رام کشن نے اپنی موت سے ایک سال قبل اپنے لایق بیٹے کی خواہش کے مطابق سنسکرت پڑھنا شروع کیا۔ اور ۹ ماہ کے عرصہ میں ایسی عمدہ ترقی دکھلائی کہ سنسکرت زبان میں ایک چٹھی اپنے بیٹے کو لکھی جو نسبتاً درست اور صحیح تھی۔

وہ کم گو اور تنہائی پسند تھے ۔ اس لیئے انکے دوست اور ہمعصر اہلکار اُن کو خشک مزاج کہا کرتے تھے ۔ علم تصوف کیطرف میلان طبعیت بہت تھا جس کو پنڈت جی نے اپنی زندگی میں کمال پر پہنچانیکی کوشش کی ۔ لالہ رام کشن ۱۸۲۲ء کو پیدا ہوئے تھے ۔ اور پنڈت گورودت جی ۲۶ ۔ اپریل ۱۸۶۴ء مطابق ۱۶ بیساکھ سمت ۱۹۲۱ کو اُن کے ہاں جنم لیا ۔ وہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے ۔ اسوقت انکی ماتا کی عمر ۲۹ سال کی اور ان کے پتا ۴۲ سال کے سن میں تھے ۔ پنڈت جی اپنے خاندان کے سب بچوں میں چھوٹے تھے ۔ اور یہ ضرب المثل کہ سب سے چھوٹا سب سے تیز ہوتا ہے ان پر صادق آتی تھی ۔

پنڈت بقول ایک امریکن فلاسفر کے کہ جس کی عزت وہ اپنی عمر کے آخیری حصہ میں بہت ہی زیادہ کیا کرتے تھے ۔ بلحاظ وقت پیدائش بڑے خوش نصیب تھے امریکن فلاسفر مذکور لکھتا ہے ۔

"وہ شخص بڑا خوش نصیب گننا چاہیئے جو اپنی ماتا کی تیس اور پنتالیس برس کی عمر کے درمیان اور پتا کی ۳۵ اور پچاس کے درمیان پیدا ہو۔"

اس کا قول ہے کہ جسمانی اور روحانی قوتیں انھیں بچوں میں اچھی ہوتی ہیں جو اپنے والدین کے ترقی یافتہ قواء کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہوں ۔ وہ اپنے اس قول کے ثبوت میں بہت سے آدمیوں کا نام لیتا ہے ۔ مجھکو اسبات سے خوشی ہوئی ۔ کہ یہ سوانح عمری بھی اس قاعدہ کے ثبوت میں تمثیل ہوگی جس پر آجکل ہندوستان کے والدین کو اپنے بچہ کی شادی کرتے وقت توجہ ہونی چاہیئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی کے والد یوگ ودیا کی مہا شکتیوں میں یقین رکھتے تھے ۔ وہ اپنی عمر کے اس زمانہ میں اولاد نرینہ کے نہ ہونے سے نہایت رنجیدہ اور مایوس ہوکر اس خواہش کو اپنے روحانی

باپ یعنی گورو کے پاس لے گئے۔ اس خدا رسیدہ شخص نے فرمایا کہ بیٹا! خدا کی بخشش سے انسان کو کبھی نا امیدوار اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ پرمیشر سب شکتیاں تم پر دیا کرے۔ جب پنڈت گورودت پیدا ہوئے تو خیال کیا گیا کہ انکی پیدائش گورو صاحب کے انفاس متبرک کا نتیجہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ ناظرین مجھے معاف کرینگے کہ میںنے اس مذہبی وہم کو بیان کیا۔ میرا فرض تھا کہ میں ہر ایک ایسے واقعہ کو جس سے انکی پیدائش کا تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ ذکر کروں اگرچہ وہ کسی کے خیال میں درست یا نادرست ہو۔

پنڈت مرحوم کا جنم راسی نام مولا رکھا گیا۔ چنانچہ جنم پتری میں ان کا یہی نام مرقوم تھا۔ اس نام کے آخر سے اگر الف کو دور کیا جاوے تو مول رہجاتا ہے۔ جس کے معنی اصل نور کے ہیں۔ مناسب وقت پر جب وہ چھوٹا بچہ اپنے باپ کے روحانی گورو کے حضور پیش کیا گیا۔ تو اس نے خوش ہو کر اس کو بیراگی پکارنا شروع کیا۔

ہر ایک ہندو خاندان کا ایک گرو ہوتا ہے جو بعض اوقات پروہت بھی کہلاتا ہے ان پروہتوں کا دم سابق زمانہ میں اپنی فضیلت اور علمیت کے باعث اپنے ججمانوں کے لئے غنیمت سمجھا جاتا تھا۔ لیکن افسوس کہ موجودہ زمانہ میں وہ گرو اور پروہت دکھائی بھی نہیں دیتے۔ ہر ایک جاہل مطلق و بھیک منگا یا نکمہ گدا اپنے تئیں گرو ہونے کے لایق خیال کرتا ہے۔ جنہیں سے اگر کوئی کچھ قدر سے لکھنا پڑھنا بھی جانتا ہے تو صرف اس قدر کہ جس سے طوطے کی طرح چند منتر و اشلوک جو اس کو معمولی رسمیات پر پڑھنے پڑتے ہیں دہرا دے۔ غالباً پنڈت جی کے پتا کا گرو ان تمام پنڈتوں میں سے نہیں تھا۔ بلکہ بہت لئیق اور مستثنیٰ شخص تھا۔ ورنہ ممکن نہ تھا۔ کہ وہ اس چند ماہ کے بچہ کے اس میلان طبیعت کو معاً پہچان جاتا۔ بیراگی ان لوگوں

کو کہا جاتا ہے۔ کہ جو تمام خواہشات نفسانی اور جذبات انسانی کو چھوڑ کر آتما اور پرم آتما کے دہیان میں مصروف رہتے ہیں۔ جن کو کہ مجذوب بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی عاشقان الہی۔ یہ بدنام کنندہ نکو نامے چند" یعنی بیراگیان زمانہ حال کہ جن پر یہ مقولہ درست آتا ہے کہ "برعکس نہند نام زنگی کافور" ہرگز ہرگز اس پوتر نام کے مصداق نہیں ہیں۔ افسوس کہ یہ لوگ ہندوستان کے تنزل و بربادی کا ایک رقت انگیز نمونہ ہیں۔

چند ماہ کے بچہ کو بیراگی کا خطاب دینا ظاہر کرتا ہے۔ کہ یا تو وہ شخص راز واں تھا۔ یا یہ امر اتفاقی تھا کہ انھوں نے اس کو بیراگی کا نام دیا۔ عام لوگ اسبات کو کب پسند کرسکتے ہیں کہ ان کے بچے اس نام سے پکارے جائیں۔ کہ جس میں تارک الدنیا ہونا ایک لازمی امر ہو۔ مگر پنڈت جی کے والدین نے اپنے پیارے اکلوتے بیٹے کو اس نام سے پکارے جانے میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ اسوقت ہرگز نہ جانتے تھے کہ یہ لڑکا حقیقی بیراگی بننے کو پیدا ہوا ہے۔ مگر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جنم سے ہی بیراگی پیدا ہوا تھا۔ جب پنڈت گورودت ۱۴ برس کی عمر میں تھے۔ تو اپنے والدین کے ہمراہ ہردوار گئے۔ جہانکہ ایک گوسوامی رادھے لال نے ان کا نام بدلکر گوراندتا بجائے بیراگی کے کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شروع پیدائش سے ہی ان کا نام گوراندتا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کے گروکی دعا سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ وہ گرو نفسانیت سے پاک تھا۔ جس نے خود یہ نام دیتے وقت اپنی نفسانیت خیال کی مگر اتفاق سے بعد کو ایک دوسرے شخص نے انکو یہی نام دیا معلوم ہوتا ہے اس قصہ کو ان کے والد نے گوسوامی سے دہرایا۔ جسپر اس نے ان کو یہ نام دیا۔

جو بعد میں اُن کی زندگی تک گورانداتا بحذف الف گوردت کے تلفظ سے قایم رہا۔

پنڈت جی کی ابتدائی تعلیم

تعلیم سے انسان انسانیت حاصل کرتا ہے - یہ ایک ایسی بات ہے - کہ جسکی صداقت پر کوئی شخص شبہ نہیں کرسکتا - اور عمدہ و مفید طریقہ بھی ایک ایسی ہی ضروری چیز ہے - جس کے لئے انسان بہ نسبت اور اشیاء کے زیادہ تر محتاج ہے - کیونکہ طریقہ تعلیم اگر پسندیدہ اور تجربہ شدہ ہوگا تو بچہ تعلیم و تعلم سے مستفید ہوکر ترقی روحانی کے آثار بہت جلد نمایاں طور پر ظاہر کرسکے گا - اور اس کی طبیعت کی قدرتی جولانی اور نیچرل خاصیت روز بروز ترقی کے درجہ پر بڑھتی جائے گی - ہر قوم و ملک میں عمدہ طریقہ تعلیم خصوص ابتدائی تعلیم کا ہونا اس قوم کی ترقی کی پہلی منزل ہے - کیونکہ قومی ترقی کی بنیاد شخصی ترقی پر منحصر ہے - اور کسی قوم کا اچھا یا بُرا ہونا یا مہذب و غیر مہذب و تعلیم یافتہ یا آسودہ و مفلس ہونا سب باتوں کی جڑ شخصی ترقی پر منحصر ہے -

قوم کیا ہے ؟ ایک خاص ملک یا ذات کے افراد کا مجموعہ ہے - پس اگر افراد میں سے ہر فرد لایق اور مہذب تعلیم یافتہ ہوگا - تو بیشک اس کا مجموعہ بھی ایک مہذب قوم یا لایق قوم کہلانے کا مستحق ہوگا -

ان لوگوں کو جو دنیا میں اولاد پیدا ہونے کے خواہشمند یا صاحب اولاد کہلانے کے مستحق ہیں معلوم ہونا چاہئے - اور اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہئے -

کہ وہ سوسائٹی کو اس قدر فائدہ یا نقصان پہونچاتے ہیں جس قدر کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں جو کچھ عرصہ میں اپنی سوسائٹی کے ممبر کہلانے کے مستحق ہو جائیں گے چستی یا جی یا کوتاہی و سستی دکھلاتے ہیں۔ بدیں وجہ وہ والدین جو اپنی اولاد کو باوجود وسعت اور صاحب استطاعت ہونیکے بقدر وسعت خود تعلیم نہیں کردیتے۔ وہ ایک قومی جرم کے مجرم و گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔ اور ایسے افراد انسانی خصوص اپنی سوسائٹی کے بڑے دشمنوں کی فرد میں لکھے جانے کے لایق ہیں ہمارے بیراگی یعنی ہیرو کا باپ چونکہ ایک لایق اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اس لیۓ وہ اُن فرایض سے جو اولاد کے والدین پر ہیں خوب ماہر و واقف تھے اور نیز وہ خوب جانتے تھے کہ تعلیم ہمیشہ گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اس مقولہ پہ پنڈت جی کے پتا نے عمل کر کے گھر پر ہی لڑکپن میں جبکہ وہ پانچویں سال میں تھے ا و ب وغیرہ حروف ہجی ان کو بخوبی سکھلاوئے تھے۔ بچوں کو مارنے پیٹنے کے بہت سخت مخالف تھے۔ ہاں تحریص و ترغیب کے لئے کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ لبطور انعام دیکر وہ انکی طبعیت کو تعلیم کی طرف پھیلاتے اور انکی آزادی میں کبھی کسی قسم کی روک ٹوک نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اس قسم کی روک ٹوک سے طبعیت کا قدرتی اُبھار دب جاتا ہے۔

اُن کو حساب کی تعلیم پرانے ہندوستانی قاعدہ کے مطابق دیگئی تھی۔ چنانچہ پنڈت جی لاکھوں کی رقموں کو زبانی ہی ضرب و تقسیم دیدیا کرتے تھے

لہ اس قسم کی باتیں پنڈت جی سے مترجم نے جو اُن کے نیازمندوں سے ہے خود سُنی ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ اوّل آمیرے پتا نے مجھے انگلیوں پر گننا

وہ سلیٹ پنسل یا کاغذ قلم دوات کے محتاج نہ تھے۔ یہ طریقہ تعلیم انکی خداداد ذہانت میں بہت کچھ معین و مددگار ہوا۔

چونکہ پنڈت جی کے پتا کو ان کی تعلیم کا بہت خیال تھا۔ اس لئے انھوں نے پرائمری سکول کی جماعتوں کی تعلیم کے لئے انکو مدرسہ میں داخل نہیں کیا۔ کیونکہ مدارس میں پرائمری جماعتوں کے استاد کم لیاقت ہوتے ہیں۔ اور کم لیاقت والے استادوں کی تعلیم سے اکثر بچوں کا تلفظ وغیرہ خراب ہو جاتا ہے۔ جو تمام عمر ان کو نقصان دیتا اور دقتوں میں پھنساتا ہے۔ اس غرض کے لئے انھوں نے ضعیفی کی عمر میں خود انگریزی پڑھنی شروع کی اور ہاؤ ٹو سپیک جو اسوقت پرائمری سکولوں میں درسیہ کتاب تھی خود پڑھی اور پھر پنڈت جی کو پڑھائی۔ اس طرح پر آٹھ سال کی عمر میں ان کو جھنگ کے سکول میں جہاں وہ خود ملازم تھے مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ چونکہ فارسی و اردو کی اچھی لیاقت پیدا کر چکے تھے مدرسہ میں داخل ہو کر بہت جلد ترقی کے آثار دکھلائے اور تھوڑے دنوں میں مثنوی مولانا روم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۔ سکھایا۔ پھر جب قدم آگے بڑھا تو انگلیونکی مدد لینے سے منع کر دیا بعض زبانی جمع خرچ ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ تمام قاعدے حساب کے جذر جذر المکعب وغیرہ تک زبانی ہی کر لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ الجبرا کے سوالات و مساوات کو بھی زبانی حل کرنا سیکھ لیا۔ اور اقلیدس و علم مثلث کو تو وہ ہمیشہ ہی زبانی حل کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء کی انٹرینس کلاس ویدک کالج کے طلبا رجانتے ہیں کہ وہ زبانی حل کر کے انکو بتایا کرتے تھے۔ اور نیز فرمایا کرتے تھے کہ میں نے انٹرینس کلاس تک کبھی سلیٹ نہیں خریدی اور سوائے امتحان کے موقعوں کے کبھی لکھکر حل نہیں کیا۔ ہاں جو کبھی طویل اور راوق سوال ہوتا تو لکھ لیا کرتا تھا۔

و دیوان حافظ وغیرہ کتب فارسی کو پڑھ لیا۔ اور اکثر اشعار ان کو ان کتابوں کے ازبر تھے۔ چند سال جھنگ میں رہے اور مڈل کا امتحان اسی مدرسہ میں پاس کیا۔ بعد ازاں ملتان ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ جہاں ان کی خداداد ذہنی طاقت کا اظہار شروع ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ اردو کے فقروں کو بغیر کسی قسم کی تیاری اور فکر کے فارسی اشعار میں تبدیل کرتے جایا کرتے تھے۔ اور پوٹ یوکلڈ میں جو نتائج اول مقالے کے دئیے ہیں انکو ایک دن میں حل کیا۔

علیٰ ہذا اسطرح کی لیاقت سے وہ اپنی جماعت میں معمولی طالبعلموں سے بڑھکر لیاقت وذہانت دکھلاتے تھے جس سے ان کے ہم سبق طلبا اور استادوں کو حیرانی ہوتی تھی۔

ان کے والد بزرگوار ان کے کھان پان کی بہت احتیاط رکھا کرتے تھے وہ ویسے عموماً پنڈت جی کی من پسند غذا تھی۔ اور گوشت سے ان کو بچپن سے نفرت تھی۔ ان کے والد نے ایک دفعہ ان کو گوشت[1] کھانے کے لئے بہت ترغیب دی۔ مگر پنڈت جی نے باادب تمام گذارش کی کہ جب تک کسی معقول دلیل یا برہان سے یہ ثابت نہ ہو۔ کہ اس کا کھانا علاوہ پاپ نہ ہونے کے انسان کے لئے مفید بھی ہے۔ تب تک آپ مجھکو اس سے معذور رکھیں ایسے

[1] مترجم سے پنڈت جی نے فرمایا کہ مڈل کے امتحان سے پہلے میں گوشت کھانے پر رضامند ہونیکو تیار ہو گیا تھا۔ مگر اتفاق سے انھیں دنوں مجھے ایک کتاب رسولہ دلائل بخلاف گوشت کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب نے میرے دل پر نقش کا نجر کر دیا کہ گوشت کھانا عقلاً و نقلاً برا ہے۔ اور اس سے کوئی فائدہ جسمانی نہیں بلکہ نقصان دلیک ہے۔ وہنبادر پرماتما کا کر اس نے مجھے اس سے محفوظ رکھا۔

ان کے والد خاموش رہے۔

جب تک وہ اپنے پتا کی زیر نگرانی رہے تب تک ان کو کسی بری صحبت سے پالا نہیں پڑا۔ انھوں نے ہمیشہ یہ احتیاط رکھی کہ یہ گنوار اور ہم عمروں کی صحبت سے دور رہیں۔ ان دونوں باتوں کی احتیاط نے ان کو بہت فائدہ دیا۔ یعنی انکو ہمیشہ طاقت پیدا کرنے والی غذا کا استعمال اور ورزش کا شوق رہا۔ اور بیہودہ گفتار و کردار و بد صحبت سے بچے رہے۔ ان کے پتا کی نسبت اگر ہمکو اور حالات معلوم ہوتے تو بیشک ہم جان سٹوارٹ مل کے باپ فاضل باپ سے ان کا مقابلہ کر سکتے۔ جو ایک مشہور اور نامی فاضل فلاسفر گذرا ہے۔ اگر سب لوگ اپنے بیٹوں کی تعلیم و تربیت میں ایسی ہی نگرانی اور کوشش کریں۔ تو ناممکن نہیں کہ بہت سے جان سٹوارٹ مل اور گورودت اس دنیا میں پیدا ہو جائیں ✣

ابتدائی عمر میں ایک کتاب آئینہ مذہب ہنود پنڈت جی کے ہاتھ لگ گئی جس کو پنڈت جی نے بڑے شوق اور توجہ سے مطالعہ کیا۔ اور اس پستک سے انحد شبد کے ورد کا طریق سیکھکر جاپ شروع کیا۔ بعد کچھ مدت کی مشق کے پیچھے پرانا یام کرتے ہوئے پائے گئے۔ پرانا یام میں سانس کو روک کر توجہ دل کو سرب شکتیمان پرماتما کی طرف لگاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ اسمیں محو ہو جاتے ہیں۔ پرانا یام یوگ کے آٹھ سادھنوں میں سے ایک سادھن ہے۔ اور ہر ایک دیو کا فرض ہے کہ وہ کم از کم دن بھر میں تین دفعہ پرانا یام کرے۔

ظاہر ہے کہ پنڈت جی نے مثنوی مولانا روم وغیرہ کتب تصوف کو مطالعہ کیا تو کچھ عجب نہیں کہ ان کو یوگ کا شوق پیدا ہوا اور انھوں نے یہ عادت

اختیار کی ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف ہونا ایک تعجب انگیز بات تھی۔ امتحان چھوڑ دینے سے پہلے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ وہ پرانایام کرتے ہیں۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ اپنے ناک کو انگلی سے دبائے اور آنکھ بند کئے پرانایام میں مصروف تھے۔ کہ انکی والدہ صاحبہ وہاں آنکلیں۔ اور بیٹے کو اس حال میں دیکھکر سخت ناراض ہوئیں۔ اور بُرا بھلا کہنے لگیں۔ پنڈت جی نے عرض کی کہ اے مادر مہربان آسمان کیطرف دیکھو وہاں جو ستارے وسیارے چمک رہے ہیں اور جن کے وجود سے آسمان جگمگ جگمگ کر رہا ہے ان کا بنانیوالا کوئی ضرور ہے۔ میں بھی اسی تک پہنچنے کا راستہ دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور غالباً آپ لوگ بھی ہمیشہ ایسے کاموں کی طرف توجہ کیا کرتے ہیں پس یہ کوئی خفا ہونے کی بات نہیں۔ ان دنوں میں بارہا لوگوں نے اُن کو آسمان کیطرف بغور دیکھتے ہوئے پایا۔

جسکو کہ ایک بڑے مذہبی آدمی کی زندگی کا دیباچہ کہنا چاہیئے۔ مگر چونکہ پنڈت جی انگریزی علوم کی تحصیل میں مشغول تھے اس لیئے اس کے اثر سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ اس کا اثر بھی نمایاں ہونے لگا۔ یعنی مثل عام طالب علموں کے وہ سائنس پڑھکر وجود واجب الوجود میں شک لانے لگے۔ اتفاق سے انھیں دنوں لودیانہ کے مشہور فلاسفر آزاد منش منشی کنہیالال الکھ دھاری کی تصنیفات و تالیفات کے مطالعہ سے مستفید ہونیکا موقعہ بھی ہاتھ لگا۔ جس سے وہ دن بدن ناستک پن کیطرف زیادہ جھکتے چلے گئے۔ اس زمانہ میں جبکہ وہ بہت سی مبارک روحیں اس نامبارک ناستک خیالات کے پنجہ میں گرفتار ہوتی جاتی تھیں۔ اور یورپین خیالات کے بہاؤ میں پھنسکر

مذہبی بندشوں میں گھن آگیا تھا۔ اور انگریزی خواں بلکہ کل مدارس سرکاری کے طلباء گمراہی کے گہرے سمندر کی طرف دھکیلے جارہے تھے۔ اور ہند و طلباء اپنے موجودہ مذہب کے لغو اور لچر ہونے اور پراچین سناتن دہرم کے عدم پرچار کی وجہ سے ہر ایک مخالف مذہبی آدمی سے ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ بلکہ بعض بعض مسلمان اور عیسائی پیغمبروں سے مکتی کے لئے ملتجی ہوتے ہوئے دکھائی پڑتے تھے۔ اور ہندو سوسائٹی کے اکثر ممبر مسجدوں اور گرجاؤں کی ممبری میں چلے جارہے تھے۔ ہندوستان کے جنوب مشرق سے یاک بھڑکتا ہوا شعلہ نمودار ہوا کہ جس کا نام آریہ سماج ہے۔

اس مبارک اگنی نے تمام مخالف مذاہب کے اختراعی اصولوں کو پگھلا کر ازسرنو پھر اصلی آریہ سناتن دہرم نیچرل اصولوں کو جو جہالت کی تاریکی میں نظر سے پوشیدہ ہوگئے تھے روشن کیا۔ اور ہندوستان کے نوعمر بچوں کو مذہبی گراوٹ سے بچایا۔ ایک غیر ملک کا مورخ لکھتا ہے کہ یہ آگ ہندوستان میں خدا کے پیارے فرزند کے سینہ بے کینہ سے پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ ایسی بھڑکی اور روشن ہوئی کہ اس کے شعلوں کی بھڑک اور اس کی روشنی کی چمک چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ اور اس نے جہالت کی تاریکیوں کو اٹھا کر راہ راست کا رستہ دکھایا۔ اس بندہ خدا کے اپدیشوں نے پنجاب کے چاروں کونوں کو اپنے قدرتی زور سے ملا دیا۔ نوجوان پنڈت گورودت نے بھی ان کے اصولوں کو سنا اور ان پر مباحثہ شروع کیا۔

پنڈت جی ایسی مذبذب حالت کے دنوں میں جھنگ سے آکر ملتان ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ ملتان میں علاوہ اور معمولی تعلیم کے انھوں نے علم طبعی

کے ابتدائی رسالوں کو بھی پڑھا جس سے وہ انگریزی میں ایک کامل استاد ہو گئے تھے۔ سکول کا ہیڈ ماسٹر بابو شیمون ہاسرکاران سے بہت محبت کرتا تھا۔ اور مختلف کتابیں جن کو کہ وہ ان کے مطالعہ کے لایق تصور کرتا تھا ان کو مطالعہ کے لئے دیتا۔ ملتان میں مدرسے کے کتب خانہ سے پنڈت جی نے پورا فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ مدرسہ کی لائبریری کی تمام کتابیں نہ ایک دفعہ باری باری سے دیکھ گئے۔ ایک دوسرے کتب خانہ سے بھی فائدہ اٹھانے کی صورت کو انھوں نے ہاتھ سے نہ دیا۔ جو کہ لنگا خاں کے باغ میں تھا۔ اس کی بھی عمدہ عمدہ کتابیں پنڈت نے مطالعہ کیں۔

ماسٹر دیارام سے بائبل ان انڈیا اور اسی قسم کی اور بہت سی کتابیں لیکر مطالعہ کیں۔ ابتدائی عمر میں وہ ایسے ذہین و ذکی تھے کہ جس کو سنکر انسان کو حیرانی ہوتی ہے۔ کالج کی تعلیم کے زمانہ میں لوگوں کو بارہا ان کی ذہانت خداداد کے امتحان کا موقعہ ملا۔ اور لوگ حیران ہوتے تھے۔ جبکہ وہ سینکڑوں نام جن کی ترتیب کا کوئی نہ سلسلہ ہوتا تھا نہ قاعدہ ایک دفعہ سنکر بہ ترتیب اسی طرح سنا دیتے تھے جس طرح پر کہ ان کو سنائے گئے تھے۔ ایک دفعہ ڈائرکٹر لفٹینٹ کی درخواست پر انھوں نے اپنی اس قابلیت کو ایک بڑے آدمی کے سامنے جو گورنمنٹ کالج کا معائنہ کرنے آیا تھا دکھایا۔ اس ذہانت کے ساتھ ان کو مطالعہ کا بھی اس قدر شوق تھا۔ کہ ابھی انکی عمر اٹھارہ سال کی پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ عربی۔ فارسی۔ سنسکرت۔ انگریزی اور اُردو زبانیں ایک معقول حد تک جانتے تھے۔ جن میں سے ہر ایک ان کے لئے غیر تھی۔ علاوہ ازیں پنجاب یونیورسٹی کے امتحان انٹرنس کے لئے تیار تھے کہ جس میں وہ پانچویں نمبر پر

پاس ہوئے - فارسی کی لیاقت تو بہت عمدہ تھی - چنانچہ مثنوی مولانا روم پڑھ چکے
تھے - سنسکرت میں اشٹادھیائی ختم کر لی تھی - عربی میں صرف و نحو پڑھ چکے تھے
انگریزی میں تو فاضل تھے جبکہ ملٹن و کوپر شکسپیر وغیرہ پڑھ چکے
تھے - اردو انٹرینس کے امتحان تک جس قدر کہ جاننا ہوتا ہے جانتے تھے -
آپ نے منطق، فلسفہ و علم طبعیات میں بہت کچھ پڑھا تھا - لالہ چیتانند - بی - اے
جو ان کے دوست اور ہم جماعت ہیں لکھتے ہیں کہ پنڈت گرودت جب جھنگ سے
مڈل پاس کر کے ملتان سکول میں آئے تو ناستک تھے - اور ملتان میں انھوں نے
سنسکرت شروع کی - اور سب سے پہلے بلین ٹائن انٹروڈکشن ٹو سنسکرت گرامر کو پڑھا -
اس کے بعد وید بھاش بھومکا کا سنسکرت حصہ ڈکشنری کی مدد سے خود مطالعہ کیا -
جب اس کو ختم کر چکے تو ملتان آریہ سماج کے سبھاسدوں سے انھوں نے درخواست
کی کہ تم مجھکو کوئی ایسا پنڈت بلادو جو وید کو پڑھا سکے - ورنہ میں سمجھوں گا کہ تمہارے
وید بجائے سچی ودیاؤں سے پر ہونے کے لغویات اور بیفائدہ بکواس کا مجموعہ ہیں -
یہ مناسب اور معقول درخواست پسند اور منظور کی گئی - اور پنڈت اکشانند جی
ملتان بلائے گئے - پنڈت اکشانند سے اول انھوں نے پانی جی مہرشی کی بنائی
ہوئی اشٹادھیائی شروع کی - بھگت ریملداس جو اس سبق میں ان کے ہم سبق
تھے - کہتے ہیں کہ استاد اس قابل نہ تھا کہ اس لایق شاگرد کو خاطر خواہ اس کے
اطمینان کے موافق تعلیم دے سکتا - اور اس پیاس کو جو اس عجیب و غریب
آدمی کے سینہ میں بھڑک رہی تھی تسکین دیتا - چنانچہ پنڈت جی پنڈت کو چھوڑ کر
خود اپنی تعلیم آپ کرنے لگے - پنڈت اکشانند سے انھوں نے صرف ڈیڑھ ادھیائے
قریباً ڈیڑھ ماہ میں پڑھا - یہ معلوم نہیں کہ باقی حصہ انھوں نے کس سے پڑھا - مگر

تمام کتاب اسوقت ان کو خوب یاد تھی جبکہ وہ انٹرنس پاس کر کے کالج میں داخل ہوئے۔ ملتان آریہ سماج میں سے لالہ چیتنیا نند و بھگت رمل داس اُن کے دوست سچے آریہ و سجن پرش تھے۔ پنڈت جی اکثر اپنے دوستوں سے ایشور وشے پر مباحثہ کیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ستیارتھ پرکاش کے مطالعہ و سنسکرت تعلیم کی بدولت آخر کار سچ کا پرکاش ان کے ہردیہ میں ہوا۔ وہ دھرم ویر جس نے اپنی زندگی اور تن من دھن کو حتےاکہ اپنے سر کو آریہ سماج کے لیئے فدا کیا۔ ۲۰ جون ۱۸۸۰ء کو درخواست ممبری سماج ہاتھ میں لیکر سکرٹری سماج کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ انکا نام ممبران سماج کے رجسٹر میں درج کیا جاوے۔

وہ دن بھی کیا مبارک تھا کہ جس میں ایک ایسا شخص سماج میں داخل ہوا جس نے اپنی ساری زندگی آریہ سماج کے لیئے وقف کر دی۔ ان دنوں میں بھی پنڈت جی کو ورزش وغیرہ کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ مدرسے سے جب بارہ بجے گھر کو جاتے تو سیدھے اور قریب کا راستہ جو آبادی کے اندر سے تھا چھوڑ کر وہ شہر کے گرداگرد سے چکر کرتے ہوئے اپنے گھر کو جاتے اور گرما کے موسم میں ملتان جیسے شہر میں کہ جہاں کی دھوپ غیرقابل برداشت ہے وہ ننگے پاؤں پھرا کرتے۔ کرکٹ و دیگر جسمانی ورزشوں سے کبھی نہ رُکے۔ اور اکثر طالبعلموں کے ساتھ شامل ہو کر دوڑا کرتے جس میں اکثر اور عموماً آگے نکلجانے کی عزت انکے ہاتھ رہتی۔ ایسے اوصاف کیساتھ وہ سچائی اور راستبازی اور نیک طبیعت ہونے میں مشہور تھے۔ چنانچہ انہیں دنوں انکی جماعت میں ایک تنازعہ ہو گیا جس میں پنڈت گورو دت و بھگت رسیلداس کے برخلاف تمام جماعت کے طلبا متفق الکلمہ تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کا فیصلہ پنڈت جی و بھگت کی شہادت پر مبنی تھا۔ مگر اس کا اپیل انسپکٹر سکول کے پاس ہوا۔ اور انسپکٹر نے بعد تحقیقات

اس شہادت کو صادق اور مکمل پاکر اس فیصلہ کو بحال رکھا۔ اسی عرصہ میں ایک سنیاسی سادہو ملتان میں وارد ہوئے۔ جن کی عمر ایک سو بیس سال کی بیان کیجاتی تھی۔ اور وہ قبل ازیں بارہا ملتان میں آچکے تھے۔ ایک شخص جس نے ان کو خود دیکھا ہے لکھتا ہے کہ اس کے کسی حصہ بدن پر سفید بال نہ تھا۔ اور ظاہر نظر میں بیس تیس سال کے درمیان دکھائی دیتے تھے اور حالانکہ وہ فقط چند لقمہ غذا کھایا کرتے تھے۔ مگر تسپر بھی جوان معلوم ہوتے تھے۔ وہ مہاتما شہر کی ایک دہرم سالہ میں آنکر ٹھیرے۔ پنڈت جی کے چچا لالہ نبین کول جی جو اس سادہو کے ساتھ چھ برس جنگل میں رہے تھے۔ پنڈت جی کو اس سنیاسی کے پاس لے گئے۔ کیونکہ یہ مشہور ہوچکا تھا کہ پنڈت جی تصوف کے بڑے شوقین ہیں۔ پنڈت جی نے مہاتما کو نمسکار کیا۔ اور اس نے جواب میں ان کو دعا خیر دی۔ پھر پنڈت جی اور مہاتما میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

گورودت - مہاراج یوگ سیکھنے کا عمدہ طریق کونسا ہے۔ کیا وہ پتنجلی مہاراج نے اپنے یوگ سوتر میں تحریر فرمایا ہے یا کوئی اور اس سے بھی عمدہ اور آسان طریقہ ہے؟"

سنیاسی "بیشک سب سے عمدہ طریق وہی ہے باقی سب لغو اور خراب ہیں"

گورودت "آپ سوامی دیانند سے واقفیت رکھتے ہیں یا نہیں؟"

سنیاسی "ہاں ہم جنگلوں میں بہت دنوں تک اکٹھا گھوم لئے ہیں۔ اور ایک دفعہ ہم دونوں کو ایک بھاگوت باچنے والے پنڈت کے پاس بہت دنوں تک جانیکا اتفاق پڑا۔ سوامی دیانند اس کی باتوں سے کرودہ مان ہوجایا کرتے تھے۔ تو میں یہ کہہ کر ان کو ٹھنڈا کیا کرتا تھا کہ سنیاسی کو کرودہ نہ کرنا چاہئے"۔

گورودت "کیا وید تمام ودیاؤں کا مخزن ہیں؟"

سنیاسی :- ہاں بیشک "۔

گورودت :- کیا جنگی قواعد کے اصول بھی ویدوں میں ہیں "۔

سنیاسی :- ہاں ہیں۔ قواعد کے اصول میں خود بھی جانتا ہوں۔ اگر چند آدمی میرے ہمراہ جنگل کو چلیں تو مہابھارت اور رامائن کے زمانہ کے قواعد کو میں سکھلا سکتا ہوں "۔

گورودت :- آپ کہاں کہاں تک گھومے ہیں "۔

سنیاسی :- اکثر مقامات دنیا کی سیر کی ہے۔ ابلاسکا۔ بیرنگ بھی دیکھی ہیں۔ ابلاسکا کو سنسکرت میں الاورت ورش کہتے ہیں "۔

گورودت :- کیا آپ ان مختلف ممالک کی زبانوں کو جانتے ہیں۔ اگر جانتے ہیں تو روسی زبان سنائیے "۔

سنیاسی :- ہاں جانتا ہوں۔ مگر میرے اس زبان میں گفتگو کرنے سے آپ لوگوں کو کچھ مزہ نہ آئیگا۔ اور نہ کچھ فائدہ ہوگا۔ جب تک آپ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ہاں اتنا جان لو کہ اس زبان میں وینجن حروف بہت ہیں "۔

اس کے بعد چند منٹ تک خاموشی رہی۔

پھر پنڈت نے پوچھا کیا مجھکو کوئی نسخہ تیزی ذہن کے لئے بھی بتا سکتے ہیں۔ اس پر سنیاسی جی نے ایک نسخہ پنڈت جی کو لکھ دیا جس کے بہت سے اجزا وہی ہیں جو سوامی جی نے سنسکار ودھی میں لکھے ہیں۔ یعنی شنکھ پسپی وسوتھ دشتاوری وبرہمی وغیرہ +

پنڈت گورودت جی کی شاندار کالج لائف

(سنہ ۱۸۸۱ء سے سنہ ۱۸۸۳ء تک)

جنوری سنہ ۱۸۸۱ء کو پنڈت گورودت لاہور گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئے۔ جیسے کہ ذکر ہوا۔ نومبر سنہ ۱۸۸۰ء کو امتحان داخلہ پنجاب یونیورسٹی میں نمبر پنجم پر پاس ہوئے۔ کالج میں داخل ہوکر ان کو اپنے پروفیسروں کے دلوں میں ایک عمدہ اثر بٹھانے اور اپنے لئے جگہ پیدا کرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ ان کے داخل ہونے کے چند دنوں بعد طالب علموں اور پروفیسروں کو معلوم ہو گیا۔ کہ کالج میں ایک ایسا شخص آیا ہے جسکی آتما معمولی آتماؤں سے بڑھکر ہے۔ چنانچہ ان تمام خوبیوں کے لیے جو شریف و لائق طالب علموں میں ہونی چاہئیں وہ ایک نمونہ بن گئے۔ ان کی آتما کی پوترتا اور خیالات کی بلند پردازی اور وسیع واقفیت اور اپنے خیالات کو نہایت فصاحت سے فاضلانہ اور صاف صاف طرز و طریق سے بیان کرنے اور جادو اثر تقریر سے سامع کے دل پر اثر پیدا کرنیکے اوصاف نے بلکہ پنڈت گورودت کو کالج کی بڑی جماعتوں میں اور ان طالبعلموں میں جن کو کہ اسوقت سے اُنکی دوستی کا فخر حاصل ہے مشہور کر دیا۔ مولف لائف ہذا بھی ان کے نیازمندوں میں سے ایک ہے۔ مفصلہ ذیل صاحبان اُنکے محبان خاص ہیں:-

لالہ ہنسراج بی۔ اے یہ وہ مبارک آتما ہیں جنھوں نے مثل پنڈت گورودت

کے اپنا سروسیہ یعنی اپنی زندگی آریہ سماج کو ارپن کر دی۔ دیوان نرندر ناتھ ایم۔ اے
اسسٹنٹ کمشنر[1] و لالہ شیو ناتھ بی۔ اے۔ اسسٹنٹ انجنیر و لالہ بھگت رام
بی۔ اے منصف و لالہ چنیا نند بی۔ اے وکیل و لالہ روچی رام ایم۔ اے
پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

شروع کالج لائف میں پنڈت جی اپنے دوستوں ہم جماعتوں و دیگر اشخاص
کے ساتھ عموماً خدا کی ہستی و تناسخ و الہام وغیرہ پر مباحثہ کیا کرتے تھے۔ ان کے
مباحثہ کا ڈھنگ ہی عجیب اور نرالے قسم کا تھا۔ یعنی اگرچہ وہ آریہ سماج کے ممبر
تھے۔ لیکن تاہم ہمیشہ منفی پارٹ کو لیکر مباحثہ کیا کرتے تھے۔ اور اپنے مخالفین
سے درخواست کرتے کہ وہ اثبات دعوے کے دلائل پیش کریں۔ جب ان کی
طرف سے کوئی دلیل پیش کیجاتی تو وہ اس کو کاٹ کر ان کے اعتقاد کی بنیاد
کو ہلا کر کمزور کر دیا کرتے۔ ان مباحثات سے بعض لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ دہریہ یا ناستک
ہیں اور یہ یقین انکا کسی حد تک صحیح اور معقول بھی تھا۔ کیونکہ بریڈلا۔ جان سٹوارٹ
مل۔ ڈاروِن و ہیوم وغیرہ صاحبان کی تصنیفات ان کی دلپسند کتب مطالعہ میں
سے تھیں۔ اور اس مسئلہ کو کہ کانشنس مذہبی و دنیوی امور میں انسان کی رہنمائی
کے لئے کافی ہے۔ یا آنکہ وہ انسان کا ہادی و رہنما ہے۔ وہ شروع میں تمیز و
رشد سے سخت نفرت کرتے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور جو دلائل کہ اس
مسئلہ کی تردید میں دیا کرتے وہ نہایت برجستہ اور صاف صاف ہوتی تھیں۔

---

[1] آجکل دیوان صاحب ڈپٹی کمشنر ملتان ہیں۔ یہ تمام اصحاب ان دنوں انہی عہدوں
پر تھے جب پہلی دفعہ یہ کتاب شائع ہوئی +

حتیٰ کہ معترض کو دوبارہ اعتراض کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ ان دلائل کا طریق استدلال مشہور پروفیسر
بین کے طریق پر ہوتا تھا۔ مسئلہ مذکورہ بالا پر ایک مضمون پنڈت صاحب کا آریہ
میگزین مطبوعہ اگست ۱۸۸۴ء میں چھپا تھا۔ بینتھم صاحب کی تصنیفات کے مطالعہ
سے جو قدر و منزلت اس مصنف کی ان کے دل میں تھی اگرچہ وہ بعد کو کسیقدر کم ہو گئی
تھی۔ تاہم یہ معلوم نہیں ہوا کہ کبھی انھوں نے بینتھم صاحب کی شکر گزاری و
عزت کے خیال کے سوا کسی اور قسم کے خیالات انکی نسبت اپنے دل میں رکھے
ہوں۔ انکو اس امر کا پورا الیقین تھا کہ بینتھم صاحب دنیا میں اخلاقی مضامین پر
بحث کرنیوالے فاضلوں سے ایک مستند فاضل ہے۔ اور اسکی کتابیں ہر اس
شخص کے لیئے جو اخلاقی تعلیم کا طالب ہو مطالعہ کے لایق ہیں۔ خواہ وہ ہندو
ہو یا مسلمان یا عیسائی ہو یا بدھ۔

انکی اخیر زندگی میں جبکہ انھوں نے قدیم آریہ فاضلوں کی تصانیف کو بغور
فکر مطالعہ کیا اور اس پوشیدہ علمی خزانہ کے مطالعہ نے ان کے دل و دماغ کو روشنی
دی۔ تو ان کو بینتھم وغیرہ کے تمام اخلاقی و روحانی مباحثات مدھم نظر آنے لگے۔
جان سٹوارٹ مل کی قدر و منزلت بھی انکی نظروں میں کچھ کم نہ تھی۔ جو کتاب صاحب
موصوف کی تصنیف سے انکو مل سکی وہ انھوں نے بغیر پڑھے اور بغور پڑھے بدون
نہ چھوڑی۔ اور انکی خود تحریر کردہ سوانح عمری کو کئی دفعہ مطالعہ کیا۔ اور اس کتاب
کی ایسی قدر کرتے تھے کہ اپنے ہر ایک دوست کو اس کے مطالعہ کی تاکید فرماتے
درحقیقت یہ کتاب ہی اس لایق ہے کہ ہر تعلیم یافتہ اس کا مطالعہ کرے۔ بہت سی
آتماؤں کو اس کتاب سے ایک عمدہ لذیذ روحانی غذا مل سکتی ہے۔
پنڈت جی نے تمام انگریز فلاسفروں کی کتب جو انگریزی زبان میں اس

ملک میں مل سکتی ہیں۔ وہ سکنڈری کلاس کے اختتام سے پہلے ختم کر لی تھیں اور اسبات سے ناظرین کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ صرف اسی شاخ علم کی طرف لگے رہتے۔ بلکہ برخلاف اس کے اور مختلف علوم کے مطالعہ سے بھی غافل نہ تھے۔ علم طبعی کی کتب وہ ایسے شوق و رغبت سے دیکھتے کہ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں کہ وہ انکو اسطرح کھاجاتے تھے جیسے کوئی بھوکا آدمی کھانا چٹ کر جاتا ہے۔ مؤلف نے باوجود اس حالت کے بارہا ان کو گرامر حفظ کرتے دیکھا۔ ان کے ایک معزز دوست جو اسوقت گورنمنٹ کے ایک معزز عہدہ دار ہیں لکھتے ہیں کہ وہ ریاضی وطبعیات وغیرہ علوم میں ایسی ہی مہارت تامہ رکھتے تھے جیسی کہ فلاسفی اور زباندانی اور سائنس میں۔ باوجود اس کے کہ وہ کالج کے سبق کو کبھی باقاعدہ نہ پڑھتے تھے تاہم کسی امتحان میں فیل نہیں ہوئے۔ یہ بات بھی اس امر کے ثبوت میں کافی شہادت ہے کہ ان کو ہرقسم کے مضمون میں ایک ملکہ ہو گیا تھا۔ اور کالج کے پروفیسر اس امر سے بخوبی واقف تھے چنانچہ اگر کبھی پنڈت جی جماعت میں اپنے روزمرہ کے سبق کی توجہ سے نہ سنتے۔ تو پروفیسر ان کو کوئی سرزنش یا تنبیہ نہ کرتے تھے۔ فزیکل سائنس یا علوم طبعی کا ان کو خاص مذاق تھا۔ اور اس علم کو بہت شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ اور اسیوجہ سے پروفیسر ان سے محبت پدرانہ رکھتے تھے۔ امتحان کے پاس کرنے کے لئے ان کو کتب مقررہ میں سے صرف ایک دفعہ نظر گزر جانیکی ضرورت ہوتی تھی۔ مولف دو سال تک ان کا ہم جماعت رہا۔ یعنی جنوری ۱۸۸۱ء سے دسمبر ۱۸۸۲ء تک۔

پنجاب یونیورسٹی کے امتحان انٹرمیڈیٹ ۱۸۸۳ء میں پنڈت جی کامیاب طلبا کی فہرست میں نمبر اول پر رہے۔ اور انکی اس کامیابی نے بہت سے آدمیوں

کو جو انکی اصلی ذہانت وغیرہ سے واقف نہ تھے حیران و متعجب کر دیا۔ بلکہ بعض آدمی
یہ سنکر کہ گورودت جس کو انھوں نے کسی سوسائٹی کے جلسہ میں کبھی غیر حاضر
نہ پایا تھا۔ اور جس کی نسبت ہمیشہ یہ سنا کرتے تھے۔ کہ وہ کالج سے خارج وقت
پر کبھی کتب درسیہ کو نہیں دیکھتا۔ امتحان ایف اے میں اوّل نمبر رہا ششدر رہ گئے

پنڈت جی کے ہاتھوں فری ڈیبٹنگ کلب کی بنیاد

سال ۱۸۸۱ء کے اخیر یا ۱۸۸۲ء کے شروع میں انھوں نے ایک سوسائٹی
بنام فری ڈیبیٹنگ کلب قایم کی جس کے وہ خود ہی سکرٹری بنے۔ وہ تمام
اصحاب جن کے نام نامی اوپر مذکور ہو چکے مع چند دیگر صاحبان کے جن میں پنڈت
کامیشور ناتھ و لالہ سدانند و پنڈت ہری کشن اور ان کے چھوٹے بھائی وغیرہ شامل
تھے ممبران کلب مذکور تھے۔ اس کلب میں مختلف مذاہب کے لوگ یعنی آریہ۔ برہمو
ہندو و ناستک وغیرہ شامل تھے۔ مگر کوئی مضمون خواہ وہ مذہبی ہو یا اخلاقی۔ سوشل
ہو یا پولٹیکل اس کلب کے احاطہ سے باہر نہیں رہا۔ اگرچہ یہ کلب ایک قلیل عرصہ یعنی
صرف دو یا تین سال تک قایم رہا۔ لیکن کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اس نے
اپنے ممبروں اور نیز عام لوگوں کو جو فائدہ پہنچایا وہ بہت بڑا اپکار تھا۔ سب سے
بڑی بات جو اس کلب نے تمام لوگوں خصوص ممبران کلب کو سکھلائی وہ یہ تھی۔
کہ وہ لوگ بلا کسی تعصب کے ہر مذہب کے اصولوں پر تحمل اور آزادی سے
مباحثہ کرتے تھے۔ اس کلب کے ممبروں میں سے دو جو عموماً ۲۰ برس سے کم عمر کے

نوجوان تھے) ہر ایک ممبر کے دل میں اپنے اپنے قواء عقلی و ذہنی کو ترقی دینے کی خواہش
بڑے زور سے پائی جاتی تھی۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس اتفاق سے وہ اپنے بوڑھے
آریہ ورت کو سہارا دینے کے قابل بن سکیں گے۔ وہ دیانت داری سے متلاشی
حق تھے اور بلا تعصب یہ ارادہ کرتے تھے کہ جو معقول اور سچی بات ان کو معلوم
ہو گی وہ اسکو بلا پس و پیش گرہن کر لیا کرینگے۔ اگرچہ اس کلب سے جو فائدہ
سامعین کو اس وقت پہنچا وہ اس کو اسوقت نمایاں طور پر محسوس نہ کر سکے مگر
جب انکی زندگی کا آفتاب اوج نصف النہار سے نزول کیطرف مائل ہوگا۔
اور جب انکی رایوں و فکروں میں سنجیدگی کا اثر نمایاں ہوگا۔ اور جب ان کے
جذبات جوانی اپنے چڑھاؤ کے زور کو کھو کر شانتی کی طرف مائل ہونگے۔ اور دنیا
کے نشیب و فراز کا بہت سا تجربہ ان کے روشن ضمیروں میں اکٹھا ہوگا۔ اور
ان کے دل اس کلب کے رنگ ڈھنگ۔ طور و طریق کا عکس اپنے میں منعکس
پائیں گے۔ تو وہ معلوم کریں گے کہ وہ فلسفانہ و عالمانہ تقریریں اور مضامین و
مباحثات جو انھوں نے کلب کے جلسوں میں اپنی شروع جوانی میں سنے سنائے
تھے وہ کس پایہ کے تھے۔ اور اس باہمی مباحثہ و میل و ملاپ یعنی فائدہ و استفادہ
نے کیا اثر ان پر کیا۔ اور ان کو کیا فائدہ پہنچایا۔ اور واضح ہو جائیگا کہ انھوں نے اپنے
اس بیش بہا وقت کو مثل اور نوجوان گمراہ طلبا کے جو ایسے انمول وقت کو رائگاں
کھوتے ہیں مفت نہیں کھویا۔ اور ان کو اس وقت کے اس طرح صرف ہونے کا
جو کہ اکثر نوجوان برے کاموں میں لگاتے ہیں افسوس نہ ہوگا۔

۱۸۷۶ء تک پنڈت جی نے خدا کی ہستی وغیرہ مضامین کی بحث میں جب کبھی کسی
سے مباحثہ کیا تو نفی کیطرف کو لیکر کیا۔ مگر ۱۸۸۲ء کے اخیر میں اس پوتر آتما نے

اپنے تئیں ہنبت والے پہلو میں قائم کیا۔ اور پھر اپنے ملنے والوں کے دلوں میں نقش
کالحجر کر دیا۔ یہی پہلا شخص تھا کہ جس نے اپنے ہمعصر طالب علموں کو جو علم سائنس کے
پڑھنے سے ناستک پن کی طرف چلے جا رہے تھے دہریہ پنے سے بچایا۔ اور انہیں
ثابت کر دیا کہ سائنس بجائے اس کے کہ انسان کو منکر صانع مطلق بنائے اس پرماتما
کی قدرت و ہستی کے ثبوت کے لئے ایک عمدہ اور سب سے اچھا وسیلہ ہے۔

علم سائنس کے وسیع خزانہ سے واقف ہونا اور نیچر کے عام قانون کو ملاحظہ
کرنے کی شکتی رکھنا اور نباتات و حیوانات وغیرہ کی زندگی کے اصولوں اور قوائے
جسمانی و روحانی کی معمولی اور قدرتی طاقتوں سے واقفیت حاصل کرنا
گویا پرماتما کی مہا شکتیوں اور مہما کا انو بھو کرنا ہے۔ انھوں نے رفتہ رفتہ شانتی
پوروک اور باقاعدہ طور پر نتیجہ کرا دیا کہ وہ پرماتما جس نے اس تمام نیچر کو رچا
ہے اور جس نے سرشٹی کو اتپن کیا ہے اور جس کی قدرت کے سہارے یہ تمام
گورکھ دھندا اس خوش اسلوبی سے چل رہا ہے کہ جس سے بہتر کسی کی سمجھ میں
بھی نہیں آسکتا وہ پرماتما ہمارے پوجنے کے یوگ ہے۔

پنڈت جی نے اپنے ہم جلیسوں کے خیالات فاسد و غلط رایوں کو ایسے فاضلانہ طریق
سے کہ جس سے کسی کے ضمیر کو صدمہ نہ پہنچے بدلا۔ اور تھوڑے دنوں میں ان کو یقین
ہو گیا کہ وہ ایشور جس کی تعظیم و صفات کا ذکر آریہ سماج کے پوتر اصولوں میں سے دوسرے
نیم میں درج ہے ہمارا سچا مالک اور اس سرشٹی کا کرتا ہے۔

ناظرین اس تبدیلی اعتقاد یا خیال کو غور فرما دیں کہ وہ مبارک آتما وہ جگدیشور کا
سچا بھگت اپنی علمیت اور لیاقت کے زور اور فصاحت اور جادو بھری تقریر کے بل سے
ہم لوگوں کو جو برہمو یا عیسائی یا اسلامی مذہب کے موافق اس عالم مطلق کو نیستی سے ہستی

کرنیوالا خیال کئے ہوئے تھے دین حقیقی کے اس سچے اور لاثانی اصول یعنی انادی محیط
کل جگدیشور و انادی جیو آتما کے اعتقاد و یقین و شواشش پر لے آیا۔ اور اس نے
ہمکو نشچے کرادیا۔ کہ آرین مذہب (ویدک دھرم) ایک ایسا سچا مذہب ہے کہ جو
عقل و سائنس و قوانین نیچریہ کے مقابل جب کہ اور تمام مذاہب اپنے بودہ
پنے سے واہیات ہو کر بگولے کیطرح اڑ جاتے ہیں ثابت و قایم رہ کر اپنی حقیقت اور
صداقت کو ظاہر کر سکتا ہے۔ اور یہی ایک مذہب ہے کہ جسکی منادی کرنیوالے
کے جھنڈے کے نیچے ان طالب علمان علم سائنس کو جو تمام غیر مذاہب یا انسانی
مذہب کے مصنوعی پودوں کو قانون نیچر کے خلاف ثابت ہونیکی وجہ سے اکھاڑ
پھینکیں گے پناہ ملیگی۔ اور وہ اوم کے سایہ دار درخت کے نیچے ایشور پریم اور
ایشور بھگتی اور گیان کا پھل یعنی موکش پد کو پان کرینگے۔

اس کتاب کا مؤلف بھی منجملہ ان لوگوں کے ایک ہے جو اس عجیب وغریب
طریق سے موثر ہو کر بہ تبدیل خیالات سابقہ آریہ سماج کے سچے مشن میں داخل
ہوا۔ اور اس بات کے ظاہر کرنے میں مجھے فخر ہے کہ شاید میں ہی ایک پہلا شخص
تھا جس کو پنڈت گورودت کی تقریروں و مباحثات نے آریہ سماج کے اصولوں
کو اس کے ہردے میں دڑھ نشچے کرایا۔ بیشک پنڈت جی کے مباحثہ کا طریق
ایسا عمدہ تھا کہ اس سے متلاشی حق کی نظر میں غیر مذاہب یعنی جھوٹے مذاہب
کے اصول و قواعد محض لچر اور ان کے دلائل بالکل کمزور نشچے ہو کر اس کو مجبور کرتا تھا
کہ وہ اس سچے اور مبارک اور دنیا کو سچی اخلاقی اور مذہبی عظمت دوبارہ بخشنے والے
مشن یعنی آریہ سماج میں داخل ہو۔ چنانچہ ۲۔ دسمبر سنہ ۸۲ء کو لاہور کے آریہ سماج
کے سالانہ جلسہ پر مؤلف بھی بدرخواست ممبری داخل کر کے سچے اعتقاد کے پیروں

کی فہرست میں شامل ہوا اس خاکسار احقر خادم قوم اور ملک کی زندگی میں وہ مبارک
دن کہ جسدن آریہ سماج لاہور کا ممبر بنا ایک یادگار دن رہے گا۔ اور امید ہے کہ
ہمیشہ شکرگذاری اور عزت سے یاد کئے جانیکے لایق سمجھا جائیگا۔

میں اُسدن محض عام لوگوں کی طرح آریہ مندر میں گھسا تھا۔ اور مجھکو مطلق یہ خیال نہ
تھا کہ مرحوم لالہ سائیں داس کا جادو مجھپر ایسا اثر کریگا کہ میں آج ہی ان مبارک
آتماؤں کی منڈلی میں شامل ہوں گا۔ جو دیش کے لیے سچی ترقی دینے والی ہو
اور محبان قوم و ملک میں پنڈت گورودت کے مباحثات و تقریرات سے
جو شعلہ میرے دل میں پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اس مرحوم بزرگ کی دھرم شکتی سے
ایک دفعہ ہی ایسا بھڑکا کہ اس کا بیٹھنا تو درکار بلکہ جیسا میں جانتا ہوں اور دیکھتا
و پہچانتا ہوں اور انوبھو کرتا ہوں یہ شعلہ دن بدن زیادہ روشن اور زیادہ طاقت
پکڑ کر بھڑکتا ہی چلا گیا۔ میں نہایت شکر گزاری کے ساتھ اس امر کے اظہار سے
رُک نہیں سکتا۔ کہ اس شعلۂ شوق کو روشن ہونے کا سامان تو پنڈت گورودت
کی مبارک آتما سے ملا تھا۔ مگر بھڑکانے والا جھونکا لالہ سائیں داس کی
جادو بھری تقریر کی پھونکنی سے پہنچا۔ ناظرین مجھے معاف کریں گے کہ میں نے
آپ کا کچھ وقت اپنی اس کہانی میں صرف کر دیا۔ لیکن میں اگر ایسا نہ کرتا۔ تو
جو احسان کہ اس باب میں مرحوم پنڈت کا مجھپر تھا اس کا شکریہ ادا نہ
کرنیکا مجرم ہوتا۔ کیونکہ مجھکو اس کا فخر حاصل ہے۔ کہ میں آریہ سماج کے سچے
مشن میں انھیں کی برکت انفاس سے داخل ہوا تھا۔ اور وہ دن اسواسطے
بھی لایق یادگار رہے گا۔ کہ اس روز پنڈت گورودت کی گمبھیرتا سنجیدگی اور اوچیہ بھاؤ
کا اظہار ہوا۔ یعنی لالہ مدن سنگھ بی۔ اے نے اپنا لکچر آریہ سماج کی اصلیت

اور اس کی آیندہ حالت پر ختم کیا۔ تو مولف اور پنڈت سے کہا گیا کہ دونوں میں سے ایک لیکچرار کی جگہ آوے۔ چنانچہ میں پلیٹ فارم پر جا کھڑا ہوا اور میں نے بڑے زور شور سے پر جوش الفاظ میں جو تقریر کی وہ ایسی تھی کہ اس پر مجھکو بہت سے چیرز ملے۔ یہانتک کہ میں چیرز کی کثرت سے اپنے آپ میں پھولا نہ سمایا۔ لیکن اب مجھکو ثابت ہو گیا کہ میرے جیسے ناتجربہ کار و نو آموز طلبہ کو ایسا کرنا صرف نامناسب ہی نہیں بلکہ اپنی آیندہ ترقی کے واسطے ایک سدراہ پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ اسباب سے کسی قسم کی خود پسندی و خود رائی طالب علموں کی طبعیت میں پیدا ہو کر ان کو آیندہ استفادہ اٹھانے سے روکتی ہے۔ علاوہ ازیں انکا بہت وقت ایک ایسے کام میں صرف ہوتا ہے جو ابھی ان کے مناسب حال نہیں ہوتا۔

اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ میں نوجوان طالب علموں کو قومی پرادیکاری سوسائٹیوں میں شامل ہوتے سے منع کرتا ہوں۔ بلکہ میں ان کو یہ جتلا دینا چاہتا ہوں کہ ان کو ان سوسائٹیوں کے کاموں میں ایسا حصہ لینا چاہئے جو انکی عمر اور تجربہ سے بڑھکر ہے۔ ایک نوجوان بے ریش زبردست لکچرار کے لئے ایک بڑے مجمع میں کہ جس مجمع میں اس سے بہت اعلیٰ درجہ کے صاحب علم و تجربہ کار لوگ موجود ہوں کھڑے ہو کر لکچراری کرنا خود اس کی شرم وحیا و مناسب عزت کو کھونا ہے بیشک اس کو اپنے ہم سبقوں کے جلسوں میں بولنے کی مشق کرنیکا موقع حاصل کرنا چاہئے۔ اور اگر کبھی کسی پبلک جلسہ میں اس کو بولنے کا اتفاق پڑے تو نہایت مودبانہ و عاجزانہ الفاظ میں اپنے مطلب کو مختصر ادا کر دینا چاہئے۔ اور ہمیشہ اعتراضات سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ کہ وہ اپنی غلطیوں کو تسلیم کر کے

آیندہ ان سے بچنے کا موقع حاصل کریں۔ اور احتیاط رکھنی چاہیے۔ کہ کوئی نا
مناسب لفظ اس کی زبان سے نہ نکلے۔ کہ جس سے پچھتانا یا شرمندہ ہونا
پڑے۔ آجکل عموماً نوجوان بیجا جوش میں بھر کر بیشتر اس کے کہ وہ قومی کام کے
کے لایق ہوں قومی جلسوں اور سوسائٹیوں میں شامل ہو کر موجب نقصان خود ہوتے
اور اس سوسائٹی کی بے وقری کا باعث بنتے ہیں۔ ملک کو ایسے نوآموز ناتجربہ کار
طلبہ کی اس قسم کی امداد سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بجائے اس کے نقصان
کا احتمال ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ تھوڑی لیاقت خوفناک چیز ہے
یا تو اس کو شروع کرنے سے پرہیز کرنا یا اس کو اچھی طرح سے نباہنا سیکھو۔

ہندوستان کو اپنی ترقی کے لئے پنڈت گورودت جیسے اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ
سائنٹیفک طلبہ کی ضرورت ہے۔ نیم تعلیم یافتہ۔ طلبا نے کبھی کسی قوم کو اٹھایا ہے
اور نہ کسی سوسائٹی کو بنایا ہے۔ پس ایسے لوگ آریہ قوم میں بھی جان ڈالنے کے
لایق نہیں ہو سکتے۔ موجودہ فرقہ پنڈتان اس مسئلہ کے لئے عمدہ شہادت ہے۔
پنڈت گورودت نے اس روز میری اس بیوقوفانہ حرکت کی پیروی سے انکار کیا۔
کیونکہ اس نے اپنے تئیں مثل مجھ بے سمجھ کے اس موقعہ کے لئے لایق نہ سمجھا۔
اور ثابت کر دیا کہ ایک اصلی لایق اور خود نما شخص میں اسطرح کا بین فرق ہوا کرتا ہے
اس کے چند روز بعد لالہ سالگ رام مالک آریہ پریس نے جس نے کچھ عرصہ تک آریہ
سماج کے لئے بہت کچھ جوش ظاہر کیا تھا۔ ہماری نوجوانی اور جوش سے فائدہ
اٹھانے کا خیال کیا۔ چنانچہ اس نے تجویز کی کہ میں دو اخباروں کا مہتمم
ہو جاؤں۔ جن میں سے ایک انگریزی اور دوسری اردو اخبار ہو۔ اور اس کی
کل لاگت وہ شخص ادا کرے گا۔ وقت مناسب پر یہ تجویز آریہ سماج پر ان دونوں

ہوجانیوالے (لالہ ہنسراج و پنڈت گورودت) اور لالہ شیوناتھ کے سامنے پیش ہوئی باہمی مشورہ کے بعد تجویز پاس ہوئی ؛ ایڈیٹری کا کام چاروں پر تقسیم کیا گیا۔ پرچوں کے نام میری تجویز سے "رجنیریٹر آف آریاورت" و "ویش اپکارک" رکھا گیا۔ اور یہ فیصلہ ہوا کہ اصل انتظام ان پرچوں کا لالہ ہنسراج جی کے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے مضامین اُس مقام سے جہاں میں بطور مختار عدالت کام کروں گا بھیجتا رہونگا۔ ہمارا خیال تھا کہ منافع کل آریہ سماج کا حق ہوگا۔ اور ہم لوگ بلا کسی اجرت کے کام کریں گے۔

اولاً سوائے ہمارے بعض احباب کے کسی اَور کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان نئے پرچوں کے ایڈیٹر کون شخص ہیں۔ لیکن بعدہٗ لالہ ہنسراج و پنڈت گورودت کا نام مشہور ہوگیا تھا اور انصاف کی بات یہ ہے کہ انگریزی کے اخبار کا کام زیادہ تر لالہ ہنسراج جی نے کیا۔ اس اخبار کے ذریعہ سے پبلک کو معلوم ہوگیا کہ ان شخصوں کی آتما کیسی آزاد آتما ہے۔

سنہ ۸۳ء میں گورودت نے آریہ سماج کے متعلق ایک سائنس کا سکول کھولنے کی تجویز کی۔ پروفیسر گورنمنٹ کالج مسٹر روسن صاحب اس معاملہ میں ان کے رہنما تھے۔ ایک اپیل چھاپا گیا۔ اور چندہ کی فہرست اس کام کے لئے کھولی گئی۔ اور کچھ روپیہ جمع بھی ہوا۔ اور کلاس کھولدی گئی۔ گورودت دوبار بھی نے بہت سے لیکچر سائنس پر اس کلاس کے طلبہ کو دئے۔

بعض لوگ جن میں ان کے چند معتمد دوست و آشنا بھی شامل ہیں خیال کرتے ہیں۔ کہ ان دنوں میں پنڈت گورودت ناستک تھے۔ اور اس بات کی کسی درجہ تک ان کی اس تحریر سے جو انھوں نے اپنی ڈائری میں ۱۲۔ جنوری

۱۸۸۲ء کو لکھی ہے تائید ہو سکتی ہے۔ وہ تحریر یہ ہے:۔ "لالہ کہتا ہے کہ ہم کو مشتہر کر دینا چاہئے کہ ہم استک ہیں"

ان کے اس زمانہ کے مذہبی خیال کی نسبت جو میرا خیال تھا وہ میں ظاہر کر چکا ہوں۔ اور پھر کہتا ہوں کہ درحقیقت وہ کبھی پورے ناستک نہیں تھے۔ ہاں بیشک وہ ان دنوں بعض اوقات ایشور کی ہستی پر فکر کرتے کرتے گھبراہٹ اور تذبذب میں ہو جاتے تھے۔ اور ایسی حالت میں ان کی طبیعت کو ناستک پنے کی طرف رجحان ہو جاتا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد وہ اس گمراہ کرنے والے خیال سے بالکل صاف و پاک ہو گئے۔

تھوڑے دنوں بعد مہتمم آریہ پریس کی اس گفتگو سے کہ وہ اخبارات مذکورہ بالا کا نفع آریہ سماج کو نہ دے گا۔ ہم سب نے ان اخبارات سے اپنا تعلق قطع کر لیا۔ مگر واضح رہے کہ ہم نے اخبارات کے چلانے اور نکالنے کے دنوں میں بھی ان پرچوں کو مفت لینا پسند نہ کیا تھا کیونکہ ہم کو خیال تھا کہ حسب وعدہ ان کا نفع سماج میں دیا جاوے گا۔ اور جب مالک مطبع نے اس امر سے انکار کیا اور ایڈیٹری کے معاوضہ میں ہم کو تنخواہ دینا پیش کیا۔ تو ہم نے منظور و پسند نہ کر کے جواب دیا کہ ہم محض آریہ سماج کی امداد کے لئے کام کو کر رہے تھے اور اب ہم کو اس کا کرنا کسی طرح منظور نہیں ہو سکتا۔

اس سال کے شروع میں پنڈت جی نے پنجاب کا امتحان انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ اور اس میں جیسا کہ میں بتلا چکا ہوں نمبر اول رہے۔ ان کی یہ کامیابی لوگوں کو ایک حیرانی کا موجب ہوئی۔ کیونکہ وہ کالج کے ہفتہ وار امتحانوں میں گھوٹنے والے طالبعلموں سے ہمیشہ کم نمبر پایا کرتے تھے۔ مگر امتحان یونیورسٹی

میں ثابت ہوگیا کہ ان کی ذہانت اور عقل گھوٹنے کی کارروائی سے بہت زیادہ ہے۔ وہ گھوٹنے سے نفرت کیا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ علوم کی ان شاخوں کو پسند کرتے تھے۔ کہ جن میں عقل و سمجھ و سوچ و وچار کا کام ہو۔ جیسے کہ ریاضی و فلاسفی و سائنس و لٹریچر وغیرہ۔

جس مبارک دن اور ساعت سعید میں دیانند انگلو ویدک کالج قایم کرنیکا خیال آریہ سماج کے حب الوطن و محب قوم ممبروں کی پوترآتماؤں میں اُدبین ہوا اسی سمے سے پنڈت گورودیت کو بھی اس کالج سے تعلق پیدا ہوا۔

پنڈت گورودت جی کو سوامی دیانند سرستی کے انتم درشن

اکتوبر ۱۸۸۳ء جبکہ سوامی جی مہاراج کی مہلک بیماری کی خبر وحشت اثر ہندوستان کے اطراف میں مشتہر ہوئی۔ تو آریہ سماج لاہور کی انترنگ سبھا نے پنڈت گورودت اور لالہ جیون داس وائیس پریسیڈنٹ کو سوامی جی کی خدمتگاری اور عیادت کے لیے منتخب کیا۔ پنڈت گورودت اسوقت کالج کی تھرڈ ایر کلاس میں تعلیم پاتے تھے۔ ان کا اس اہم اور نازک اور باعزت کام کے لیے منتخب کیا جانا اس امر کی شہادت دیتا ہے۔ کہ اسیوقت سے عہدہ داران لاہور سماج خصوصاً پریسیڈنٹ صاحب کی نظر میں پنڈت جی کی بڑی وقعت تھی اور وہ انکی لیاقت

اور عقلمندی پر معتدبہ بھروسہ اور وشواش رکھتے تھے۔

یہ مناسب انتخاب لالہ سائیں داس پریسیڈنٹ سماج کی مردم شناسی کا نمونہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے اس امر کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ لاہور سماج کے محتاط اور دور اندیش ممبروں کو پنڈت جی کی ذہانت پر کس قدر اعتماد اور بھروسہ تھا۔ عام آریہ لوگوں کو خیال ہے کہ لاہور آریہ سماج کی نظر میں کسی شخص کو وقعت ملنا ذرا مشکل کام ہے۔ اور یہ سماج بحیثیت مجموعی لوگوں کی عزت اور توقیر کے اظہار میں کسیقدر بخل سے کام کرتی ہے۔ (اگرچہ میں اس خیال سے بالکل متفق نہیں ہوں) لیکن پنڈت گورودت کی لیاقتوں پر یہ سماج اول سے ہی مفتوں ہو گئی تھی۔ اور وہ لوگ پنڈت جی کو سماج کے متعلق بڑے بڑے معاملات کے مشورہ میں ایک معزز جگہ دیتے تھے۔ خیر آمدم بر سر مطلب۔

پنڈت جی نے اس فرض کو جس پر وہ منتخب ہوئے تھے نہایت محنت سے ادا ہی نہیں کیا۔ بلکہ جس بھگتی اور پریم سے انھوں نے اس بزرگ مصلح قوم و ملک یعنی سوامی جی کے اس دارنا پائدار کے کوچ کرنے کے آخر دنوں میں خدمت اور سیوا کی اور جس محبت فرزندانہ اور توجہ دلی سے وہ ان کے ہر حکم کو بجا لاتے رہے وہ اوروں کے لئے تعجب اور وشواش کا موجب ہوا۔ اور اس خدمت گذاری اور اطاعت اور فرمانبرداری سے لوگوں کے دلوں کا ممدوح بنگیا۔ ہر شخص جو اس حال سے خبردار ہوا وہ عش عش کرتا رہگیا۔ سوامی جی کے دیہانت کے نظارہ نے پنڈت گورودت کو وہ گورودت بنا دیا جس کی ہر ایک اسوقت عزت کرتا ہے۔

پنڈت جی نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا کہ سوامی جی اس انت سمے میں

شانت چت ہے اُس سرب شکتیمان ایشور پر کہ جو اس خاکی پتلہ کا بنانیوالا اور اس فانی
سنسار کا رچنے والا اور پھر خود ہی اس کا نشٹ کرنیوالا ہے وشواش کامل سے گایتری
منتر کو اُچارن کر رہے تھے۔ اور اخیر میں شانتی۔ شانتی۔ شانتی پکارتے ہوئے
مثل اپنے دیا کھیانوں کے تیری شانتی کے اخیر پر اپنی حیات مستعار کا خاتمہ کر کے
معشوق حقیقی اور معبود برحق کے وصال کی دولت سے کامیاب ہوگئے۔

اس دردناک ماجرا اور حیرتناک واقعہ نے اسی وقت پنڈت گورودت کے رگ و
ریشہ میں جو پہلے بھی آریہ دھرم کی صداقت کے جادوانہ اثر سے خالی نہ تھا ایک
خاص حرکت پیدا کردی۔ انھوں نے اسبات کو انوبھو کر لیا۔ کہ دنیا میں ایشور کی
بھگتی اور سچا دھرم انسان کو اس آخری وقت میں جبکہ وہ دنیاوی پدارتھوں سے
خالی ہاتھ اپنے افعال کا نتیجہ سر پر اٹھائے ہوئے چلتا ہے کیا فائدہ دے
سکتے ہیں۔ اور نزع کی جان کنی کی حالت جو دنیا میں لپت اور اپنے فرض اور سچے
دھرم سے غافل انسان کو آخری وقت میں ہائے ہائے وشور دن ریا وغیرہ
باتوں پر مجبور کر کے ان کی حسرت بھرے دل کی آرزوؤں کے عکس سے انکے
چہرے کو تغیر کر دیتی ہے وہ اس مرد کامل و انسان مکمل کے حالات کو جس نے
کہ ایشور کو گیان درشٹی سے جانا۔ اور اس کی پاک صفات کو انوبھو کیا۔ اور
عملی طور پر ہمیشہ ایشر بھگتی اور پریم اور پرا اوپکار کو ہی اپنا مقصد دلی سمجھا شانتی اور
استقلال سے اور رضا اور تسلیم کے خوشنما راستے سے نہیں پھیر سکی۔

اس کے بعد کبھی کسیوقت کسی شخص کو معلوم نہیں ہوا کہ پنڈت گورودت
نے ایشور کی ہستی کے برخلاف یا ایشور بھیت ویدوں کے برخلاف کوئی لفظ کہا
ہو۔ یا کسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہو۔ اس کے بعد کبھی شک و شبہ کے

شیطان نے ان کو نہیں گھیرا۔ سوامی جی مہاراج کے سفر آخرت کے نظارے نے پنڈت گورودت کی زندگی پر عجیب اثر کیا۔ اور اس کی بدولت وہ کندن کی مثل خالص انسان ہوگیا۔ کہ جس کے قول وفعل وتحریر وتقریر کو آریہ سماج کا ہر ممبر نہایت عزت دتوقیر کی نگاہ سے دیکھتا سنتا اور پڑھتا ہے۔

سوامی جی کا ہمیشہ کے لئے اس زندگی سے قطع تعلق کرنا آریوں کے لئے اس امر کا ایک سگنل یا نعرہ تحریک تھا۔ کہ اے محبان قوم وبہی خواہان بنی نوع انسان اٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہاری آزمائش اور تمہارے امتحان اور تمہاری کوششوں و تمہاری دستگیری و امداد کا وقت آپہنچا۔

اور جیسا کہ اس سوامی روپی بزرگ منش ملاح نے اس آریہ ورت روپی جہاز کو تباہی اور ناکامی کے گہرے سمندر میں گھستے وقت کہا تھا۔ کہ اے آریہ بھدر پرشوں کی سنتانو! میں بحیثیت ایک ملاح کے اس برباد ہونیوالی ناؤ کو بچانے کے لئے اپنی جان قربان کرتا ہوں۔ تم بھی اٹھو اور خواب غفلت کو چھوڑو۔ اور اس آنیوالی خوفناک حالت کا مشاہدہ کرو۔ اور اس سے بچکر نکل جانے کے لئے ہر شخص اپنی اپنی ہمت کے بازو سے سہارا لگاؤ۔ اور اپنے تن من دہن کے چپوؤں سے اس گرداب میں پھنسی ہوئی بیڑی کو نکالنے کی کوشش کرو۔ امید ہے کہ ایشور پرماتما جو کسی کی کوشش کو نشپھل نہیں جانے دیتے اس کام میں تمہاری سہایتا کریں گے۔ اور جو کام کہ اصلاح کا ایشور کی کرپا سے تمہارے ملک اور قوم میں آریہ سماج کے نام سے شروع ہوگیا ہے۔ اس کو جاری رکھو۔ پس بوجوہات مرقومہ بالا ہر ایک آریہ کے دل میں یہ خیال اتپن ہوا۔ کہ اس موقعہ پر ایک انسٹیٹیوشن جاری کرنا چاہئے۔ کہ وہ سوامی جی کی یادگار ہونیکے سوا سنسکرت ودیا کے پرچار

کا بھی ذریعہ ہو۔ اس نیک تجویز نے کہ جس کے لیے جا بجا تحریک شروع ہو کر چندہ
کی فہرستیں بھی مرتب ہو رہی تھیں اسوقت تک کوئی محدود شکل اختیار نہ کی جب
تک کہ پنڈت گورودت و لالہ جیون داس جی صاحب اجمیر سے تشریف واپس
لائے۔ انکی تشریف آوری کے بعد ۸ نومبر ۱۸۸۳ء کو آریہ سماج لاہور کے مندر میں
ایک عام جلسہ ہو کر یہ قوم و ملک کی مفید تجویز پبلک کے سامنے باقاعدہ طور پر
پیش کی گئی۔ جس کو لوگوں نے بہت خوشی رضا و رغبت کیساتھ پسند و قبول کیا۔
ان اصحاب میں سے جو اس کار خیر کی ضرورت کو سامعین کے سامنے ظاہر کرنیکے
لیے کھڑے ہوئے تھے پنڈت گورودت بھی ایک سپیکر تھا جس نے علاوہ
اظہار ضرورت مذکورہ بالا سوامی جی کے آخر دنوں کے حالات بھی حاضرین جلسہ کے
سامنے بیان کیے۔ جن میں کہ وہ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک بیمار رہ کر نہایت
استقلال اور شانتی سے رہگرائے عالم بقا ہوئے تھے۔ اس جلسہ کی کارروائی
وغیرہ کے حالات مختصر طور پر ریجن ریڈر آف آریہ ورت" میں چھپے اور بعض دیگر اخبارات
میں بھی شایع ہوئے تھے۔

ان لوگوں کی فہرست میں جنھوں نے اس موقعہ پر دیانند کالج کے لیے
چندہ دیا پنڈت گورودت کا نام بھی درج تھا۔ جس کے مقابل صہ رقم چندہ
تحریر تھی جو انکا ایک ماہ کا پورا وظیفہ تھا۔

اس واقعہ کے بعد جہانتک مؤلف کی واقفیت ہے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ پنڈت
گورودت کبھی اپنے ادائے فرائض میں جن کو کہ وہ اپنے ذمہ سمجھتے تھے قاصر نہیں
رہے۔ یعنی وہ اپنے مقدور کے موافق ملک کی خدمت کرتے رہے۔ اکثر اوقات
سکرٹری سماج کیساتھ ہمنے انکو دیانند کالج کے متعلق اپیل وغیرہ مضامین کا مسودہ بناتے

ہوئے دیکھا - اور ان میں جو کالج کے لئے بھیک مانگنے جایا کرتے تھے ان کو شریک پایا - اپنی چھٹی یعنی کالج کی تعطیل کے دنوں میں وہ مختلف وخاص خاص مقامات کے سالانہ جلسوں پر تشریف لیجایا کرتے تھے - اور ان دنوں کو وہ اپنے خاص لطف اور تفریح کا زمانہ تصور کرتے تھے - جس سے انکو اور ان کے آریہ احباب کو جن کے ہاں وہ بطور مہمان براجمان ہوتے نہایت خوشی اور فرحت حاصل ہوتی تھی -

پنڈت گورودت جی کا سب سے پہلا انگریزی لیکچر

لاہور آریہ سماج کے ساتویں سالانہ جلسہ پر انھوں نے ایک انگریزی لکچر دیا جس کا گوڑھ مضمون بہت کم لوگ ہونگے جو سمجھے ہونگے - جنوری ۸۵ء کے آریہ میگزین میں جہاں کارروائی ودیگر حالات جلسہ مذکور چھپے ہیں پنڈت جی کے مضمون کی نسبت یہ ریمارک ہے :-

"پنڈت گورودت کے لیکچر میں اگرچہ استعارات والفاظ مشکلہ بہت تھے لیکن انگریزی داں لوگ اسکو سنکر بہت محظوظ ہوئے - اور ان کو وہ بڑا مفید اور عمدہ مضمون ثابت ہوا"

انکے وسیع مطالعہ اور ذہن خداداد کی صفائی اور خیال کی بلند پروازی نے ثابت کر دیا کہ وہ ریفارم کے مشکل مشن کے لئے تیار یا پیدا کیا گیا تھا - اور اس کے

وجود سے قوم و ملک کو فوائد عظیم کی توقع ہے۔

اس سال کے اختتام کے دنوں میں سے ایک دن کی ڈائری میں پنڈت جی بھگتی کی نسبت لکھتے ہیں کہ

"ایشر کا بھگت۔ دولت کی کیا پرواہ کر سکتا ہے۔ کاش کہ ہندوستان بھگتوں کا دیش ہو جائے"۔

اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں بھگتی کی نسبت کیا اُمنگ تھی اور اس کے بعد وہ ہمیشہ سچی اور بے غرضانہ بھگتی کا وعظ کرتے رہے۔

پنڈت جی بی۔اے کے امتحان میں اوّل نمبر رہے

۱۸۸۵ء کے شروع میں آپ گریجوایٹ بنے اور بی۔اے کے امتحان میں سب سے اوّل رہے ۱۸۸۴ء میں ان کی صحت اچھی نہیں رہی جیسا کہ انکی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے۔ اور سماجک کارروائیوں میں بھی ان کا بہت سا وقت صرف ہوا پھر بھی اس کامیابی سے کامیاب ہونا انکی ذہانت کا جس کا میں نے بارہا ذکر کیا۔ کیا کچھ کم ثبوت ہے۔ اس سال آریہ سماجوں میں دو مشکل حل طلب سوال مباحثہ طلب تھے۔ جن کا ذکر آئندہ آنیوالا ہے۔ ان سوالوں کے مباحثہ میں پنڈت جی نے بہت کچھ حصہ لیا۔ یہ دو سوال ایسے واقع ہوئے تھے کہ انھوں نے سماجوں میں اس قدر شور و غوغا مچایا۔ جن کو سنکر یہ خیال ہوتا تھا کہ سماجوں میں فریق بندی ہو جائے گی۔ اور یہ بات سماجوں کے لیئے نہایت خوفناک اور نقصاندہ ثابت ہوگی۔ اسوقت ہر ایک

خیر خواہ قوم کا دل ایک گہری الجھن بن کر اور تشویش میں مبتلا تھا۔ ان میں ایک سوال
تو دیانند کالج کی منتظم کمیٹی کے قواعد کی نسبت تھا۔ اور دوسرا آریہ سماجوں
کی پرتی ندھی سبھا کے قیام کی بابت تھا۔ کئی ماہ تک برابر لاہور انترنگ سبھا
میں یہ بحث در پیش اور زیر مباحثہ رہی۔ اور لاہور سماج کے لایق ممبروں اور منتظموں کو
اپنا بہت سا وقت اور دماغ اس میں صرف کرنا پڑا۔ کیونکہ دیانند کالج اور آریہ سماجوں
کی آیندہ بہبودی یا بربادی کا مدار انھیں دو سوالوں پر تھا۔

ظاہر ہے کہ جب تک کسی انسٹیٹیوشن کی بنیاد مضبوط اور مستقل حالت پر
نہ ہو وہ ترقی کیسے پا سکتا ہے۔ اور کیسے قایم رہ سکتا ہے۔ اس لئے یہ نتیجہ
کیا گیا تھا۔ کہ ان سوالوں کے ہر پہلو پر خوب سوچا اور بحث مباحثہ کیا جائے۔

دیانند کالج کی سوسائٹی کی ممبری کے قواعد کی نسبت یہ بحث و تنازعہ تھا کہ آیا
صرف ممبران آریہ سماج ہی اس کمیٹی کے ممبر ہوں یا اوروں کو بھی ممبر ہونیکا
استحقاق دیا جائے۔ اور پرتی ندھی سبھا کے قواعد کے متعلق زیادہ تر بحث طلب
یہ سوال تھا کہ ہر ایک آریہ سماج کس قدر تعداد کے پیچھے اپنی طرف سے ایک ممبر
منتخب کر سکتی ہے۔ اور اس انتخاب کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔ اور کن شرائط پر
مختلف آریہ سماجوں کو اپنے منتخب شدہ ممبروں کو اس سوسائٹی کے شمول کے
لئے بھیجنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ اور منتخب کرنیکا ادھیکار کن لوگوں کو ہونا
چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان سوالات پر کئی ماہ تک لاہور کے سماج مندر میں جلسے ہو کر مباحثے ہوتے
رہے۔ جن میں پنڈت گورودت نے بھی کچھ حصہ لیا۔ اس تنازعہ پر لاہور کی انترنگ آریہ
سبھا دو فریق پر منقسم ہو گئی۔ جن میں سے ایک کے لیڈر تو لالہ سائیں داس جی

مرحوم تھے اور دوسرے کے لیڈر ہمارے لایق بھائی لالہ لال چند جی صاحب
ایم۔ اے تھے۔ راتوں کو بڑی دیر تک انترنگ سبھا کی نشست ہوتی تھی۔
یہ مباحثات ایک خیر خواہ ملک و قوم کے لئے عجیب ہی خوش کرنیوالا نظارہ
ہوگا۔ اس کی طبیعت کس درجہ خوش اور بشاش ہوتی ہوگی۔ اور اس وقت
اس کے دل میں کن کن خوشی آمیز امیدوں کے پھل پھول کھلتے ہوں گے۔ جب
وہ دیکھتا ہوگا کہ اکثر امیر اور لایق آدمی دن بھر اپنے کاروبار سے تکان و
تکلیف کو اٹھا کر جاڑے کی ٹھنڈی راتوں میں آرام و آسایش کو تیاگ کر جبکہ
ان کے بھائی اپنے گھروں میں انگیٹھی سلگائے اور اپنی بیوی اور بچوں کو لئے
محبت بھری خواہشوں سے رات کو بسر کر رہے ہیں۔ مگر یہ لوگ ایسے آرام
کرنے کے سمے میں قوم و ملک کی بہتری کے لئے اپنے تن من دھن کو قربان
کر رہے ہیں جس میں انکا کوئی ذاتی فائدہ یا کوئی ذاتی مخفی غرض نہیں تھی۔
در حقیقت وہ بہت ہی مبارک سماں تھا جس میں ان محبان ملک و قوم کے روشن
چہرے اپنی اپنی قومی ترقی کے دلولوں اور جوشوں سے چمکتے تھے۔ اور ان کی
گردن کی رگیں جوش بھری تقریروں کے وقت جو محض پر اوپکار کے سانچے
میں ڈھلی ہوئی تھیں ہمدردی اور ترقی کے آنند و خیالات کے خون سے پھولی ہوئی
نظر آتی تھیں۔ وہ اپنے خیال میں ایسے غرق اور محو تھے کہ بلحاظ ہمدردی قوم
اس مخالفانہ بحث[1] میں باہمی رشتہ داریوں کا خیال کبھی نہیں گذرتا تھا۔ تاہم
تیار و مستعد تھے کہ جو ٹھیک اور درست قرار پائے اس کو اپنے سماج کے

[1] لالہ لال چند و سائیں داس جو مخالف پارٹیوں کے لیڈر تھے باہم سمبندھی تھے۔

چوتھے نیم کے انوسار فوراً قبول و اختیار کریں۔ چنانچہ آخر کار ہمارے مرحوم بزرگ پریسیڈنٹ
صاحب لالہ سائیں داس جی کی دانائی اور ہمارے مرحوم بھائی (پنڈت گورودت)
کی فاضلانہ فصاحت اور مخالف پارٹی کی اولوالعزمی بلند حوصلگی و دوراندیشی نے
ایک ایسی راہ نکالی جس پر دونوں فریق کا اتفاق ہوگیا۔ اور اسی پر دیانند ویدک
کالج کی بنیاد قایم ہوئی۔ اور قایم ہے۔ اور ایسے قواعد مرتب ہوئے جن پر ہر ایک
ایسی سوسائٹی فخر کرسکتی ہے۔ یعنی یہ قاعدہ قرار پایا کہ ہر وہ سماج جو ایک ہزار
روپیہ تک نقد چندہ کرکے ارسال کرے اس کو یہ حق حاصل ہوگا۔ کہ وہ اپنے سماج
سے ایک ممبر کو مینیجنگ کمیٹی کالج میں بھیج سکتا ہے۔ اور اس طرح سے جو ممبر منتخب
ہوں ان کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی ایسے شخص کو بھی سوسائٹی مذکورہ کا ممبر بنا سکیں
جو اگرچہ کسی آریہ سماج کا ممبر نہ ہو۔ مگر اپنی خاص علمی لیاقت کی وجہ سے سوسائٹی
مذکور میں ایک کارآمد وجود ہوسکتا ہو۔ مگر ایسے ممبروں کی تعداد کسی حال
میں کل ممبروں کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہوگی۔

پرتی ندہی سبھا کے قواعد کا مرتب کرنا ایک اس سے بھی سخت مشکل
مرحلہ تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اور صوبوں کی سماجوں کا بھی تعلق تھا۔ چنانچہ اس
معاملہ میں ایسا اختلاف ہوا کہ پنجاب کے آریہ سماجوں سے متجاوز ہوکر ممالک مغربی
شمالی کی سماجوں تک پہنچا اور اس کے قواعد پر ایک مدت تک مباحثہ ہوتا رہا۔
جس کا فیصلہ آخر کار ہمارے لایق و فاضل قانون دان لالہ مولراج صاحب ایم۔اے
وائیس پریسیڈنٹ پر اوپکارنی سبھا کے مجوزہ قواعد نے ختم کیا۔ اور وہ قواعد
باقاعدہ طور پر امرتسر سماج کے سالانہ جلسہ پر پنجاب کی اکثر سماجوں کی پرتی ندہیوں
کی موجودگی میں پاس ہوگئے۔ جن کے مطابق امن چین سے آجتک پرتی ندہی سبھا

اور مختلف سماجیں اپنا اپنا فرض ادا کر رہی ہیں۔ رائے صاحب کے قواعد میں جو کچھ تبدیلیاں کی گئیں تجربہ نے ثابت کر دیا کہ وہ مناسب حال نہ تھیں اور ان پر آئندہ جلسوں میں سماجوں کو غور کرنا پڑا۔

پنڈت گورودت نے ان بحثوں میں بہت بڑا حصہ لیا۔ چنانچہ ان کی ڈایری میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ "امرتسر سماج کا سالانہ جلسہ قریب آتا جاتا ہے۔ پرتی ندہی سبھا کے قیام و قواعد کا معاملہ اس میں مباحثہ کے لئے پیش ہوگا۔ دیکھئے عقل و دانائی و علم و فضیلت غلبہ پاتی ہے یا کہ تعداد دولت"

میں امرتسر سماج میں ایک وکیل کے طور پر بھیجا جاتا ہوں اور وہ سکیم وہاں پیش ہوگی۔ مجھکو فوراً اصلی اور سچا کام کرنے کے لئے مستعد اور تیار رہنا چاہئے۔ لاہور میں سوائے لالہ سائیں داس جی کے کوئی میری رائے سے متفق نہیں ہے"

بعد ازاں وہ ممالک مغربی و شمالی کی پرتی ندہی سبھا کے جلسہ اوّل میں جو بمقام میرٹھ قرار پایا تھا تشریف لے گئے۔ اور منشی لچھمی سروپ صاحب پریسیڈنٹ کی اگیا انوسار وہ اور اپنے پنجابی احباب کے شریک مباحثہ ہوئے۔ اور ان قواعد کے مرتب کرنے میں جو اس صوبہ کی پرتی ندہی سبھا کے لئے تیار کئے جا رہے تھے بہت بحث کی۔ یہ قواعد پنجاب سبھا کے قواعد سے کسی قدر مختلف تھے۔ اسی سال لاہور سماج کی انترنگ سبھا نے آریہ پتر کا اخبار جاری کیا۔ جس میں پنڈت گورودت کے مضامین اکثر اوقات چھپا کرتے تھے۔ دیانند کالج کے مددگاروں کو ایک ایسے فصیح و فاضل لیکچرار کی ضرورت تھی کہ جو مغربی علوم مروجہ سائنس و فلاسفی میں فاضل ہونے کے علاوہ سنسکرت علم ادب کی بھی معقول اور عمدہ لیاقت رکھتا ہو یا کہ آریہ سماج کو ایک ایسے لایق شخص کی ضرورت تھی جو ویدوں کے مبرک

اور مقدس مضامین کو بھارت کے بھولے بھالے بچوں میں پرچلت و پرگھٹ کرے۔
اور ان کو دکھلا دے کہ تمہارے گذشتہ آبا و اجداد مہامنی گوتم و پاتنجلی وغیرہ فلاسفی و
منطق و سائنس و ہیئت و ہندسہ کے ایسے گرانبہا خزانے تمہارے لئے چھوڑ گئے
ہیں کہ ان کو اگر باقاعدہ استعمال میں لایا اور فائدہ اٹھایا جاوے اور اگر اودیا
روپی اندھکار کے بادل سے انکی روشنی کو محجوب نہ کیا جاوے تو تم ہرگز ہرگز نیم
وحشی و نالایق و غیر مہذب کہلانے کے مستحق نہیں ہو۔ بیشک اسوقت ایک ایسے
آدمی کی ضرورت تھی جو مشرقی تہذیب کے سورج کو جو صدیوں سے اودیا روپی
بادل سے چھپا ہوا تھا۔ اپنی شکتی روپی تسلیم کی باد صرصر سے پھر روشن کرے۔
ہاں ملک کو ایسی پوتر آتما کی ضرورت تھی جو اس کے بچوں کے دلوں سے اس حجاب
کو دور کرے جو مغربی تعلیم کے اثر سے پیدا ہو گیا تھا۔ اور جس کا باعث زیادہ تر
سنسکرت علم سے ناواقفی اور روگردانی تھا۔ اور ایک ایسی پاک روح کی ضرورت
تھی جو اپنی فصاحت و بلاغت کے زور سے لوگوں پر یہ نشچے کرادے کہ ایک ایسے
کالج کی ضرورت ہے جو اعلیٰ مغربی تعلیم کے علاوہ ہندوستان کے بچوں کو
ایشور بھگتی۔ ایشور پریم اور ایشور ملاپ کی خواہش کا طالب بنا کر ان کو ان کے
بزرگوں کے سیدھے راستہ پر لادے۔ اور جہالت و خود بینی اور دوسرے کے
آسرے پر پڑے رہنے کی ذلت کے گہرے گڑھے سے نکالے۔ اور ان کے
دلوں سے اس خیال کو دور کرے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم سائنس اور فلاسفی
کا کوئی مسئلہ و معمہ حل نہیں کر سکتے۔ اور جو کچھ ہمارے لئے ضرورت ہے وہ بھی
ہمارے مغربی بھائی ہی کریں گے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ ٹھیک ٹھیک اور درست
ہے ہم میں یہ لیاقت نہیں کہ کچھ کر سکیں یا ان کے کئے کی صحت و غلطی کو جانچیں

ملک و قوم کو ایک ایسے ودوان کی سخت ضرورت تھی - جو یہ بتلا دے کہ ویدوں میں اور ہمارے ست گرنتھوں میں وہ اصول موجود ہیں کہ اگر دھیان دو تو ایسے ایسے عمدہ اور بڑے مسائل کو جن پر **شوپن ہائیر** کو مٹی جیسے فاضل عصر اپنی عمروں کو صرف کر گئے - تمکو اپنے شاستروں سے صاف و سپشٹ ہو جاویں - مذکورہ بالا ضرورتوں کو پورا کرنیوالا انکو گورنمنٹ کالج لاہور کا ایک ودیارتھی ملا - ہاں وہ ودیارتھی ایسا شخص تھا کہ جس پر اس کے ہم جماعت اور ہم مکتب فخر کر سکتے تھے - بلکہ جس پر گورنمنٹ کالج لاہور کو فخر تھا - اور جس سوسائٹی سے اس کا تعلق ہوتا تھا وہ سوسائٹی فخر کرتی تھی - اس ودیارتھی کی فاضلانہ تقریریں اور فصیح لیکچر بڑی شانتی اور شوق سے سنے جاتے تھے - سینکڑوں آدمی اس کے لیکچر کے نوٹس پر جمع ہو جاتے تھے - ہر سماج کہ جس میں وہ جاتے پھولے نہ سماتے - اور ویدک کالج کے لئے مفصلات کی سماجیں انکی تشریف آوری کی پرارتھنا کرتیں اور جہاں وہ تشریف لیجاتے اور اپنے منوہر جوش پیدا کرنے والے ویاکھیان دیتے معقول رقمیں چندہ کی جمع کرلاتے - یہ ودیارتھی

پنڈت گورودت کے سوائے اور کون ہوسکتا تھا

۱۸۸۵ء میں پنڈت گورودت اس مشن پر کئی جگہ تشریف لے گئے اور ہر جگہ ان کی بہت خاطر و مدارات و عزت و توقیر ہوئی - یعنی کالج کے لئے ان کو چندہ ملا امرتسر آریہ سماج کے سالانہ جلسہ پر جو لیکچر پنڈت جی نے دیا - اس کی نسبت اکتوبر ۱۸۸۵ء کا آریہ پتر کا یوں رقمطراز ہے - معمولی کارروائیوں کا ذکر کر کے کہتا ہے کہ "اس کے بعد پنڈت گورودت لاہور آریہ سماج کے لایق ممبر کھڑے

ہوئے۔ اُنھوں نے اپنی فاضلانہ تقریر میں جس میں رگوید کے ایک منتر کی تشریح
کی گئی تھی۔ اپنے سامعین کو لوگوں پر ثابت کر دیا کہ سوامی دیانند کا یہ دعوے
کہ ویدوں میں سب وِدیاؤں کے انگ پائے جاتے ہیں صحیح۔ درست۔ سچا اور
ٹھیک ہے۔ چنانچہ انھوں نے دکھلایا کہ اس ایک منتر میں گرّہ ہوائی کے سب
اجزا کو دکھلایا اور بتلایا گیا ہے۔ اور ترغیب دلائی کہ ویدوں کا پڑھنا پڑھانا
اور سننا سنانا بہت پہلوؤں سے ضروری ہے۔ اور فرمایا کہ جو لوگ
یہ کہتے ہیں کہ وید محض نکمے اور لچر کتابیں ہیں ان کا بھی فرض ہے کہ وہ ان میں
سے نکالکر دکھلاویں کہ کون کون سی تحریر ویدوں میں لغو اور نکمی ہے تاکہ وہ اپنے
قول کی سچائی لوگوں پر ظاہر کر سکیں۔ اور بنا پڑھے پڑھائے یا بنا جانے بوجھے
یہ کہدینا کہ ویدک دہرم عقل کے مقابلہ میں تچھ ہے اور بچوں والے گپ شپ ان
میں بھرے ہوئے ہیں دعوے بے دلیل ہے۔ دیانند ویدک کالج ویدوں کا
پرچار کرے گا۔ اور آریہ سنتان کے اس دعوے کے ثبوت میں کہ ویدوں میں
دین و دنیا سب کے لئے ہدایتیں اور صداقتیں موجود ہیں بل دان کرے گا۔ پس
ہر شخص جو آریہ نسل سے ہونیکا دعوے کرتا ہے خواہ وہ ہندو کہلاتا ہو یا کچھ اور
فرض ہے کہ وہ اس کی مدد کرے۔ اس تقریر کے بعد دس ہزار تک رقوم چندہ تحریر
ہوئیں۔ اس سال کے اخیر میں وہ سرحدی ملک کی بہادر اقوام میں یعنی راولپنڈی
کے سالانہ جلسہ پر تشریف لے گئے۔ اور سولہ سو روپیہ تک وہاں چندہ ہوا۔

مارچ ۱۸۸۶ء میں انھوں نے ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ اور اس
میں بھی نمبر اوّل ہی رہے۔ اس امتحان میں انھوں نے میڈیکل سائنس یعنی طبعیات
لیا تھا۔ آخر اس طرح پنڈت جی کی شاندار کالج لائف کا زمانہ ختم ہوا جس میں

انھوں نے صرف بطور ودیارتھی کے ہی اپنی بینظیر شاندار کامیابی کا ثبوت نہیں دیا بلکہ بطور قومی سیوک۔ سچے محب الوطن اور بے غرض کرم یوگی کے بھی اُن کا درجہ بہت بلند اور عظیم رہا۔

پنڈت جی کی پبلک لائف کا زمانہ

اپریل سنہ ۸۶ء میں پنڈت گورودت پشاور آریہ سماج کے سالانہ جلسہ میں شامل ہوئے جہاں دو ہزار چھ سو روپیہ چندہ ویدک کالج فنڈ کے لئے لکھا گیا تھا۔ دوسرا لیکچر انھوں نے ۳۱ مئی سنہ ۸۶ء کو لاہور آریہ مندر میں ایک عام جلسہ میں دیا۔ جسمیں دیانند ویدک سکول کے (جس کے وجود میں لانے کے لئے یکم جون سنہ ۸۶ء کا دن مقرر ہوچکا تھا) مقاصد ومنشا کو نہایت فصاحت سے بیان کیا۔

اور بھی کئی ایک لیکچر ان دنوں میں پنڈت جی نے باغبانپورہ اور فیروزپور اور دیگر مقامات میں دئے جن میں ان کو خوب کامیابی ہوئی۔ یعنی سب جگہوں سے چندہ جمع ہوا۔ ان کا ایک اور مشہور لیکچر آریہ سماج امرتسر کے نویں سالانہ جلسہ پر ۷ اکتوبر سنہ ۸۶ء کو ہوا۔

اس کی نسبت آریہ پترکا حسب ذیل لکھتا ہے:-

”اس کے بعد پنڈت گورودت ودیارتھی ایم۔ اے کا دیانند اینگلو ویدک کالج کے بارہ میں ایک نہایت پرزور اور موثر لیکچر ہوا۔ اور پنڈت جی کی تقریر نے حاضرین کے دلوں کو ہلا کر ایک عجیب اثر پیدا کیا۔ انھوں نے دلائل سے اس بات کو

ثابت کر دیا کہ ہر ایک آریہ کا فرض ہے کہ وہ اس سنسکرت، مغربی سائنس و علوم و فنون کے مہاودیالے کے بنانے میں مدد کرے۔ اس اپیل نے بہت اثر کیا۔ اور لیکچر کے خاتمہ پر نوسو آٹھ روپے چار آنہ نقد میز پر جمع ہوئے۔ علاوہ ۱۱ ۲۲۵ وعدہ کے چھ چاندی کے انت دو سونے کی انگوٹھیاں اور ایک چاندی کا چاند کالج فنڈ کے لئے اتار دئے گئے"۔

یہ ان لیکچروں میں سے ایک لیکچر تھا جس نے گرو دت کو پنڈت گورو دت کہے جانے کا ٹھیک مصداق ثابت کر دیا۔ اور اُس دن کے بعد ہم ہمیشہ انکو پنڈت کے لقب سے ملقب ہوتے ہوئے دیکھتے رہے۔ وہ شہرت اور نیکنامی جو اس طرح سے ترقی پذیر ہوئی لاہور آریہ سماج کے نویں سالانہ جلسہ پر ایک معقول حد تک پہنچ گئی۔ اس موقعہ پر پنڈت جی نے دو لیکچر دئے۔ جو ان کے نہایت فاضلانہ موثر اور فصیح لیکچروں میں سے گنے جاتے ہیں۔ ان میں ایک اردو بھاشا میں دیانند اینگلو ویدک کالج پر تھا۔ اور دوسرا انگریزی میں آریہ سماج پر تھا۔ چھ ہزار روپیہ کے قریب نقد اور چار سو روپیہ کے قریب قیمت کے زیور وغیرہ اشیاء جمع ہوئے اور جو رقم وعدہ کی گئی اس کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ اس کے بعد ۲۷ دسمبر ۸۶ء کو جالندھر کے تعلیم یافتہ اصحاب کی ایک بڑی جماعت کے سامنے اسی مضمون پر ایک لیکچر دیا۔ حاضرین جلسہ کو یہ امر نشچے ہو گیا۔ کہ ملک کے لئے ایک ایسے کالج کے وجود کی ضرورت ہے کہ جس میں علاوہ ذہنی تعلیم کے اخلاقی تعلیم بھی دی جائے۔ اور دونوں قسم کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اس لیکچر میں ایک ہزار نو سو نقد چندہ جمع ہوا۔

اب پنڈت گورودت ودیارتھی لوگوں کے نزدیک لائق تعظیم ہوتے جاتے تھے۔ جو تعظیم کہ یہ لوگ انکی لیاقت اور صفات کی وجہ سے کرتے تھے اس کو ہم انگلینڈ کے ایک

بہت بڑے مصنف کے الفاظ میں ہیرو ورشپ کہتے ہیں۔ ہیرو ورشپ کسی طرح سے
بھی آریہ سماج کے مذہبی اعتقاد کے برخلاف نہیں ہے۔
سری رامچندر و سری کرشن جی کی معمولی ہیرو ورشپ سے یہ بالکل برعکس ہے۔
کیونکہ اس میں ان کو خدا کا اوتار مانا جاتا ہے۔ جو سوسائٹی کہ کوئی ہیرو نہیں رکھتی اور
جو سوسائٹی کہ اپنے شہیدوں کی بہادری کو تعظیم اور عزت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتی
وہ ایک عمدہ اور لایق سوسائٹی کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ اور جس قدر جلد ہی
دنیا سے اس کا وجود مٹ جائے اسی قدر وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے مفید ہے

اس سال میں ایم۔ اے ہونے کے بعد پنڈت جی گورنمنٹ کالج لاہور
میں سائنس کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس عہدہ کے فرائض کو پنڈت
جی نے نہایت لیاقت کے ساتھ ادا کیا۔ اسی سال میں پنڈت جی نے ایورنید ک
شاستر (یعنی طبابت کا وید) کو پڑھا۔ اور آرین طب کی خاصی لیاقت حاصل کی۔
اخیر میں وہ اس طب کے ایسے مداح ہوئے کہ انھوں نے ایک موقعہ پر ایسا لکھا کہ
کہ یوروپین طب ہندوستان کے باشندوں کو منتفع نہ ہوگی۔ اس سال کے جون
میں پشاور آریہ سماج نے دیانند انگلو ویدک کالج سوسائٹی کی مینجنگ کمیٹی نے ان کو
اپنی طرف سے ممبر منتخب کیا۔ اسی سال وہ سکول سب کمیٹی کے ممبر بھی ہوئے۔ اس سال
میں ان کے لب ولہجہ میں ایک عجیب ترقی نظر آئی۔ اور ان کو ایک یہ خیال پیدا ہوا۔
کہ آریہ سماج کے بعض ممبر کارروائی عمل کے لحاظ سے بہت پیچھے ہیں۔ چنانچہ
۱۹ جنوری کو جب وہ سیر کر رہے تھے ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں
اس پر عمل بھی کرتا ہوں یا نہیں جس پر وہ لکھتے ہیں کہ اعتقاد کا نتیجہ عمل ہے۔ اور
جو سماجک ممبر کہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں وہ گویا اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ

ان باتوں پر پورا اعتقاد نہیں رکھتے۔

سوامی کہہ سکتا تھا کہ میں کامیاب ہوا۔ کیونکہ مینے جو مانا اور کہا اس پر عمل کیا۔ تم عمل نہیں کرتے ہو مگر صرف اعتقاد رکھتے ہو۔ اس لئے تمہارا یہ اعتقاد سچا اعتقاد نہیں۔
جوں جوں ان کی شہرت بڑھتی گئی۔ اور جوں جوں وہ دور تک فصیح اور فاضل مشہور ہوتے گئے۔ توں توں وہ اپنی کمزوریوں سے زیادہ سے زیادہ (کونشس) یعنی واقف ہوتے گئے۔ جبکہ دنیا اس کو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ایک مصلح قوم سمجھ رہی تھی۔ ان کو خود ایسی تجویز کی سوچ تھی کہ جس سے وہ اپنی آتما کی اصلاح کریں چنانچہ اس فکر کو انکی ڈائری میں ہم کئی جگہ نوٹ کیا ہوا پاتے ہیں۔ جس میں سے ہم صرف ایک نوٹ ۲ر جولائی سنہ ۸۶ء کا نقل کرتے ہیں۔

"کیا ممکن ہے کہ میں اپنی اصلاح کر سکوں۔ اور اگر ہے تو کس وسیلہ سے میں ایسا کر سکتا ہوں"

یہ فقرہ ہم کو گورودت ودیارتھی کی اعلےٰ سچائی اور سادگی کا ثبوت دیتا ہے وہ اس بات کو جانتا تھا کہ اسکی اصلاح وقت کے انضباط پر اور ان لوگوں کو جو اکثر حالتوں میں محض ملاقات پیدا کرنیکی غرض یا کسی مشکل مسئلہ مذہبی کے حل کرنے کے مطلب سے یا محض ان کی لیاقت کا امتحان لینے کے ارادے سے یا پڑھنے اور سیکھنے کی غرض سے آیا جایا کرتے تھے۔ اور جن کو انھوں نے کبھی نہ روکا تھا منع کرنے پر منحصر ہے۔ ہم اس مضمون کو اچھی طرح انکی بیماری کے حالات لکھنے کے موقعہ پر ظاہر کریں گے۔ اس سال بڑے دنوں کی چھٹیوں میں وہ لاہور سے اور لالہ سائیں داس و لالہ مدن سنگھ صاحب و پنڈت شیودت رام پرتسریہ کے ساتھ دہلی کو تشریف لے گئے۔ یہاں پر ہم سیر کرنیکی غرض سے

نہیں گئے تھے۔ بلکہ کالج کے لئے چندہ فراہم کرنے کی نیت سے گئے تھے۔
پنڈت جی نے لالہ گردھاری لال وکیل کے مکان پر دو لیکچر دئے۔ اور اس میں ہمکو فراہمی
چندہ کے متعلق معقول کامیابی ہوئی۔ ایک دن ہم مشہور مینار قطب صاحب کے
دیکھنے کے لئے گئے۔ اور وہاں پرتھی راج کے قلعہ کو دیکھتے ہوئے پنڈت جی نے
اس کی بناوٹ وغیرہ پر بہت بیان دیا۔ اور اپنے بزرگوں کی عظمت اور شان و
شوکت کو یاد کرکے ایک آہ سرد بھری۔ اور پھر وہاں سے ہمایوں کے مقبرہ کو آتے
ہوئے راستہ میں پنڈت جی نے کئی ایک پتھر کی کنکریاں سڑک پر سے چنیں۔
اور کہا کہ یہ ایک قسم کے پتھر کے ایسے ٹکڑے ہیں جو سائنٹیفک تجربات کے لئے
بہت کار آمد ہیں۔

اس تمام سال میں ان کی صحت بہت خراب رہی جس کا سبب یہ تھا کہ انکی
آتما اور جسم پر متواتر سخت محنت کا بوجھ پڑا رہتا تھا۔ مختلف قسم کے امراض کی
شکایتیں ان کی ڈائریوں میں پائی جاتی ہیں جس میں صرف ایک کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی
دفعہ یودولا کا ڈگ جانا ہوا۔ اور ایک دفعہ وہ ایسے موقع پر ہوا جب کہ اس سے
اگلے دن ہی پنڈت جی کو لاہور سماج کے سالانہ جلسہ پر اپنا لیکچر دینا تھا۔ لیکن
انکی محنت کش طبعیت نے اپنی قوم اور ملک کی اصلاح کے راستے پر ان شکایتوں
کو حائل ہونیکی اجازت نہ دی۔ یہانتک کہ آخر کار

ان کو تپ دق کا مرض مہلک لاحق ہوگیا

مگر اس سال میں انکی روحانی اور اخلاقی فطرت کو بڑی نمایاں ترقی حاصل ہوئی جس سے
انکی فراخدلی اور بلند پروازی کا بدیہی ثبوت ہوتا تھا۔ پنڈت جی کی پاک طبعیت

جوں جوں کہ اپنی ترقی عمر کے ساتھ ویدک دھرم کی زیادہ سے زیادہ گہری تسلیم کو حاصل کرتی چلی گئی۔ دوں دوں آتما کی اندرونی ماہیت، علم کے ساتھ جو اب تک بہت ادنے درجہ تک پہنچا تھا نہایت حیرت انگیز سچے اخلاق کی طرف ترقی کرتی گئی۔ پولیسی وغیرہ کو ان کے اخلاقی دھرم شاستر میں کوئی جگہ نہ تھی۔ ایک دفعہ میرے ایک معاملہ کی بابت یہ جھگڑا تھا۔ کہ وہ اخلاقی طور پر بالکل ٹھیک ہے یا نہیں۔ اس کو پنڈت جی نے نہایت زور سے جس قدر کہ وہ کہہ سکتے تھے یہ کہا کہ یہ سچے دھرم اور اخلاق کے خلاف ہے۔ میں اپنے بچاؤ کے لئے دلائل دے رہا تھا۔ تو مینے کئی دوستوں کی رائے کو جن میں سے ایک آریہ سماج کا عہدہ دار بھی رہ چکا تھا پیش کیا۔ اور ساتھ ہی پنڈت جی کی ایک دفعہ کی پہلی منظوری کو بطور یاددہانی بیان کیا۔ (میں اپنے اس کام کو زیادہ وضاحت سے بیان کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس کا اس طرح شایع کرنا بے فائدہ ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ ذاتیات میں لے جائے۔ جس سے میں ہمیشہ بچنا چاہتا ہوں) میرے ان سب عذرات کے جواب میں پنڈت جی نے مجھکو ایک طول طویل چٹھی لکھی۔ یہ چٹھی نوٹ پیپر کے آٹھ صفحوں پر بہت باریک قلم سے گنجان سطروں میں لکھی ہوئی تھی۔ اس پر ۱۳۔ اپریل ۸۶ء کی تاریخ درج تھی۔ پنڈت جی کی ناراضگی اس بات سے ہی پائی جاتی ہے۔ کہ انھوں نے معمولی محبت کے طریقہ کو چھوڑ کر مجھکو اس خط میں اول ہی "لالہ لاجپت رائے" سے مخاطب کیا۔ میں اپنے پورے خط کی نقل یہاں نہیں کرونگا۔ بلکہ صرف کہیں کہیں سے کوئی کوئی فقرہ دوں گا۔ جو کہ پنڈت جی کے اعلے اخلاق کو ظاہر کریں گے۔

ایک دوست کی بابت جس کا اوپر ذکر ہوا وہ لکھتے ہیں۔ "کہ مینے بہت سے خوشی

کے لمحے اس کے ساتھ گذارے ہیں۔ اس لیے میں اس کی محبت رکھتا ہوں۔ اور
اس کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن بغیر کسی ایسے خیال کے کہ میں اسکو کوئی اتہام دوں
میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کہ مذہب اور اخلاق کے بارے میں اس کا علم صرف
ظاہری ہے اور ان مضامین کی گہرائی کو نہیں پہنچا۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ وہ
سادہ اور صاف دل آدمی ہے۔ اس لئے میں اس کے قول کو کسی اخلاقی یا مذہبی
معاملہ میں قدر و منزلت والا خیال نہیں کرتا۔ لیکن تمہارے اس فعل کو منظور کرنے
کے بارے میں فلاں شخص نے جو . . . . رائے دی۔ اس کا ظاہر ہونا
میرے لئے بہت تکلیف کا موجب ہوا۔ میں کبھی یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ وہ شخص جو
بظاہر ویدک مسائل اور آواگون کا معتقد ہے اور ایک پورا نا اور پرجوش آریہ پرش
ہے جس کی کہ عمر انھیں خیالات کے اعتقاد میں گذری ہے۔ اور جو کہ سرشٹی کا
ایک اخلاقی حاکم مانتا ہے اور جس کا یہ ماننا ظاہری خداشناسی کے طور پر بھی
نہیں بلکہ حقیقی اور اصلی خداشناسی کے رتبے تک پہنچا ہوا ہے۔ ہاں میں یہ کبھی
خیال نہیں کرتا تھا کہ ایسا شخص تمکو ایسا کرنیکی . . . . اجازت دے گا۔
اس سے مجھ کو رنج کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ موجودہ دنیا کے لوگ تنگ حوصلہ
اور روحانی اور اخلاقی مسائل سے لاپرواہ اور دنیوی خواہشوں میں بہت مبتلا ہیں۔
اس سے مجھپر ظاہر ہوا کہ کس طرح سے عمدہ سے عمدہ مخلوق خدا کمینہ صفت اور
بد دیانت سوسائٹی کو از سر نو ڈھالکر خوبصورت اور مکمل بنا سکتی ہے۔ آخر کار سخت
سے سخت بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار ہوئے جاتے ہیں۔ اے سب طاقتور وں
سے طاقتور پرماتما جو عمل شروع ہو چکا ہے۔ اس میں برکت دے۔ اور اس سے
ضرور نیری سرشٹی کا آدھار ہوگا۔ آگے جاکر مہرشی اس تمدن کے جواب میں کہ انھوں

نے خود مجھکو اس فعل کی اجازت دی تھی - وہ یہ تحریر کرتے ہیں کہ

"مجھکو بخوبی یاد ہے کہ میں نے جواب بہت تامل سے دیا تھا - اگرچہ ایسے تامل سے نہیں دیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ مجھ کو اس سے نفرت ہے - لیکن مجھ کو ٹھیک یاد ہے کہ میں نے کیا جواب دیا تھا - میں نے یہ کہا تھا کہ صرف اس فعل کے کرنے سے میری نظروں میں تمہاری وقعت کم نہ ہوگی - ہاں صرف اس فعل سے - اب میں اپنے اس فقرہ کی تشریح کرتا ہوں - میں جانتا تھا کہ خلاف اخلاق ایک فعل کرنا گویا دوسرے خلاف اخلاق فعل کا زینہ ہے - جو شخص ایک دفعہ کوئی خلاف اخلاق فعل کرتا ہے - وہ آسانی سے دوسرے موقعہ پر ایسا ہی فعل کرنے کو تیار ہوجاتا ہے - نہیں میرا مطلب یہ تھا کہ اگر تم اس قدر مضبوط دل نکلوگے کہ آیندہ کو کبھی ایسے افعال میں نہ پڑوگے - تو اس فعل کے کرنے سے مجھکو تمہاری طرف سے تبدیل محبت لازم نہ ہوگا - میں نے اس وقت صرف تمہاری ضرورت کا خیال کیا تھا - جو تم کو اس فعل پر آمادہ کر رہی تھی - کیونکہ میں نے خیال کیا تھا - کہ ایسا کرنے سے جو فائدہ تمکو حاصل ہوگا اس کا کئی گنا بدلہ تم اس طرح سے ادا کر سکتے ہو - کہ نہایت متدین اور سچے اور اعلیٰ درجہ کی قومی ہمدردی کی زندگی بسر کرو - لیکن میرا تمام اسٹیمیٹ یعنی اندازہ غلط نکلا - تم نے اس کے بعد اپنی زندگی کو سچی زندگی نہ بنایا - بہت دفعہ شیطان نے تم کو کامیابی کی ترغیب دی - ہاں بعض وقت شیطان روپیہ کی شکل میں تمہارے سامنے آیا بعض وقت اس نے تم کو عزت

اور غرور کی امیدیں دلا کر پھسلایا۔ اور تم ایسے کمزور نکلے کہ اس کے پھسلانے
میں آگئے۔ جب اس خلاف اخلاق فعل کی طفیل جو دنیوی فائدہ تم کو مد نظر تھا
حاصل ہو گیا۔ تو تمنے اپنی زندگی کو عقلاً اور اخلاقاً اور سچے دھرم میں ترقی دینے
کی پروا نہ کی۔ تم چھوٹی چھوٹی باتوں میں گھرے رہے۔ اگر ترقی کی تو معمولی
رواج کی پیروی میں۔ اور ہر دلعزیزی کے حاصل کرنیکی کوشش میں تمنے
مشرقی طریقہ ادب کے یا ممالک مغربی شمالی کے طریقہائے تکلف
اختیار کئے۔ سیدھے سادے مردانہ طریقوں کی بجائے کیا پوشاک
میں کیا ملازم رکھنے میں ظاہرداری سے کام لیا۔ ایشور نے ایک امانت
تمہارے سپرد کی اور تمنے اس کی قدر نہ کی۔ پرماتمانے ایک ہونہار
جوان کو درستی۔ اصلاح اور آریہ بنانے کے لئے تمہارے راستہ میں ڈالا
مگر تم نے اُس کو خفیہ طور پر دنیا کے دھوکے بازیاں۔ کمینہ پن اور دیگر برائیوں
کے خیالات فاسد میں ترقی کرنے سے نہ روکا (مولف کو معلوم ہوتا ہے۔
کہ یہ فقرات انھوں نے بہت سی غلط واقفیت پر تحریر کئے) جو کچھ مینے تمکو
تحریر کیا ہے اپنے تجربہ سے تحریر نہیں کیا۔ کیونکہ میرے جیسے گنہگار کا تجربہ
ہی کس لائق ہوسکتا ہے۔ مگر مینے یہ سب ہردیہ کی آواز سے لکھا ہے۔
یہ میرا کام نہیں ہے کہ لعنت کروں یا ملامت کروں۔ گالی دوں یا
برا بھلا کہوں۔ یا تم کو ناراض کردوں۔ بلکہ اعلے افرائض انجام دینے
میں قانون الہی کا بیان کرنا میرا فرض ہے میرا کام ہے۔ کہ اُس
قانون کو صاف تمہارے سامنے پیش کر کے تم سے اسباب کا طالب
ہوں۔ کہ تم اس کو پسند کرو۔ خواہ میں ہمیشہ تم سے اس کی پیروی کرانے میں ناکامیاب

رہوں۔ اگر تم آزاد منش اور نیک ہونا چاہتے ہو۔ تو میں تم سے سچے اور کھلے دل
ہونے کی درخواست کرتا ہوں۔ چونکہ میں بھی بڑا پاپی ہوں (اگرچہ بدمعاش نہیں)
مجھکو بھی نصیحت کرنے میں شرم آتی ہے۔ لیکن الٰہی طاقتیں یعنی ایشوری آوازیں
مجھکو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔

اے صداقت کے فرشتو! مجھکو اپنے بازؤں میں اٹھا لیجیو میں اس
کتاب کی پروا نہیں کرتا۔ خواہ بھیجو یا نہ بھیجو۔ میرے نزدیک اس کی کچھ حقیقت نہیں
(ایک فرانسیسی کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ جو پنڈت جی کی میرے پاس تھی)
میرے نزدیک میں تمکو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اندرونی چشمہ علم تمام زندگی کے لیے
کافی ہے۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں ہزار زندگیاں بھی تھوڑی ہیں۔ میں تمکو
یقین دلاتا ہوں کہ میں سچے دل سے لکھتا ہوں۔ اس واسطے میری نظر میں یا
میرے دل میں کسی قسم کی دنیوی غرض مدنظر نہیں۔ پرماتما میری رکھشا کریں۔
اے کم عمر نوجوان! اگر وہ کتاب تمہارا جی چاہے تو اسکو خوب بغل میں
دبا رکھو اور کبھی اس سے علیحدہ نہ ہو لیکن

یاد رکھو کہ انسان میں ایک بہت ہی زیادہ اعلیٰ درجہ کی
اور نفیس بہت ہی زیادہ بلند پرواز راحت کی دینے
والی فطرت ہے۔ جس کو تم نے انوبھو نہیں کیا۔ ہاں
انسان کی ذات میں خدائیت اور دیوتت کا عنصر چھپا

اس کو بقدر اپنی طاقت کے حاصل کرنے کے لیے

طیار ہو جاؤ۔ تمہاری قابلیت کے مطابق اُس کا حصہ

تم کو ملے گا۔ میں تمکو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر انسان

ایک دفعہ اپنی اندرونی طاقتوں اور بے بہا قابلیتوں

سے آگاہ ہو جاوے۔ تو میرا خیال ہے۔ کہ اس دنیا

کے تمام عذاب گناہ اور تکالیف اس کو اپنے پرماتما

کے سروپ میں دیوتوں کی مانند سروتنترسوتنتر چلنے سے

نہیں روک سکیں گی۔

اس اخیر کے فقرہ کو اگر تم چاہو۔ تو سو دفعہ پڑھو۔ اور اس کے مطلب کو انوبھو کرو۔ جب تک تمہارے ہردے کے بھیتر سے ایشر کے پرنوں کو چھیدن نہ کر دے میں تمکو فقط یہی تسکین دے سکتا ہوں۔ اور اسی سے تمہاری تشفی کر سکتا ہوں ایشر پرماتما تمہاری رکشا کریں۔ اور تمہارے اصلی درجہ کے شریف کاموں کی

طرف رہبر ہوں۔

پرماتما کی مہربانی سے تمہارا سچا بہی خواہ اور سچے دل سے دعاگو اصلاح دینے والا (اگرچہ خود بڑا پاپی)

گوروودت ودیارتھی"

ہاں اگرچہ سو دفعہ تو نہیں۔ مگر مینے اس چٹھی کو بارہا پڑھا ہے۔ اور اب جبکہ راقم کو ملک الموت اپنے لافانی بازوؤں پر اڑا لیگیا۔ میرے ہردے سے یہ دعا نکلتی ہے۔ کہ اے پرماتما اس آتما کو شانتی دیجئے۔ جس نے مجھے شانتی کا رستہ بتایا۔ اے دوسری دنیا میں رہنے والے جہان کہ تو اپنی پونر آتما کی طاقتوں کو ترقی دے رہا ہے اب بھی مجھے رہنمائی دیتا رہ۔ میں جانتا ہوں کہ اس چٹھی کے مشتہر کرنے سے لوگ مختلف قسم کے الزامات میرے اوپر قایم کریں گے۔ اور طرح طرح کے خیالات میری نسبت اپنے دل میں لاویں گے۔ لیکن میں اس امر کی چنداں پرواہ نہیں کرتا۔ قبل ازیں کہ اس ناراضگی کا ظہور ہوا تھا وہ بلاشبہ پاپ تھا۔ اور اسیقدر سخت ناراضگی کا مستوجب تھا۔ کیونکہ اس سے میرے دل میں یہ شیطانی خیال پیدا ہوا تھا۔ کہ اخلاقی قوانین کی تاثیر وقت اور زمانہ پر منحصر ہے۔ بلاشبہ یہ بڑا پاپ تھا۔ حالانکہ کوشش کی گئی تھی۔ کہ مروجہ قواعد اخلاقی کے ذریعہ خصل مذکورہ کی تائید کی جاتے اور اگر اور کسی مطلب سے نہیں۔ تو صرف اسی خیال سے میں خوشی سے اس چٹھی کو اشاعت دیتا ہوں کہ جس چٹھی سے میری نسبت جو خیالات

لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونگے۔ وہ میرے کئے کی سزا ہو گی۔ اگرچہ میں اپنے
ناظرین سے اسقدر کہنا چاہتا ہوں کہ زیادہ تر یہ ناراضی اس بات سے ظہور
میں آئی تھی جیسا کہ چٹھی کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مینے کچھ عرصہ تک اپنے
پبلک فرائض کی طرف سے عدم توجہی ظاہر کی تھی۔ بعض دیگر افعال بھی تھے
جن کو شاید پنڈت جی مذکور صاف کر دیتے اگر اس کے ساتھ ساتھ پبلک فرائض کی
عدم توجہی ان کے دل میں زخم نہ کرتی۔

چونکہ اس چٹھی سے پنڈت جی کے اخلاق اور اعتقاد کا اس قدر اندازہ ہو سکتا
ہے۔ لہذا اس چٹھی کو شایع کرنا بھی باب میں داخل ہونا تھا۔ اس چٹھی کے سرسری
مطالعہ سے ہی ان لوگوں کی دروغگوئی ظاہر ہو جاتی ہے۔ جو پنڈت جی کی مذہبی
اور روحانی تعلیم کی بابت شبہات ظاہر کرنے کے عادی ہیں۔ پنڈت جی بیگناہ نہیں
تھے۔ اور نہ انھوں نے ایسا ہونے کا دعوے کیا۔ ہر ایک شخص یہ سمجھ سکتا ہے
کہ وہ ایسے کم عقل نہ تھے کہ ایسے شخص پر فصاحت خرچ کرتے جو ان کو ویسا ہی
جواب دیسکتا تھا۔ مگر در اصل اُن دنوں پنڈت جی میں اعلے قسم کی تبدیلی
وقوع میں آچکی تھی۔

اُن کے مذہبی خیالات اور اخلاقی عادات بڑی تبدیلی میں تھے۔ یہانتک
کہ وہ جو کچھ ان کے دل میں آتا اس کو ظاہر کرنے سے نہ رک سکے۔ میں اس موقع
پر درج کرنا چاہتا ہوں کہ اس چٹھی سے مجھکو یقین ہو گیا۔ کہ میرا فعل ضرور خلاف
اخلاق تھا۔ مینے اُن سے معافی مانگی۔ اور انھوں نے مہربانی کر کے مجھے معاف
کر دیا۔ اس سلسلہ خط و کتابت کو پورا کرنے کے لئے میں ایک کارڈ اسی مضمون
کے متعلق یہاں درج کرتا ہوں۔ جو چٹھی مذکورہ بالا کے آنے سے ایک یا دو دن

پہلے ہی مجھکو ملا تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا۔

لالہ لاجپت رائے

میں نے تمہارا کارڈ پڑھا۔ میں اس شخص پر رحم کرتا ہوں۔ جو خود نیکی اور صداقت کے راستہ سے بھٹکا ہوا دوسروں کے اخلاقی اور روحانی بلڑے کو خراب کرنیکے درپے ہے۔ بجائے اس کے کہ تم مجھے پاپ اور مطلق بدانتظامی اندرونی کی طرف رہبری کرو۔ بہتر ہے کہ تم مجھسے ناراض رہو یا میرے ساتھ بدسلوکی کرو۔ یا میری طرف ناشکرگذاری کے خیالات رکھو۔ اس وقت میرا دل بھرا ہوا ہے۔ لیکن سردست صرف ایک کارڈ ہی میرے پاس ہے جس پر لکھوں۔ پرماتما برکت دیں کہ اس سے ایک گم گشتہ راہ ہٹ کر پھر گلے آملے۔

تمکو ناراض کرنے والا

گورودت ودیارتھی

مجھکو صاف طور پر یاد ہے۔ کہ اس کے بعد میرے پاس کئی چٹھیات آئیں۔ کہ جن میں انھوں نے میری غلطی کو درگذر کر دیا۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء کی چٹھیوں میں سے آئندہ ایک نقل کر دونگا جس سے میرے بیان کی تائید ہوگی۔

۱۸۸۶ء میں پنڈت جی فزیکل سائنس کے قایمقام اسسٹنٹ پروفیسری کے عہدہ سے پروفیسری کے عہدہ پر مسٹر اومن کے قایمقام مقرر ہوئے۔ اور اس عہدہ کے کام کو انھوں نے ایسی لیاقت سے انجام دیا۔ کہ ہر شخص نے جس کو ان کے کام کے دیکھنے کا موقعہ ملا پنڈت جی کی تعریف کی۔ ۸۸-۱۸۸۷ء کے سشن میں تمام طلبا کہ جنھوں نے امتحان میں سائنس لی تھی سائنس میں پاس

ہوئے۔ یہانتک کہ وہ لڑکا بھی پاس ہوگیا جس کی نسبت خود پنڈت جی فرماتے
تھے کہ یہ پاس ہونے کے لایق نہیں تھا۔ اس طرح سوشیل حالت میں ایک
درجہ بڑھ جانے پر بھی ان کی محب الوطن طبیعت نے ایک بہت بڑی طاقت کا
اظہار کیا۔ ان کی ڈائریوں کے ملاحظہ سے جو کہ ایک موقعہ پر معرض تحریر میں
آئیں گی یہ بات اچھی طرح سے ثابت ہو جاوے گی۔ اور ویدک کالج کے
متعلق کوششوں سے دوسری طاقت یعنی حب الوطنی کا ثبوت ملیگا۔ ۳۱ جنوری کو
جو لیکچر گوجرانوالہ میں پنڈت جی نے دیا۔ اس کی نسبت آریہ پتر کا یوں رقمطراز ہے
"پنڈت گورودت ودیارتھی ایم۔اے نے دیانند کالج پر ایک نہایت ہی
دلچسپ لیکچر دیا۔ اور اس لیکچر کو انھوں نے یجروید کے اس منتر سے شروع کیا

असुर्या नाम ते लोका अन्धेन तमसा

॥ वृतः ॥

اور ثابت کیا کہ درحقیقت وہی لوگ آتمک گھاتی ہیں جو شاستروں کے احکام کو نہیں
مانتے۔ اور برہمچرج وغیرہ کے قواعد کی پابندی نہیں کرتے اور کہا کہ جو برائیاں
آجکل پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ بچپن میں شادی کرکے برہمچرج کو توڑنے کا نتیجہ ہے۔
اودیا۔ کمزوری۔ بدمعاشی۔ اسی کی اولاد ہیں۔ اور ان امور کی تائید میں سائنٹیفک
دلائل پیش کیں۔ اور سری سوامی دیانند سرستی کی مثال دے کر بیان کیا۔ کہ دیکھو برہمچرج
کا کیا اثر ہوتا ہے۔ کہ اخیر عمر تک دوران خون پورے زور سے ان کے جسم میں
ہوتا رہا۔ اور کسی حواس میں ذرا فرق نہیں آیا۔ اور دوسرا صریح ثبوت یہ ہے
کہ میری جوان بینائی اکی بوڑھی بینائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اور بہت سی

مثالوں سے انھوں نے حاضرین کو بھی اچھی طرح نسشچہ کرا دیا۔ کہ اگر تم شاستروں کو نہیں جانتے ہو اور ان پر عمل نہیں کرتے ہو تو یہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اخیر پر انھوں نے کہا۔ کہ دیانند کالج کے قائم ہونے سے تمہارا یہ نقص جاتا رہے گا کیونکہ وہ ہمت کو ان تمام اصول کی تعلیم دے گا۔ جو کہ انسان کے لئے دنیا میں اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے لئے ضروری اور مفید ہیں۔ لوگوں نے انکی اس اپیل کو گوش دل سے سنا اور ایکہزار کے قریب نقد جمع ہوگیا۔ اگرچہ وعدہ میں اس سے دگنی رقم اور بھی لکھی گئی۔

میں ان طول طویل مضمونوں کو اسس امر کے ثبوت میں لکھتا ہوں۔ کہ ہر دفعہ جب پنڈت جی نے اپنے اس دل پسند مضمون پر لیکچر دیا۔ ایک نئے اور انوکھے طریق سے اس کو نبھایا۔

۲۷۔ مارچ کو انھوں نے اسی مضمون پر جہلم میں ایک ویاکھیان دیا۔ یہاں انھوں نے ویدوں کے الہامی ہونے کے بیان سے ایک ویاکھیان شروع کیا۔ اور ویدک تعلیم کے دوبارہ رواج دینے کی ضرورت پر ختم کیا۔ دو ہزار کے قریب چندہ جمع ہوگیا۔ جس میں سے ایک ہزار نقد تھا۔ اس لکچر کے ذکر میں آریہ پتر کا نے پنڈت جی کو دیانند ویدک کالج کے موید مشہور لکچرار کے لقب سے ملقب کیا۔ جب اس کو چھ ماہ کے قریب گذر گئے تو دیانند کالج کی امداد میں چندہ جمع کرنے کی غرض سے ممالک مغربی شمالی اودھ سے جانے کو ایک ڈیپوٹیشن تیار ہوا۔ اور پنڈت جی بھی اس میں شامل کئے گئے۔

اس ڈیپوٹیشن کے جانیکا خیال ۱۸۸۶ء کے موسم گرما سے شروع

ہوا تھا - لیکن اس سال پنڈت جی نے بدیں سبب کہ ان کے پتا بہت سخت
بیمار تھے جن کے پاس انکا حاضر رہنا بہت ضروری تھا ڈیپوٹیشن کے ہمراہ
جانا منظور نہیں کیا - جس طرح سے کہ پنڈت جی نے اپنی اس ناقابلیت کو
برداشت کیا وہ ان کی اس تحریر سے معلوم ہوتی ہے - جو ۱۰ جولائی ۱۸۹۶ء
کو میرے نام آئی - جس میں پنڈت جی تحریر فرماتے ہیں :-

"میری والدہ بہت کمزور ہیں اور بستر بیماری پر پڑے ہوئے ہیں - وہ
چاہتے ہیں کہ میں ان کے پاس رہوں - میں لاہور میں صرف ایک قائمقامی کے
عہدہ پر ہوں - بلاشبہ اُن کے یہاں آنے پر میں بہت زیر بار ہونگا - اور
باہر نہ جا سکوں گا - سماجک مشن پر میرے جانیکا ارادہ اس طرح پورا نہ ہوسکیگا
حقوق پدری اور فرائض قومی باہم کشمکش میں ہیں دل ٹھکانے نہیں -
ہر تعطیل کے دن ملتان جاتا ہوں - اور واپس آتا ہوں"

اس کے بارہ دن بعد جو انکا خط آیا اسمیں یوں لکھا تھا - کہ

"گورودت ودیارتھی کو افسوس ہے کہ وہ مظفر گڈھ نہیں چھوڑ سکتا - اور شاید
اس کو اپنی پوری تعطیلات گھر پر وہیں گزارنی پڑیں - اس باعث وہ پرچار
کے لیئے باہر جانے سے سخت معذور ہے - میرے پتا سخت بیمار ہیں - اور
وہ ہر وقت مجھے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں - میں نہیں جانتا کہ مجھے انکے
خوش رکھنے کے لیئے کیا کیا قربانی کرنا ہونگی"

اس خط سے دو چار فقرے اور دیئے جاتے ہیں - جن میں اصلاح کے
متعلق بہت عمدہ خیالات پائے جاتے ہیں - اور جو مجھے ہمیشہ ان کو بہت عمدہ نصائح
دلپذیر دیتے ہیں - چنانچہ وہ لکھتے ہیں "لالہ جیت رائے کیا تم کسی اور مستقل تجویز کا

خیال نہیں کر سکتے جو تم کو قومی کام کرنے میں مدد دے۔ تم حصار
ز ہتنک میں کیا کر رہے ہو۔ زندگی اس طریقہ سے کہ جس میں تم
اس کو بسر کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہو گذارنے کے قابل نہیں ہے۔
کیا وہاں پر تمہارے کوئی محب، دلی ہیں۔ اگر ہیں تو خوش رہو
اور مبارک ہو۔ کیا تم کو وہاں پر اپنے ملک کو بہتر حالت میں لانے
کی کوئی امید بن پڑتی نظر آتی ہے۔ میرے خیال میں ایسا باور کرنا بیہودہ
پن ہے۔ کیا تم کو اپنی طبیعت کے بجاؤ بڑھانے کے موقعے وہاں پر
حاصل ہیں۔ تمہارے دل بھانے والی فصاحت کا تاج گر گیا۔ اور
ایک نامردانہ سی آواز اس کی جگہ قایم ہوئی۔ میں تمہارے خانگی حالات
کو اچھی طرح خیال کرتا اور سوچتا ہوں۔ اگر ممکن ہو تو ملک اور قوم کی
بہتری کی تدابیر سوچو۔ شہرت ایک عجیب و غریب ترغیب ہوتی ہے
لیکن اے میرے پیارے دوست شہرت کے پیچھے مت مرو۔ ملک
کے اصلی اور حقیقی فائدے کی کوشش کرو۔ بغیر اس خیال کے کہ تم اپنے
کو اس سے زیادہ دکھلانے کی کوشش کرو جس قدر کے کہ تم مستحق ہو اور
کچھ پروا نہ کرو۔ کہ اگر تمکو اس کا نتیجہ اتنا نہ ملے۔ جتنا کہ تم مستحق سمجھتے ہو

چپ چاپ کام کرتے چلے جاؤ۔ آئندہ نسلوں
میں تم ذکر خیر سے یاد کئے جاؤ گے۔ اور یہی تمہارا
بہترین انجام ہوگا۔

نسل موجودہ ایسی نسل نہیں ہے کہ جس سے تم کو شہرت کے مندر میں داخل ہونے کا در مانگنا چاہیئے۔ اُس شخص کی حالت بہت افسوسناک ہے کہ جو محض شہرت کا طلبگار ہو کر ظاہری اور بناوٹی تحفہ تحائف سے اس دیوی کے پیچھے چلتا ہے ''

بیشک یہ الفاظ سنہری حروف میں کندہ کئے جانے کے مستحق ہیں۔

دیانند کالج کے لیے مشن پر جانے کی خواہش کا اظہار مینیجنگ کمیٹی کے ایک رزولیوشن میں ہوا تھا۔ اور اس کے زیر حکم ڈیپوٹیشن بنائے گئے تھے۔ لیکن خوبیٔ قسمت سے وہی مصیبت کہ جو سنہ ۸۶ء میں پنڈت جی کے جانے میں سد راہ ہوئی۔ پھر سنہ ۸۷ء میں بھی ظاہر ہوئی اور پنڈت جی کے والد سخت بیمار ہو گئے اور ان کو اپنے بزرگ پتا کی وفات کا خوف دامنگیر ہوا۔ اُس مبارک باپ نے اپنے عزیز فرمانبردار بیٹے کو خوشی سے اجازت دی کہ وہ اس مشن کے لیے جاوے۔ وہ بیٹا بھی مبارک تھا جس کو ایسا باپ ملا تھا۔ اور وہ باپ بھی دھنباد کے لائق تھا جس کو ایسا مشہور اور لائق محب وطن پسر خدا سے مرحمت ہوا۔ جولائی اور اگست میں وہ ملتان سے جہاں کہ انکے پتا تھے متواتر آتے جاتے رہے۔ اور جہاں تک ممکن ہوسکا اپنے پتا کے آرام کے لئے بھی انھوں نے انتظام کیا۔

۴ ستمبر کو ڈیپوٹیشن لے ہمراہ روانہ ہوئے۔ لاہور سے روانگی کے وقت اس گاڑی میں لالہ لالچند ایم۔اے اور لالہ مدن سنگھ بی۔اے۔ لالہ جوالا سہائے صاحب اور پنڈت جی تھے۔ دہلی کو جاتے ہوئے لالہ دوارکا داس ایم اے بھی شامل ہو گئے۔ اور دہلی میں خاکسار بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ مجھکو

یاد ہے کہ جب ہم دہلی میں تھے تو پنڈت جی کو ہر وقت اپنے پتا کے سورگ دہام
ہونے کی خبر سننے کا اندیشہ دامنگیر رہتا تھا۔ اور ان کو ایسی سخت فکر اور
تشویش رہتی تھی۔ کہ تقریباً ہر روز اُن کی صحت کی خبر سننے کے لئے تار
دیا کرتے تھے۔

اس ڈیپوٹیشن کا کام زیادہ تر لوگوں کے گھروں پر جا کر چندہ کی درخواست
کرنا تھا۔ اگرچہ ہر مقام پر لیکچر بھی دئے جاتے تھے۔ لیکن چندے کی اپیل
پبلک جلسوں میں پیش نہیں کیجاتی تھی۔ ان لوگوں کے گھروں پر جا کر اپنی اس
درخواست کا اظہار کرتے اور پھر وہاں ان کی سخاوت اور فیاضی کی امید
پر منتظر بیٹھے رہنے وغیرہ کی تکلیفات کو وہی جان سکتے ہیں۔ جو کبھی اس
قسم کے کاموں میں شریک ہوئے ہوں۔

اس چند روز کے تجربہ سے جو مجھکو دہلی میں ہوا میں یہ کہہ سکتا ہوں
کہ یہ کام بہت ہی ناگوار کام تھا۔ بشرطیکہ قوم اور ملک کی بہبودی
کی غرض سے نہ ہوتا۔ گالیاں۔ طعن اور تشنیع اور دلخراش الفاظ ان
لوگوں کا انعام اور حق الخدمت تھے جو قومی بہبودی کے لئے بھیک
منگے بنے تھے۔ یا جنھوں نے اپنی ذاتی عزت و دنیوی حیثیت کو قومی
بہبودی کے لئے اس خیال سے خاک میں ملانا منظور کیا تھا۔ کہ ان کی
قوم بھی دنیا میں ایک اعلیٰ قوم کہلانے کی مستحق ہو۔ میں جو کہ بدقسمتی
سے بباعث بیمار ہو جانے کے دہلی سے واپس چلا آگیا۔ اس اولوالعزمی
اور بلند حوصلگی کا پورا پورا اظہار نہیں کر سکتا جو ان لوگوں سے اس
موقعہ پر ظاہر ہوئی۔ اور جس سے اُنھوں نے اس کام کو نبھایا۔ لیکن ان

رپورٹوں سے جو لالہ مدن سنگھ صاحب بی۔اے کے قلم سے آریہ پترکا میں شایع ہوئیں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ اس ڈیپوٹیشن نے پنجاب آریہ سماجوں کی عزت رکھ لی۔ اور پنڈت گورودت ودیارتھی ایم۔اے اور لالہ دوارکا داس صاحب کے لیکچروں نے ہر اس شخص سے جو اس کا سامع ہوا مدح اور ثنا حاصل کی۔

تقریباً ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں مقامات مفصلہ ذیل میں یہ ڈیپوٹیشن گیا اور زاید از پانچہزار روپیہ لایا۔

علیگڈھ ۔ بریلی ۔ مرادآباد ۔ لکھنؤ ۔ بنارس ۔ الہ آباد ۔ کانپور فرخ آباد۔ فرخ آباد سے کچھ نہیں لیا گیا۔ کیونکہ جو رقم وہاں پیش کی گئی۔ وہ عطاکنندگان کے رتبہ و حیثیت سے کمتر تھی۔ اور علاوہ ازیں ممبران ڈیپوٹیشن فرخ آباد میں زیادہ اس لئے گئے تھے۔ کہ وہ فرخ آباد کے آریہ سبھاسدوں کی اندرونی نااتفاقی کو اتفاق میں تبدیل کریں۔ ممالک مغربی شمالی کے بہت سے ہال پنجابی ڈیپوٹیشن کے صاف اور مضبوط اور دلکش نعروں سے گونج اُٹھے۔ اس ڈیپوٹیشن کے اخراجات کا مینیجنگ کمیٹی نے ذمہ لے لیا تھا۔ لیکن ممبران ڈیپوٹیشن میں سے کسی صاحب نے خرچ لینا منظور نہ کیا۔ اور ہر ایک صاحب اپنے خرچ کا آپ متحمل ہوا۔ ۲۹۔ اکتوبر کو یعنی ڈیپوٹیشن کی واپسی سے چند روز بعد ہی ہم اس ان تھک روح کو راولپنڈی سماج کے سالانہ جلسہ پر شامل ہونے کے لئے پھر بر سر سفر پاتے ہیں۔ جہاں کہ اس نے دو فاضلانہ لیکچر دیئے جن میں سے ایک سوکھشم شریر پر تھا اور دوسرے میں رگوید کے پہلے دو منتروں کی ویاکھیا کی تھی۔ پچھلے

لیکچر کے اثنار میں انھوں نے حاضرین کی خدمت میں اپیل کی۔ اور اُن سے درخواست کی کہ سامعین روحانی ترقی کے لئے خاص توجہ کریں۔

راولپنڈی آریہ سماج کے جائنٹ سکرٹری کی رپورٹ سے جو جلسہ میں شامل تھا۔ میں مفصلہ ذیل فقرہ اخذ کرتا ہوں جس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ پنڈت جی نے اپنا لیکچر ختم کیا۔ اُنھوں نے فرمایا۔ کہ اگر آپ لوگوں کو یہ یقین ہے کہ آپ کے اندر کوئی آتما ہے۔ اور اگر آپ کو یہ بھی یقین ہے کہ آپ کی زندگی اس بیرونی نقشہ کے بکھر جانے سے ختم نہ ہو جائے گی۔ اور کوئی چیز ان کے اندر ایسی ہے جو اجسام کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گی۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی یہ فنا ہونے والی آتما ترقی کرتی چلی جائے۔ اور اس بات سے بھی واقف ہیں کہ علم اور لیاقت کے حصول سے یہ غرض حاصل ہو سکتی ہے۔ تو آپ ضرور دیانند اینگلو ویدک کالج کی امداد کریں گے۔ کیونکہ روح کی ترقی تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ غرض ہے۔ اس لئے تمام ہندو، مسلمان و عیسائیوں کو اس کار خیر میں شریک ہونا چاہیے"۔

اس اپیل کا نتیجہ ایک ہزار دو سو ترپن روپیہ ۴ر ۶ پائی تھا۔ جو اُسی وقت وصول ہوا۔

پنڈت جی کے پتا کا دیہانت

پنڈت جی جونہی کہ لاہور پہنچے۔ ایک رات بھی آرام نہ کیا تھا کہ تار برقی نے

ان کو اپنے پیارے پتا کی موت کی خبر وحشت اثر سنائی جس کے جواب میں
پنڈت جی نے فوراً اپنے رشتہ داروں و ملازم کو تار دیا۔ کہ وہ اُن کے پتا کے
جسم کو ان کے آنے تک بجنسہ رکھیں۔ اور خود فوراً ملتان کو چل دیئے۔ تمام
رسمیات ویدک ریتی کے مطابق کی گئیں اور آپکے ایسا کرنے میں صرف ایک
ہی رکاوٹ تھی۔ کہ جسکا ان کو خوف تھا۔ کہ مبادا انکی ماتا کے خیالات اُنکے
مقابلہ میں نہ آجائیں۔ برادری کی مخالفت کی وہ بالکل پرواہ نہ کرتے تھے۔
اور ہم خوشی سے لکھتے ہیں کہ اُنکی والدہ نے بھی ان کے ارادہ میں مزاحمت نہ
کی۔ جس ہمت اور اخلاقی دلیری سے کہ انھوں نے اس موقعہ پر کام لیا۔ وہ
آریہ پتر کا مورخہ ۱۵ نومبر ۱۸۸۶ء کے پرچہ سے اخذ کئے ہوئے مفصلہ
ذیل فقروں سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایڈیٹر نے اوّل اس حادثہ پر ان سے ہمدردی
ظاہر کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہمارے بھائی نے اس موقعہ پر دلیری سے
کام کیا۔ اور اپنے والد کا مرتک سنسکار ٹھیک کتاب الٰہی کے احکام کے
مطابق کیا۔ اور ہر چند اُنکی برادری نے جس میں ملتان کے بہت سے مقتدر
اور بارعب اصحاب شامل تھے ان کو ہمیشہ کے لئے برادری سے خارج
کردینےکی دھمکی دی۔ مگر انھوں نے انکی ان بیہودہ دھمکیوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔
اور صاف طور پر یہ کہا کہ آپ جو چاہیں سو کریں۔ مگر میں اپنے ارادہ کو تبدیل
نہیں کرسکتا۔ اور اپنے والد کی میت کی رسوم ویدک ریتی سے کرونگا۔ برادری
نے بار بار خفا ہوکر بہت سی دھمکیاں دیں۔ مگر وہ اپنی جگہ سے مطلق نہ ہلا۔ اور
اس طرح بے پرواہ ہوکر ایسا کام کیا جیسا کہ ایک آریہ کو کرنا چاہیئے تھا غرضکہ
سنسکار کے مطابق لاش کو جلتی ہوئی دیکھنے کے شوق میں سینکڑوں مرد وزن جمع

نزدیک یہ کارروائی انوکھی تھی - مردہ کے ساتھ شمشان بھومی تک گئے -
اس انبوہ کثیر میں بہت حصہ اُن لوگوں کا تھا جو ممبران برادری سے نزدیک یا
دور کا تعلق رکھتے تھے اور اگرچہ لوگوں کو اس طرح پر شامل ہونے سے روکنے
میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا - یہانتک کہ بعض صورتوں میں مارپٹائی
بھی ہوئی - مگر تاہم اس نئی کارروائی کے دیکھنے کا شوق اس زور سے بڑھا ہوا
تھا کہ تمام قیود کو توڑ کر تمام لوگوں نے مرتک سنسکار کو دیکھا - ہمارے بھائی کی
اس دلیرانہ کارروائی کا عمدہ اثر ہوا جسکو سماجک و غیر سماجی لوگوں نے بھی محسوس کیا - اور
اس موقعہ پر پنڈت جی کی مردانہ طریقہ نے نام ماتر آریہ پرشوں کو یہ دکھلا دیا کہ آریہ نام بھی
کچھ وقعت رکھتا ہے - یعنی اس نام کے گرہن کرنے سے وہ بعض فرائض
کا ذمہ وار بنتا ہے - اور پبلک و پرائیویٹ معاملات میں تمام نقصانات
کو برداشت کر کے ایک خاص طریقہ کی پیروی کی پرتگیا کرتا ہے - اور بیرونی لوگوں کو
یہ ثابت ہوا کہ آریہ لوگوں میں مضبوطی عمل بھی ہے اور جانتے ہیں کہ کسطرح صداقت کو
قایم رکھنا چاہئے - اندازاً ان رسومات کی ادائگی میں ہمارے بھائی کو دو سو روپیہ خرچ کرنا پڑا -
حالانکہ معمولی طور پر لاش کو داہ دینے کیلئے صرف بائیس روپیہ سے زیادہ نہ صرف ہوتا -
اپنے پتا کا مرتک سنسکار کرتے ہی پنڈت جی فوراً لاہور کو واپس آئے جہانکہ
لاہور آریہ سماج کے دسویں سالانہ جلسہ کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں - اسموقعہ
پر انھوں نے دو ویاکھیان دئے ایک سبھا میں دیانند کالج کی امداد میں
اور دوسرا انگریزی زبان میں **مسئلہ تثلیث** پر ہم ان لکچروں میں موجود نہیں تھے
اسلئے انکی بابت مفصلہ ذیل فقرات اخبار آریہ پترکا سے اخذ کرتے ہیں - جو رقمطراز ہے -
"یہ کوشش کرنا کہ جس جوش و گہرے خیالات سے پنڈت جی نے اس موقعہ پر تقریر

کی۔ اس تقریر کی ناظرین کے سامنے کچھ بھی تصویر کھینچی جاوے یہ ایک امر محال ہے
ان کی اثنائے تقریر میں ایک عالم خموشی تھا۔ اور تقریباً یا کچھ ہی کم تین ہزار کا مجمع
ہو رہا تھا۔ ان کے ہر ایک فقرہ میں صداقت اور شوق کی گونج پائی جاتی
تھی۔ اُن کے قول ایسے ہردے سے نکلتے تھے جو اُن کے معنوں کو اچھی
طرح سے انوبھو کرتا تھا۔ اُن کے لہجہ اور اُنکی زبان سی بلاشبہ یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ
اس کو اپنی ہر ایک قول پر وشواش ہے۔ ایسی جذبہ مقناطیسی پیدا کرنیوالی
سپیچ کبھی ہمارے سننے میں نہیں آئی۔ درحقیقت جو بات کہ دل سی کہی جاوے
وہ باوجود اپنی سادگی کے اس اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت سے کہیں بڑھکر
ہوتی ہے جو اوپری دل سی بغیر اس کے کہ کہنے والیکا دل اُس کی صداقت کو
محسوس کرتا ہو کہی جاوے۔ انھوں نے بہت سی موقعونپر سوامی دیانند سرسوتی کی
زندگی کے واقعات کو بیان کرکے اپنے خیالات کو حاضرین کے دل پر نقش کیا۔ بہت
سے اشخاص کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہوئے دیکھے۔ ہمارے اخبار میں کافی
گنجائش نہیں کہ ہم اس لکچر کا خلاصہ بھی ہدیہ ناظرین کرسکیں۔ یہ کہنا کافی ہے کہ اُنکا لکچر ایک عجیب
وغریب لکچر تھا۔ انکے لکچر کا خلاصہ دیانند اینگلو ویدک کالج تھا۔ جو بقول اُنکے اُن ابدی
صداقتوں کی یادگار میں قائم کیا جا رہا ہے جنکا سوامی جی نے اپنے جیون میں پرچار کیا
انھوں نے کہا کہ یہ صرف ان صداقتوں کی یادگار قائم ہو رہی ہے۔ نہ
کسی چیز کی جو ان صداقتوں سے بھن یعنی علیحدہ ہو۔ انھوں نے کہا یادگار
سوامی دیانند کی ذات کی نہیں ہے بلکہ ان مذہبی اور اخلاقی اصولوں کی ہے
جن کا پرچار کرنا سوامی نے اپنی تمام زندگی میں اپنا اعلیٰ درجہ کا ادیشیہ سمجھا تھا
جو کوئی ان ابدی صداقتوں اور کبھی نہ تبدیل ہونیوالی اور کبھی نہ فنا ہونے والے مسائل

ہی کی قدر کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ دیانند اینگلو ویدک کالج کے فنڈ
یں مدد دے۔ لکچرار نے کہا جو لوگ میرے خیالات سے متفق نہیں ہیں
ن سے میری درخواست نہیں ہے کہ ایک کوڑی سے بھی دیانند کالج
ی مدد کریں۔ کیونکہ میں ہر قسم کی ظاہرداری سے سخت نفرت کرتا ہوں۔
لکچرار نے اپنا لکچر نہایت زور شور کے چیرز میں ختم کیا۔ قریب پانچہزار روپیہ
کے اس موقعہ پر چندہ ہوا جس میں سے چار ہزار ایک سو اٹھائیس اُسی
ت وصول ہوئے۔ انگریزی لکچر کی بابت اخبار مذکور لکھتا ہے +

اس لکچر میں پنڈت صاحب کو پوری کامیابی ہوئی اور خلاصہ اُس کا
یہ تھا کہ کوئی دھرم قابل یقین اور درست نہیں ہو سکتا۔ جب تک ابدی
پدارتھوں یعنے پرکرتی جیوآتما اور پرماتما کی موجودگی کا اُپدیش نہ دیتا ہو +

اگلے ماہ میں اُنہوں نے چار لکچر دئے جنمیں سے تین انگریزی زبان
میں تھے اور ایک بھاشا میں۔ ان میں دو لکچر انگریزی زبان میں مقام
لاہور میں دئے گئے ایک اندرونی زندگی کی اصلیتوں پر تھا۔ یہ بشکل
رسالہ چھپ کر مشتہر ہو چکا اور کسی دوسرے موقعہ پر ہم اس کا ذکر کرینگے
اور دوسرا زندگی کے اودیش پر تھا۔ باقی دو لکچر مقام اجمیر میں دئے
گئے۔ ایک صداقت پر اور دوسرا آریہ سماج کے وشے پر +

میں اِن دونوں اجمیر کے لکچروں میں موجود تھا۔ اور یقین سے کہہ
سکتا ہوں کہ اُن میں سے پہلا ایک نہایت اعلےٰ درجہ کی فضیلت کا
لکچر تھا۔ اس لکچر کے مضمون سے اُنہیں خاص لگاؤ تھا۔ کیونکہ اُن کو
ہر قسم کی حکمت عملی و چالبازیوں سے سخت نفرت دلی تھی۔ اور وہ زندگی

کی شدھتا پر بہت زور دیتے تھے اس لکچر نے سامعین کے ہردے
چھیدن کر دئے۔ اور بہت سے بھائیوں کو بربادی کی گہری غار میں
گرتے ہوئے بچایا۔

دوسرے لکچر کا زور بہت سا اس وجہ سے کم ہوگیا تھا کہ وقت مقررہ
سے پہلے ہی پنڈت جی کو کسی قدر حرارت ہوگئی تھی۔ مگر تاہم یہ ناسازگی
طبیعت اُن کے لکچر دینے کے سدراہ نہ ہوئی۔ اور انہوں نے وقت
مقررہ پر قریباً ایک گھنٹہ بھر تک لکچر دیا۔

ان لکچروں کا ذکر کرتے ہوئے ہم یہ بھی ذکر کر دیتے ہیں کہ اس موقعہ
پر مؤلف و لالہ سائینداس جی مرحوم۔ لالہ ہنسراج۔ اور لالہ جوالا سہائے
اجمیر میں بموقعہ جلسہ پراوپکارنی سبھا گئے تھے اور انہیں دنوں انہوں نے
آشرم کا بنیادی پتھر رکھا گیا تھا۔ پشکر سے جہاں سیر کے لئے گئے تھے
واپسی کے وقت قریباً ۲۰۰ سبھا سد جو دیگر صوبجات سے شامل ہوئے
تھے پنجاب کے آریہ سماجوں کی فخر کی سادگی طبیعت کو دیکھ کر بہت حیران
ہوئے۔ ممالک مغربی شمالی کو خصوصاً اس بات پر ذرا حیرانی ہوئی کہ
پنجاب کے سبھاسدوں نے جن میں سے سب معزز صاحب تھے۔ چنے
اور گڑ کھانے کی رغبت ظاہر کی۔ پہاڑی سے اترتے ہوئے جو بھوک
تیز معلوم ہوئی۔ تو کھانے کے لئے ایک دکان پر سے جسمیں مٹھائی اور
چنے موجود تھے چنے اور گڑ لے لیا کیونکہ دیگر مٹھائی میلی تھی۔ اجمیر سے
روانہ ہوکر جے پور ٹھیرے۔ جہاں جنتر منتر کی جو مہاراجہ جے سنگھ سوائی
کے بنائے ہوئے ہیں ابھی سیر کی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ جگہ کسی

وقت اچھی علمیت کی جا تھی - اُس مقام میں بہت سے ثبوت اُس تنزل کے پائے جاتے تھے۔ جس نے ہندو لوگوں کو اعلےٰ درجہ کی علمی ترقی سے گرا کر اُن کے نام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا +

۱۸۸۸ء کے جنوری کی ۸ تاریخ کو پنڈت صاحب نے لاہور آریہ سماج کے مندر میں ایک ایسے مضمون پر ویاکھیان دیا جو کئی طرح سے غور طلب ہے۔ انہوں نے اپنے اس لکچر میں یہ خیال باندھا کہ کرشن جی مہاراج واقعہ میں کوئی منش نہ تھے بلکہ صرف فرضی نام ہے۔ اس لکچر کی بابت ہم آریہ پترکا مورخہ ۳۱ جنوری ۱۸۸۸ء سے حسب ذیل اخذ کرتے ہیں۔

اس لکچر کا وشے کچھ نرالا ہی تھا۔ لکچرار نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کا یہ خیال کہ کرشن جی ایشر کا اوتار تھے اور کہ ان میں معجزات دکھلانے کی طاقت تھی۔ یا یہ کہ انہوں نے ایک خاص قسم کے طریقہ فلسفہ کی تعلیم دی یہ بالکل لچر ہے اور اسی ضمن میں لوگوں کے ایک اور عام خیال کی بھی تردید کی گئی۔ یعنے کہ کرشن جی نے مہابھارت کے مشہور (ہیرو) جانباز بہادر سپہ سالار ارجن کو ایک طرح مہابھارت کے یُدھ کے لئے ترغیب دی اور اس طرح سے اصل میں سری کرشن جی بھی آریوں کے تنزل اور ہندوستان کی موجودہ گری ہوئی حالت کا باعث ہوئے لکچرار نے بیان کیا کہ یہ خیال سری کرشن جی کی اصلی تعلیم کو غلط سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دوسرا جنم یعنے منش کا روحانی جنم کیا ہے۔ وہ اصل میں پرماتما تک پہنچنے کا نام ہے۔ منش دُنیا اور اُس کی

اصلیت پر وچار کرتا ہوا بہت سی منزلیں طے کرتا ہے - ہر ایک منزل میں باقاعدہ طور پر اس کے عقلی حصہ کو اُس کے روحانی خیالات کے ساتھ لڑائی کرنی پڑتی ہے - اور بہت دقتوں کے بعد وہ اپنے اصلی حصہ پر غالب آتا ہے جبکہ پرماتما کا گیان جو عقل سے حاصل ہونا محال ہے واقعہ میں ایک روحانی نظارہ (انوبھو) ہو جاتا ہے -

(مولف) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی نے اس اس موقعہ پر دوسری عبارت میں یہ خیال ظاہر کیا - کہ جب تک منش کا پرماتمک گیان عقل کے بھروسہ پر رہتا ہے تب تک اصل میں اُس کو ایشور پراپتی نہیں ہوتی - ایشور پراپتی جب ہی ہوتی ہے جبکہ وہ تمام یکتیوں پر غالب آکر اپنی آتما میں ایشور پراپتی کے پرمانند کو انوبھو کرتا ہے اور سچی بھگتی اور پریم سے مست ہوتا ہے - یہ وہ حالت ہے جو سچے روحانی آنند کو پہنچاتی ہے -

لایق لکچرار نے کہا کہ گیتا جو سری کرشن کے تمام اُپدیشوں کا خلاصہ ہے سر بسر یہی سکھشا (تعلیم) دیتی ہے اور اسلئے لوگوں کے جملہ خیالات متذکرہ بالا جو سری کرشن کی بابت پر چلت ہیں در اصل بے بنیاد ہیں - اور گیتا کے مختلف حصے اُن مختلف منزلوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں انسان کو بیشتر اس کے کہ وہ انسانیت کی اعلیٰ پدوی کو حاصل کرتا ہے - گذرتا ہے - لکچرار نے کرشن اور اُن کے حالات کی حضرت عیسےٰ اور اُن کے حالات سے مطابقت کرنے کی کوشش کی اور بیان کیا کہ جو لوگ یورپین ممالک میں جا کر آباد ہوئے وہ بوجہ اپنی دیرینہ علیحدگی کے شری کرشن

کی سکھشا یعنی تعلیم میں سے چند مجمل خیالات اپنے ہمراہ رکھتے تھے۔ جن کا انجیل میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ اِن خیالات میں بہت سے لوگوں کو لکچرار کے ساتھ اتفاق نہ ہوگا اور شاید صاحب اڈیٹر آریہ پتر کا بھی منجملہ اُن کے ایک ہیں۔ مگر یہ خیالات کیسے ہی انوکھے کیوں نہ معلوم ہوں۔ خصوصاً ہندؤں کو جن کو کرشن۔ ارجن۔ اور مہابھارت کے دیگر نامی اشخاص کے کارنامے گاتے ہوئے صدہا سال گذر گئے۔ اور جو آج تک اُن کے کارناموں کو ٹھیک اور درست مانتے چلے آئے ہیں یہ خیال کیسے ہی نئے کیوں نہ معلوم دیں۔ مگر جو لوگ کہ زمانہ کی لہر کی طرف خیال رکھتے ہیں اور اخبارات اور نئی تحقیقاتوں کو جو دن بدن ہوتی ہیں پڑھتے رہتے ہیں وہ تھوڑے وچار سے بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے دوست کے یہ خیال بالکل پوچ تھے۔ ہماری رائے میں یہ خیالات مہابھارت کے آیندہ محققین کے ہاتھ میں پورے طور پر غور کرنے کے قابل ہیں۔

اسی مہینے کی ۲۰ تاریخ کو انہوں نے امرتسر آریہ سماج کے سالانہ جلسہ پر ایک بہت بڑے مجمع میں سامعین کے سامنے ویدک تلقین کی خوبیوں پر ویاکھیان دیا۔ اپنے معمولی طریق سے انہوں نے ایک یا دو منتروں کی ویاکھیا سے شروع کیا۔ اڈیٹر صاحب آریہ پتر کا تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ ویاکھیا اسقدر فضیلت و اسقدر سچے جوش اور علمیت کی بھری ہوئی تھی۔ کہ ہر ایک لفظ حاضرین کے دلوں میں جگہ پکڑتا جاتا تھا۔ اس لکچر کی رپورٹ آریہ پتر کا مورخہ ۷۔ فروری ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی ہے اور ہم اس میں

سے مفصلہ ذیل فقرات اُن لوگوں کے فائدہ کے لئے نقل کرتے ہیں جن کا
درڑھ نشچیہ یعنی یقین واثق ہے کہ جو لوگ مصلحان قوم بننے کا دعوے رکھتے
ہیں اُن کیلئے لازمی ہے کہ اگر وہ اپنی کوششوں سے مثمر ہونے کی خواہش
رکھتے ہیں تو پہلے وہ خود اپنی اصلاح کریں۔ اُنہوں نے فرمایا۔
کہ ممکن نہیں ہے کہ جو شخص ویدوں میں سچا وشواش و علم رکھتا ہو
وہ ٹھیک مُنش دھرم کو پالن نہ کر سکے۔ جس شخص کو پیاس ہوتی ہے وہ
اپنی پیاس بجھانے کیلئے سیدھا اُسجگہ کو دوڑتا ہے جہاں سے پانی دستیاب
ہو سکے۔ اور تم اُس کو کتنی دلیلیں دو کہ پانی سے تمہاری پیاس نہیں
جاویگی وہ تمہاری ایک نہ سُنیگا۔ اور سیدھا اسجگہ پہنچکر پانی پیئے گا۔ اسی
طرح سے اگر لوگوں کو یہ سچا وشواش ہو کہ ویدوں میں ایک سرے سے لیکر
دوسرے سرے تک سوائے سچائی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور اگر وہ
اس امر واقعہ کو بخوبی انوبھو کر لیں تو کچھ شک نہیں کہ وہ کبھی پایہ صداقت
سے نہ گریں۔ اور وہ کبھی کوئی فعل خلاف احکام وید نہ کریں۔ آریہ سماج
نے ابھی تک اسقدر ترقی نہیں کی جسقدر کہ اُس کو کرنی چاہیئے تھی جس
کا سبب فقط یہ ہے کہ آریہ سماج کے اکثر سبھاسدوں نے جو اگرچہ ویدوں میں
اعتقاد رکھنے کا دعوے کرتے ہیں کبھی اپنے وشواش کی گہرائی کو انوبھو نہیں
کیا۔ کیونکہ اگر وہ اُسکو انوبھو (محسوس) کرتے تو وہ ضرور آج اپنی موجودہ اوستھا
سے بہتر ہوتے۔ اُس نے زور سے سامعین سے درخواست کی کہ دیکھو سچے
معتقد ایسے ہوتے ہیں جیسے کہ سوامی دیانند سرسوتی۔ لکچر کے خاتمہ میں
اُنہوں نے ایک مضبوط اور دلسوز اپیل واسطے امداد دیانند اینگلو ویدک کالج

جس کا نتیجہ یہ ہوا - کہ دھائی ہزار روپیہ نقد اُسی وقت جمع ہوا - ایک امر
تذکرہ یہ ہے کہ اس رقم میں قریبًا بارہ روپیہ طلبار مشن سکول اور قریبًا
روپیہ طلبار اسلامیہ اسکول کے شامل تھے -
اس سال دیانند انگلو ویدک ہائی اسکول لاہور پنجاب یونیورسٹی کے
ان انٹرنس میں تمام صوبہ میں اول نمبر پر رہا اور عوام الناس کی طرف سے
اہش ظاہر کیگئی کہ کالج کھولا جاوے - اور آگے کی پڑھائی کے لئے
تظام کیا جاوے پنڈت جی نے زور سے اس خواہش کی تائید کی اور
یں ان کو لالہ سائیں داس کی سادہ مگر نہایت مضبوط اور خاموشی کی
سے زیادہ مصیح رائے کا سہارا تھا منیجنگ کمیٹی کا ایک باوقر حصہ
لالہ لال چند ہمارے لایق پریسیڈنٹ کے اس خیال کے اسلئے مخالف
کہ یہ کرنا ابھی قبل از وقت ہوگا - منیجنگ کمیٹی کے جس جلسہ میں یہ
ہو کر اس پر مباحثہ ہوا وہ قابل دید تھا - ہر ایک ممبر دیانند اینگلو ویدک
کمیٹی کا اپنا دلی شوق اور اُتساہ ظاہر کرنے کیلئے سب سے بڑھ کر تھا -
کمیٹی میں دو فریق نظر آتے تھے - راقم بھی منجملہ اُن اشخاص کے تھا جو
کے فورًا کھولدینے کی تائید کرتے تھے - مگر مخالفوں میں بھی کالج کے
ت ہی معزز اور سربرآوردہ سرپرست شامل تھے - آخر کار ووٹ نے
سائیں داس اور اُن کے ہمراہی ممبران کی تجویز کے حق میں فیصلہ دیا اگرچہ
ایک رائے کی کثرت سے یہ فیصلہ ہوا مگر دراصل یہ نتیجہ محض ایک
اق وقت تھا کیونکہ رائے لینے سے قبل ایک صاحب جو مخالفین میں تھے
گئے تھے - اگر وہ بیٹھے رہتے اور رائے دینے میں شامل ہوتے تو پھر

پنڈت صاحب کی آخری دورے کی بدولت لازمی تھا کہ یہ تجویز اُس روز گرجاتی
کیونکہ ۱۲ ممبران کی رائے تجویز کے حق میں تھی اور جو صاحب چلے گئے اُن کی رائے
کے شمول سے ۱۳ رائے ہی مخالف تھیں تجویز کے عملدرآمد کے لئے فوراً ایک
سب کمیٹی بنائی گئی اور اُس میں پنڈت گورودت بھی شامل ہوئے - اس موقع
پر ہم لالہ لال چند کے حوصلہ کی تعریف کئے بدوں نہیں رہ سکتے کہ باوجود
اس کے کہ مباحثہ میں انہوں نے نہایت زور سے اُسی تجویز کی مخالفت کی
تھی - مگر کثرت رائے سے منظور ہونے پر فوراً کثرت رائے کے فیصلہ کو قبول
کر کے اُس کی تعمیل کے لئے سب کمیٹی میں شامل ہونا منظور کیا - ایک خاص
فہرست ماہواری چندہ کے واسطے امداد کالج کی جماعتوں کے اسی وقت کھولی
گئی - جس میں لالہ جوالا سہائے نے ۵۰ روپیہ ماہواری دینا منظور کیا -
پنڈت گورودت نے بھی ایک سال کے لئے ۱۰ ماہواری دینے کا وعدہ
لکھایا -

آخر کار کالج کی جماعت اول کھل گئی اور پنڈت گورودت ودیارتھی نے
ریاضی اور علوم طبعیات پڑہانے کے فرایض سویکار کئے - ریاضی کی تعلیم کا
کام انہوں نے صرف تھوڑے دنوں تک انجام دیا جب تک کہ ایک لائق
ریاضی دان ریاضی پروفیسری کے لئے دستیاب نہ ہو گئے - سائنس وہ چند
ماہ تک پڑہاتے رہے - طلبا کیوں نہ ایسے پروفیسر پر فخر کریں جو پنجاب میں
سب سے اعلےٰ درجہ کا سائنس دان شمار کیا جاتا ہو - اور جو گورنمنٹ کالج میں
قائمقام سائنس پروفیسری کی پدوی پر نیت ہو -
اس سال کے موسم گرما میں پنڈت جی نے لاہور آریہ سماج کے منا

میں ایک سلسلہ لکچروں کا شروع کیا جس کو سننے کیلئے کثرت سے لاہور کے تعلیم یافتہ اصحاب مجتمع ہوا کرتے تھے اور جن کی بڑی غرض یہ تھی کہ لوگوں پر خصوصاً انگریزی دان نوجوانوں پر جو انگریزی زبان میں سنسکرت کی تصنیفات کے ترجموں کو کلام الہی مانکر اپنے ملک اور ملت کا مضحکہ اوڑانے کیلیے آمادہ ہو جاتے ہیں - ظاہر کیا جاوے کہ ان انگریزی ترجمونکے مترجم زبان سنسکرت میں کس درجہ کی لیاقت رکھتے ہیں - اور اُن کے ترجمہ اور دیگر تصنیفات متعلق سنسکرت کس وقعت سے دیکھے جانے کے قابل ہیں اگرچہ بدقسمتی سے میں ان لکچروں سے فیضیاب نہیں ہوا - مگر میں نے بہت سے لایق ذی عزت اور باوقر لوگوں کی زبان سے معلوم کیا ہے کہ یہ تمام لکچر بہت لیاقت سے ادا کیئے گئے - ۲۴ - جولائی ۱۸۸۸ء کا پرچہ آریہ پتر کا مفصلہ ذیل شہادت ان لکچروں کی نسبت دیتا ہے -

ہمارے وودان بھائی پنڈت گورودت ودیارتھی ایم - اے لاہور کے تعلیم یافتہ لوگوں کیلئے خصوصاً اور دیگر علم کی شایق دنیا کے لئے عموماً ایک بہت اوپکار کا کام کر رہے ہیں - جو لکچر پروفیسر مونیر ولیمز کی کتاب موسومۂ "انڈین وزڈم" یعنی ہندوستانی دانائی پر آجکل دے رہے ہیں اب تک وہ اس سلسلہ کے تین لکچر دے چکے ہیں - اور یقین ہے کہ یہ سلسلہ ۲۰ یا ۳۰ یا شاید اس سے بھی زیادہ مضامین تک جاری رہیگا - ابھی تک انھوں نے صرف پروفیسر مذکور کے دیباچہ پر ہی بحث ختم کی ہے - درحقیقت صفائی بیان اور خوبی تشریح میں انکے لکچر لاثانی ہیں - انکی عبارت ایسی صاف اور آسان ہوتی ہے کہ معمولی سی عقل و لیاقت کا آدمی بھی سمجھ سکتا

ہے۔ ان لکچروں کا طریقۂ ادا خصوصاً قابل قدر ہے جسکے سبب سے لوگ
بہت شوق سے ان لکچروں کے سننے کے لئے جوق جوق اکٹھے ہوتے ہیں
کتاب مذکور کا ایک فقرہ اول آہستہ آہستہ دو دفعہ پڑھکر سنایا جاتا ہے اور
پھر جس قدر بیانات کہ اُس فقرہ میں پائے جاتے ہیں۔ انکو نمبروار علیحدہ
بیان کیا جاتا ہے اور پھر ہر ایک امر کی تکذیب اور ویدوں۔ اُپنشدوں
اور دیگر آرین شاستروں کے پرمانوں سے نہایت لیاقت کے ساتھ تردید کی
جاتی ہے۔ جن لوگوں کو یہ لکچر سننے کا موقعہ ملا ہے۔ وہ یہ رائے دیئے بنا
نہیں رہ سکتے۔ کہ جن لوگوں یعنے یورپینوں کو مشرقی زبانوں کا فاضل کہا
جاتا ہے۔ انکی کتابیں جہاں تک کہ اُس کا تعلق آریہ لوگوں کے علم ادب و
اُن کے علوم و فنون کے تذکرات سے ہے بالکل گمراہ کرنیوالی ہیں اور کلیتاً
قابل اعتبار نہیں۔ اس کثیر درجہ کی غلط بیانیاں خواہ بالارادہ ہوں یا بلا
ارادہ ان مغربی آسمان کے چمکتے ہوئے ستاروں کے بالکل یوگیہ نہیں ہیں
ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ لکچر بعد میں بہ شکل کتاب طبع ہونگے۔ اور ان کی اشاعت
سے ہندوستانی سوسائٹی کا فائدہ کثیر متصور ہے۔ اُن سے دنیا پر ظاہر ہو
جاویگا کہ جن مضامین پر یہ اپنے مُنہ میاں مٹھو مشرقی زبانوں کے فاضل کہلا
کر خامہ فرسائی کرتے ہیں اُن مضامین سے کس درجہ تک اُنکو واقفیت حاصل ہے
یہ لکچر قریب ایک درجن کے ہوئے تھے۔ اور واقعی پنڈت جی کا ارادہ تھا
کہ اُنکو کتاب کی شکل میں چھپوایا جاوے۔ مگر اس بیرحم موت نے ایسا کرنے
کی فرصت نہیں دی۔ اب بھی کوشش کی جارہی ہے کہ یہ لکچر بہ شکل کتاب
چھاپ کر فروخت کئے جاویں۔ اور اگر اس ارادہ میں کامیابی ہوئی تو بیرونجات

ک کو خود انکی نسبت اپنی آزادانہ رائے قایم کرنے کا موقعہ ملجاویگا۔
اس سال کے عرصہ میں اُنھوں نے سام وید کا مطالعہ کیا۔ اور اس میں سے
ودیا کے اصول اخذ کئے۔ ۱۲۔ اکتوبر سال حال کو پشاور آریہ سماج کے
جلسہ پر انہوں نے ایک بہت بڑے مجمع سامعین کے سامنے وید
ں کے چند بھجن نہایت عمدہ سُریلی آواز میں گا کر لوگوں کو محظوظ کیا۔ جن
وں کو پہلے یہ خیال تھا کہ وید کے ظاہرا بیقاعدہ و بے قافیہ و بے تک
ت علم موسیقی کے باریک دہاگے میں پروئے نہیں جاسکتے۔ وہ اس
طریقہ گاین سے (جو ناواقفوں کے نزدیک بالکل نیا تھا) ششدر
ئے۔ اُس پر خوبی یہ تھی کہ پنڈت جی نے جن منتروں کو گایا اُنکی ویاکھیا بھی ساتھ
ساتھ کردی۔ ماسٹر درگا پرشاد جی کہتے ہیں۔ کہ پنڈت صاحب کے اس
لیاقت سے لوگوں نے جو حظ اُٹھایا تھا اس کا اظہار انکے چہروں سے
تھا اور یہ خوشی سامعین کی مثل اُس خوشی کے تھی۔ جیسے ایک کان
رنے والے کو ہوتی ہے کہ چودتوں تک ایک اندھیری اور گھری کان کو
ٹی کیلئے کھود رہا ہو۔ اور آخر کار اُسکو اسی کان میں سونا دکھ پڑے
گاین کے سامنے تمام لکچر اور سب قسم کے موسیقی علم مدھم پڑ گئے۔ اگلے
پنڈت صاحب نے بھاشا میں لکچر دیا۔ یہ لکچر اس منتر کے اوچارن کے
ہ شروع کیا گیا تھا۔
ماسٹر درگا پرشاد جی آریہ پتر کا مورخہ ۱۳۔ نومبر ۱۸۸۸ء میں اس لکچر کی
حسب ذیل لکھتے ہیں۔ سوسائٹی کو ایک سمندر کے ساتھ تشبیہہ دی گئی جس
اس قسم کی خوشیاں اور ترغیبیں ہیں۔ جیسے کہ روپیہ اور استری کی محبت جو

منش ماتر کو اپنے جیون کے اودیش سے دور رکھتے ہیں اور بہت زور سے
کام کرتے ہیں اور انکے لالچ اور شہوت کے زور سے منش نیکی کی خوشی کو محسوس
اور اُس کی قدر کرنے کے قابل نہیں رہتے اور جب تک کہ لوگ ان دنیاوی
خواہشوں کو ترک نہ کردینگے اُنکے دہرم کے گرہن کرنے کیلئے ادّویت ہونے
کی کوئی امید نہیں ہے - پھر اُنہوں نے دھرم کی ویاکھیا کی - اور سامعین کو
ویدونکا حوالہ دیا - جسمیں جیون کا اصل بھید درج ہے - جس طریق سے کہ وہ
سامعین کو جیون کے بھید کی تلاش میں سائینٹفک (علمی) خیالات کے
باغ میں سیر کرانے کیلئے لے گئے وہ طریق نہایت مدلّل اور مُوثر اور فصیح و
بلیغ ہونے کے علاوہ سکھشا دینے کے یوگیہ تھا - اُنہوں نے ظاہر کیا کہ کس
طرح سے یہ تلاش بالکل بے ثمر رہتی ہے - اور آخر کار منش کو مایوسی ہوتی ہے
جبکہ وہ اُس چیز کو ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جہاں اُسکے ملنے کی کوئی توقع نہیں
پھر اُنہوں نے وید کا ایک فقرہ بیان کرکے جیون کے بھید پر کچھ روشنی ڈالی
اور اُس فقرہ کی ویاکھیا کرکے بتلایا کہ پکش پات سے رہت استقلال سے وید
کا مطالعہ ہماری بُدھی کے اُس شوق کو پورا کر سکتا ہے جو زندگی کا اودیش
دریافت کرنے کیلئے ہر شخص کو دامنگیر ہے - وید مقدس کی تعلیم کے مطابق
اس لکچر سے لوگوں کو نیکی یا ویدک دہرم کی فضیلت کا ایک شفاف روشن اور
خوشگوار فوٹو نظر آگیا - مجھ کو افسوس ہے کہ سائنٹفک واقفیت کے ابھاؤ کے
سبب میں لکچر کا خلاصہ دینے کے ناقابل ہوں - صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ
اس لکچر سے زیادہ تسکین دہ اور خوش آمد انسانی بدھی کے لئے اور کچھ نہیں ہوسکتا
اسکے بعد پنڈت جی نے دو عمدہ لکچر لاہور آریہ سماج کے سالانہ جلسہ پر

ے ایک اردو میں دیانند انگلو ویدک کالج کے بارہ میں اور دوسرا نہایت انگریزی
ں وید ودیا کے وشے میں تھا۔ ان لکچروں کی بابت مفصلہ ذیل حال آریہ پتر کا
ورخہ ۱۴ ستمبر ۱۸۸۸ء سے لیا جاتا ہے۔

سب طالب علم اپنی سندھیا ختم کر چکے تو پنڈت گورودت ودیارتھی جی لکچر
کیلئے کھڑے ہوئے اور بیان کیا کہ زمانہ حال کی سائنس خواہ کسی قدر بڑھی ہوئی
یوں نہ ہو۔ زندگی کے مسئلہ کے بارے میں کچھ بھی روشنی نہیں ڈالتی منش کے
رے میں جو سب سے بڑا اور سب سے اہم سوال اتپن ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان
اصلیت اور اس کا انجام کیا ہے اور اس کے جیون کا اودیش کیا ہے اس کے
ں کرنے میں آجکل کی سائنس سے کچھ بھی سراغ نہیں چلتا۔ زمانہ حال کا سائنسدان
ر ایک رگ و ریشہ کو چیر پھاڑ سکتا ہے۔ ہر ایک قطرہ کا عمدہ سے عمدہ خوردبینوں
ے ذریعہ نہایت باریک سے باریک امتحان کر سکتا ہے۔ مگر اس ساحل ناپیدا کنار
ے پانے میں محض گم شدہ راہ رہتا ہے زندگی کے بھید کی باریک گھنڈی کو کھولنا
کی شکتی سے باہر ہے۔ اور وہ زمانوں تک اپنے چیر پھاڑ اور تجربات کو کیوں نہ
اری رکھے۔ اس مسئلہ کے حل کرنے کے قابل نہ ہوگا۔ بیشک یہ مسئلہ بغیر
یدوں کے مطالعہ کے حل نہیں ہو سکتا۔ وید ہی اس بھید کو کھولکر سپشٹ
ر سکتے ہیں۔ اور اسی لئے ضروری ہے کہ اس مقصد کے حصول کیلئے سائنسدان
صاحب ویدوں کی طرف متوجہ ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا میلان
ں طرف ہوتا جاتا ہے۔ قدیم رشی لوگ درست طور پر ویدوں کو تمام علوم کا
شمہ سمجھتے تھے اور اسواسطے وہ کلیتاً ویدوں ہی کے مطالعہ میں ہمہ تن
ستغرق رہتے تھے۔ اور ہمیشہ ان صحائف پر غور و فکر کرتے رہتے تھے

جن کا کہ وید اُپدیش کرتے ہیں اور اسی باعث آریہ ورت باشی اُسوقت چین
وخوشحالی میں تھے - کہ آجکل جسکی نظیر تلاش کرنا فضول ہے - راحت دین
دنیا ویدوں کے مطالعہ کا پھل ہوتا تھا - نہایت افسوس کا مقام ہے
آریہ ورت ویدک دھرم سے تپت ہوگیا - اور اسی وجہ سے تنزل کی اس
گہری غار میں اُترگیا - کہ جسکے اندر وہ حالتِ موجودہ میں - دیکھ پڑتا ہے
خود ہی اپنی بربادی کا باعث ہوا ہے پس کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس
مستوجب نہیں تھا -

اگرچہ پچھلی سرگذشت بہت افسوسناک اور تاریک ہے - لیکن آیندہ کی
امید ڈھارس بندھاتی ہے - کیونکہ صداقت کی روشنی پھیلانے والا آفتاب
طلوع ہوا ہے اُسکی روشنی حرارت سے تعصبات کے بادل پگھل کر تتر بتر
ہوگئے ہیں - لہذا تاریکی دور ہوگئی ہے اور آفتاب اپنی پوری چمک دمک
ویسا ہی چمک رہا ہے - یہ تمام حالت سوامی دیانند سرسوتی کی بلیغ کوشش
کا نتیجہ ہے اُسکی رہنمائی سے ہم پھر اُس روشنی کے دروازے پہنچے ہیں
جہاں قدیم رشی لوگ باس کرتے تھے - لیکن اگرچہ بعض لوگوں نے اس
روشنی کو محسوس کرکے اُسکو ایک نعمت غیر مترقبہ تصور کیا ہے تاہم بہت
لوگ مثل چمگادڑ کے بہ سبب اسکے کہ وہ زمانہ دراز سے اندھکار میں باس رکھنے
عادی ہوگئے ہیں - ابھی اُسکی بابت سندیہہ میں ہیں - اور وہ سینہ زوری سے
اس کی روشنی کے زیر سایہ آنے سے انکار کرتے ہیں - اور جو آتما میں تاریکی
تعصبات سے باہر نکل آئی ہیں - یا یوں کہو کہ جن آتماؤں نے تعصب کے تاریک
غلاف کو اوتار پھینکا ہے - اُن کا فرض ہے کہ وہ شکی کے شک کو دور کریں

اور متعصب اور کٹّے مقلد کو اُسکے تعصبات و توہمات سے نجات دیں۔ اور یہ غرض صرف اس طرح سے حاصل ہو سکتی ہے کہ آپ لوگ اُس دارالعلوم کی مدد کریں جہاں سے کہ ایندہ آنے والی نسلیں آہستہ آہستہ خود بخود اسی روشنی کی طرف کھینچی ہوئی چلی جائیگی۔

لکچرار صاحب نے کسی خاص دارالعلوم کا نام نہیں لیا۔ مگر لوگ جانتے تھے کہ کون سے ودیالہ سے اُنکا منشا ہے اور جونہی کہ لکچرار صاحب زور و شور کے چیرز کے بعد بیٹھے دُہیں۔ سامعین نے فیاضی سے قدر شناسی کا ثبوت دینا شروع کیا۔ قریب ۱۴ ہزار روپیہ کے چندہ ہوا جسمیں سے چار ہزار روپیہ نقد وصول ہوئے۔ بقایا دس ہزار روپیہ میں نو ہزار روپیہ دیانند انگلو ویدک کالج کی عمارت کے لئے وعدہ کیا گیا۔ اور ایک ہزار سرمایہ کالج کے لئے۔ ابھی چندہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ قریب ایک نبجے کے حاضرین صبح کے کھانے کے لئے اٹھ گئے +

شام کے ۸ نبجے پھر لوگ پنڈت صاحب کا انگریزی لکچر سننے کے لئے جمع ہوئے۔ اس لکچر میں اُنھوں نے بیان کیا کہ زمانہ حال کی سائنس کو خصوصاً جہاں تک کہ علم کیمسٹری سے تعلق ہے۔ جبکہ سچے سائنس ہونے کے ثبوت کے لئے مختلف کسوٹیوں پر پرکھا جاتا ہے تو وہ ناقص ثابت ہوتی ہے۔ جن طریقوں سے کہ آجکل سائنس کی پیروی کیجاتی ہے وہ ان طریقوں سے بہت ہی مختلف ہیں۔ جو پُرانے لوگ سائنس کے نتیجہ حاصل کرنے میں استعمال کرتے تھے۔ اور اگر منصفانہ نظر سے سوچا جاوے تو بلاشبہ پُرانے لوگوں کے طریقے ہی ایسے تھے کہ جن پر سائنس صحیحہ کی عالیشان عمارت تعمیر ہو سکتی تھی

مگر ان میں غلطی کا امکان بہت کم تھا اور اُن سے نتائج متحققہ حاصل ہوتے تھے۔ اور اسی سبب سے پُرانے لوگوں کی تحقیقاتوں پر اب تک سوال نہیں اُٹھ سکتا۔ اسکے ثبوت میں اُنہوں نے بہت سی تمثیلات کتاب سُورج سدھانت سے پیش کیں۔ جس کتاب کو تصنیف ہوئے آج ۲۰ لاکھ سال کا عرصہ گذرا۔ اُنہوں نے یہ بھی بتلایا کہ ایسے سوالات جیسے کہ جگت کی اوتپتی کا سوال ہے۔ جنکو آجکل کے زمانہ کا سائنس حل کر ہی نہیں سکتا۔ اُس کتاب کے صفحات میں صاف طور پر تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے یہ سب ودیا جو لکھی ہے رشیوں اور مُنیوں سے حاصل کی تھی۔ جنکو یہ ودیا ویدوں سے پراپت ہوئی تھی۔ وید تمام علوم کا چشمہ ہیں۔ اور یہ صرف میرا ہی بیان یا دعوےٰ نہیں ہے بلکہ زمانہ قدیم کے نہایت مشہور اور ممتاز سائنس دانوں نے اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن کیا کوئی شخص آج انجیل کی بابت یہی دعوے کرسکتا ہے کہ جسکے مختلف صفحات ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں اور خلاف سائنس امور کا پرچار کرتے ہیں وہ زمانہ دور نہیں ہے۔ کہ جب ویدوں کی فضیلت کو پھر اُسی درجہ میں تسلیم کیا جاویگا۔ اور مُنش ماتر کے جیون پر وہ اُسی طرح حاوی ہوجاوینگی جیسے کہ ہونی چاہئیں۔ اور ہر ایک شاخ علم میں بنی نوع انسان کے لئے رہنما اور اوستاد ہونگے۔ اور انجیل جیسی کتابوں سے خلقت تعصب اور جہالت کا سبق لینا بند کردیگی۔

لکچر کا بہت بڑا حصہ اُن مقولوں اور انتخابات سے پُر تھا جو زمانہ حال کے نہایت مشہور اور مستند بے تعصب فضلائے سائنس کی تحریرات سے یہ دکھلانے کے لئے اخذ کئے گئے تھے کہ جو کچھ لیکچرار کہہ رہا ہے وہ محض اُسکی

شیخی یا گپ ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ نہایت سائنٹیفک (علمی) خیالات ہیں۔ فاضل پنڈت نے اپنے لیکچر کے اخیر میں ایک مشہور امریکن مصنف کی کتاب سے ایک فقرہ اپنے خیالات کی تائید میں پڑھا جس کا مضمون یہ ہے کہ "ہر ایک تعصب اور ہر ایک تعصب کا پرچار کرنے والی پستک بہت جلد اس اگنی میں بھسم ہو جاوے گی۔ جو دیدوں یا کے ذریعہ سوامی دیانند سرسوتی جیسے ممتاز مصلح کی طفیل پرچنڈ ہوئی ہے"!

میں (یعنی مؤلف) خوش قسمتی سے صبح کے لیکچر میں جو بھاشا میں ہوا حاضر تھا۔ مینے ہندوستان کے بعض نہایت مشہور اور فصیح لیکچراروں کے لیکچر سنے ہیں۔ مثلاً بابو پرتاب چندر موزندار اور بابو سریندرو ناتھ بنرجی وغیرہ۔ مگر میں یقین اور ایمانداری سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو وہ کچھ عرصہ میں اُن سب سے آگے نکل جاتے۔ بڑا سبب اُس کا یہ ہے کہ پنڈت جی کے لیکچروں میں جو سنسکرت کتابوں کے حوالے اور پرمان بکثرت ہوتے تھے۔ اور جن سے کہ ہندوؤں کے دلوں پر چوٹ لگا کرتی تھی وہ دوسرے صاحبوں کے لیکچروں میں معدوم ہوتی ہیں۔ وہ قدیم مشہور آدمیوں کے نام بتلا بتلا کر کتنی فصاحت خرچ کریں۔ مگر چونکہ اُن کے لیکچروں سے لوگوں پر یہ اثر نہیں پڑتا کہ لیکچرار خود زبان سنسکرت کا فاضل اور صاحب علم ہے۔ پس اُن کے لیکچر اگرچہ بہت اعلیٰ درجہ کے اور پُر مضمون ہوتے ہیں۔ مگر تاہم وہ اُس درد اور سوز سے خالی ہوتے ہیں۔ جن سے پنڈت جی کے لیکچروں کو زینت ہوتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ پُرانی سنسکرت علم ادب کے مشہور نامور اور فاضل

رشیوں مثل پاتنجلی اور ویاس کے نام لینے سے جو فائدہ ہندو سامعین کو ہوتا ہے وہ اُن لکچروں سے متصور نہیں ہے۔ جن میں ہکسلے اور شکسپیر کے حوالہ دیئے جاویں۔ پتنجلی اور گوتم آدی رشیوں کے نام سے ہندوؤں کا خون رگوں میں جوش زن ہوتا ہے۔ اپنے باپ دادا کی زندگی کے خاکہ کو دیکھ کر اُن کے دل پر بہت چوٹ لگتی ہے۔ اور اس لئے ہماری رائے میں ہر ایک تعلیم یافتہ شخص کا جو اپنی قوم کی خدمت کرنے کی خواہش اور اُمنگ رکھتا ہے۔ یہ فرض ہے کہ زبان سنسکرت سے پوری مہارت حاصل کرے۔ کیونکہ اُس صورت میں اُس کے لکچر ویسے ہی دلپذیر اور ہندوؤں کے دلوں کو موہت کرنے والے ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے پیارے بھائی پنڈت گورودت ودیارتھی کے لکچر تھے۔

غیر یہی لکچر تھا جس کی بابت ہمارے سکھ احباب کچھ بہت سا ناراض ہو گئے تھے۔ اور کسی درجہ تک بیجا طور پر۔ میں بلا کسی قسم کی طرفداری کے کہہ سکتا ہوں ہمیشہ کہ بعد میں انھوں نے ایک سکھ صاحب سے جن کی چٹھی اخبار آریہ پترکا میں چھپی تھی۔ ظاہر بھی کیا تھا کہ پنڈت جی کا ہرگز یہ منشا نہ تھا۔ کہ اس سچے اور مہاتما ایشور بھگت بابا نانک صاحب پر (جو در اصل فخر پنجاب تھے) کسی قسم کا اتہام لگاویں۔ یا ان کی توہین کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے لکچر میں سوامی دیانند سرستی کی اس اننّے اور نڈر صداقت کی تعریف کر رہے تھے۔ جو سوامی صاحب موصوف نے اپنے جیون میں اپنے افعال وغیرہ سے ظاہر کی تھی۔ اور اس کی تشریح کرتے کرتے انھوں نے اس میں کچھ شک اس قسم کی ذرا سے موقعہ گفتگو کی کہ جس کا مطلب یہ تھا کہ سوامی جی کی کارروائی

میں یا اُن کے ضمیر میں اس قدر صداقت بھری ہوئی تھی۔ کہ وہ اس کے پرگھٹ
کرنے میں بڑی دلیری سے بالکل بے خوفانہ کام لیتے تھے۔ اور جو چیز کہ ان کے
نزدیک ستیہ ہوتی تھی۔ وہ اس کو فوراً کہہ دیتے تھے۔ آجکل کے زمانہ میں
بعض اشخاص اپنی اغراض کی پیروی میں جان بوجھکر خلقت کی آنکھوں میں
دھول ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ سوامی دیانند سرسوتی کی بہت
سی کارروائی پالیسی یا حکمت عملی پر مبنی تھی۔ مگر جو لوگ ذرا آنکھیں رکھتے
ہیں وہ سوچ سکتے ہیں۔ کہ اگر سوامی دیانند جی کی کارروائی میں ذرا بھی پولیٹیکل
یا پالیسی کا ہوتا یعنی ایسی پالیسی جو ستیہ سے گری ہوئی ہو تو وہ ہرگز
بابا نانک صاحب کی نسبت وہ کلمات نہ کہتے جو عدم واقفیت یا کسی
دوسرے کی غلط بیانی کے سبب سے اُن کے قلم سے نکل گئے ہیں جب
اس لیکچر کے خاتمہ پر سامعین کے گروہ میں سے باہر نکلا۔ تب ہی مجھکو معلوم ہوا
بعض سکھ اصحاب نے پنڈت جی کے فقروں کو بابا نانک صاحب کی توہین سمجھی
ہے۔ اور اسی وقت میں نے بعض سکھ اصحاب کو دیگر اصحاب کے ساتھ اس معاملہ
میں ذرا اگر مجوشی سے گفتگو کرتے پایا۔ شاید اس موقعہ پر یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا
کہ میں خود اپنی والدہ کی طرف سے سکھ اگروال ہوں۔ جو لوگ کہ پنجاب کی حالت سے
واقف ہیں اُن کو معلوم ہے۔ کہ پنجاب میں سکھی کسی خاص ذات یا فرقہ کے لوگوں
پر محدود نہیں ہے۔ برہمن۔ بنئے۔ کھتری۔ کھاتی۔ لوہار۔ چمار وغیرہ مختلف
ذاتوں کے لوگ کیس رکھتے ہیں۔ گوردگی بانی ہر روز پڑھتے ہیں۔ اور بہت
دیگر فرائض متعلقہ سکھ مذہب کے بجا لاتے ہیں۔ اور سکھ مذہب کے مذہبی
خیالات صرف کیس دھاری سکھوں پر ہی محدود نہیں ہیں۔ اور نہ سب کیس

دہاری گوروصاحب کے سکھ ہیں۔ چنانچہ کیس دہاری سکھوں اور بنا کیس والے عام لوگوں میں ذات کے لحاظ سے برابر آپس میں سمبندھ اور رشتہ ناطہ رہتا ہے اس لئے ناظرین یہ سنکر متعجب نہ ہوں۔ کہ میرے نانا صاحب میرے ماموں صاحب پوبلیئے دکیس دہاری اگروال سکھ تھے۔ چنانچہ مجھکو بخوبی یاد ہے کہ میری نانی صاحبہ اور ایک ماموں صاحب ہر روز صبح اُٹھکر جپ جی کا پاٹھ کیا کرتے تھے۔ اس لئے سکھ گروصاحبان کی جو عزت و توقیر اور اُنکا جو ادب خصوصاً بابا نانک صاحب کا میری نظروں میں ہے وہ کسی کیس دہاری سے کم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ باباصاحب کی ذات سے تاریخ ہند کی نہایت ہی تاریک حصہ میں عین ضرورت کے وقت ہندوؤں کو عمدہ اُپدیش وحدانیت ملا۔ اس لئے میں یقین نہیں کرتا کہ پنڈت صاحب کی نیت اگر بابا نانک صاحب کی توہین کرنیکی ہوتی تو میرے دل میں بھی غصہ پیدا ہوتا۔ اس اتفاقیہ فقرہ سے بعض کوتاہ اندیشوں کو آریہ سبھاسدوں اور سکھ اصحاب کے درمیان رنجش ڈلوانے کا موقعہ ملا۔ اور یار لوگوں نے خوب دل کھولکر اپنے اپنے دل کے غبار نکالے۔ ہمکو سخت افسوس ہے کہ بعض کم ہیں سکھ برادران اور ناعاقبت اندیش آریہ بھائیوں نے مخالفین کے اس تمسخر کے دہوکہ میں آکر ہندوستان کے دو نامی مصلحان قوم کے جیون پر دہبہ لگانے کی کوشش کی۔ مجھکو اُمید ہے کہ ہمارے سکھ دوست جن میں سے بعض کسی وقت آریہ سماج کے بڑے سرگرم ممبر رہ چکے ہیں۔ اب اس معاملہ کو اس شخص کی وفات کے ساتھ دفن کردیں گے جس کے مدعا کی غلط فہمی سے یہ رنجش پیدا ہوئی تھی۔ اے برادران ہم اور سکھ ایک ہی کشتی کے ملاح ہیں۔ اور انکو زیبا ہے کہ دونوں باہم اتفاق سے اس کو

پار پہنچانیکی کوشش کریں۔ ایک باپ دادکی اولاد۔ ایک ہی قسم کی صداقتوں کے پیرو۔ ایک خدا کے ماننے والے مشترکہ بزرگوں کے نام لیوا ہیں۔ آؤ مل جل کر غرض مشترکہ کی پیروی میں ایک دوسرے کے عیب و نقص بھولجاویں۔ اور باہمی کامیابی کے لئے کوشاں ہوں۔ اے بہادر جانباز۔ دہرم پر جان قربان کرنیوالے گوروصاحبان کے پیرؤ تمنے اپنی پیروی کے لئے وہ لاثانی بزرگوار پائے ہیں۔ جنھوں نے کسی وقت ہیں دہرم اور بہادری کے خیالات کو ایک جگہ مجتمع کردیا۔ آؤ اکھٹے ہوکر غرض مشترکہ یعنی راحت ابدی کے لئے کوشش کرتے رہیں۔

کیونکہ اے براوران موجودہ حالت بیکسی اور ادویا میں ہمکو ایک دوسرے کی مدداور سہاتا کی بہت ضرورت ہے۔ جب تک کہ ہم اپنے اغراض مشترکہ سے جاہل رہکر تعصب اور خود بینی کی مضبوط زنجیروں سے قید میں رہینگے۔ تب تک ہمارے لئے کوئی امید نہیں ہے۔ اور زور لگا کر ان زنجیروں کو جو محض بیہودہ مگر بہت مضبوط نظر آتی ہیں توڑ ڈالیں۔ اور ظاہری یا وہ گوئی ریہا غرور اور دہڑے بندی کے خوفناک غار سے نکلکر اکال پرکھ کے سایہ میں بسرام کریں۔ اس حالت ناالفاقی میں ہم اور تم کیا ہیں۔ صرف انسانیت کے سمندر میں بلبلوں کی مانند ہیں اور اسی لئے محض اکارتھ۔ آؤ متذکرہ الفاظ کو اپنے ہردوں پر لکھکر ان کو حرز جان بناویں اور ہمیشہ ایک دوسرے کی بہبودی میں ساعی رہیں۔

اوہو میں کس مضمون کی طرف جا پڑا۔ ناظرین مجھے اس طول طویل ذرا سے معاف کریں۔ کیونکہ پنڈت جی کے لکچر کے ذکر کے ساتھ اس کا درج کرنا کچھ ضروری تھا۔

اس سال کے اخیر میں پنڈت صاحب نے اور کئی لکچر دئے۔ جن میں سے ایک مقام جالندھر میں انگریزی زبان میں دیا گیا جس کا وشے یہ تھا کہ ویدک دھرم دنیا کا عالمگیر مذہب ہوگا۔ پنڈت صاحب کی زندگی میں یہ سال ایک اور خیال سے بھی قابل یادگار ہے۔ کیونکہ اس سال میں پنڈت صاحب کے طفیل سے آریہ سماج کے بعض فاضل سنیاسی آریہ سماج میں شامل ہوئے ہیں جن میں سے ایک نے بعد ازاں چند شبہات کی وجہ سے آریہ دھرم کو تیاگ دیا۔ سب سے زیادہ قابل تذکرہ سوامی اچیتانند صاحب کا (جو اس وقت نوین ویدانتیوں کے مشہور گرو تھے) آریہ دھرم کو گرہن کرنا ہے۔ یہ سوامی ایک ودوان سنیاسی ہیں۔ جن کو اپنشدوں میں خاص لیاقت حاصل ہے وہ ویدانتیوں کی ایک سنگت کے گرو تھے۔ اور بہت سے ودوان اور ذی عزت لوگ ان کے پیرو تھے۔ سوامی پرکاشانند جی نے جو ان سے پہلے آریہ ہو چکے تھے سوامی اچیتانند صاحب کا پنڈت صاحب سے میل ملاپ کرایا۔ اور پنڈت صاحب و سوامی صاحب نے اکٹھے بیٹھ کر اپنشدوں کو وچارا پنڈت جی نے ان منتروں کی ویاکھیا کی جو نوین ویدانت مت کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔ اور آخر کار ست کی جے ہوئی۔ اور سوامی اچیتانند نے ایک بڑے مجمع کے سامنے بڑی خوشی سے آریہ دھرم کو گرہن کیا۔ اور آریہ سماج کے مشن میں داخل ہوئے۔ اور اس وقت سے سوامی موصوف آریہ دھرم کا اپدیش کرتے رہتے ہیں۔

سوامی مہانند دوسرے ودوان سنیاسی ہیں جنھوں نے پنڈت جی سے ملاقات کی۔ اور ان کے ملاپ سے آریہ دھرم کو گرہن کیا۔ یہ صاحب سنسکرت

ودیا میں بہت بڑے وِدوان تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور آریہ سماج کو انکی ممبری کا بڑا فخر ہے۔ ایک سوامی سوا آتما نند سرسوتی کو بھی پنڈت صاحب کی فضیلت اور ودیا سے بہت لابھ ہوا۔ انھوں نے پنڈت جی سے کئی مہینہ تک مغربی پدارتھ ودیا سیکھی۔ اور پنڈت جی نے ان کو تجربات کر کے دکھائے جو لوگ کہ سوامی سوا آتما نند سرسوتی کو پنڈت جی کی ملاقات کے زمانے سے پہلے جانتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ پنڈت صاحب کی سنگت نے سوامی صاحب کی لیاقت اور انکے اعتقادات اور اُن کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق کر دیا تھا۔ ان کی سنسکرت بھی پنڈت جی کے ساتھ رہنے سے بہت اچھی ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوامی صاحب نے اپنی خدمات آریہ پرتی ندھی سبھا کے سپرد کیں۔ اور سال بھر سبھا مذکور کے اپدیشک کی حیثیت سے اپنے کام کو انجام دیا۔ اُس زمانہ کے بعد کے دیا کھیان جس شخص نے سنے ہیں وہ جانتے ہیں۔ کہ اُن کے لکچر بہت پُراثر مدلل اور فاضلانہ ہوتے تھے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ایسا اپدیشک شک و شبہ کے پنجہ میں گرفتار ہو کر آریہ سماج سے علیحدہ ہو گیا۔ سوامی جی کے شبہات پنڈت جی کی بیماری میں پیدا ہوئے یعنی اسوقت جب کہ پنڈت جی کے معالجوں و ڈاکٹر صاحبان کے حکم سے اُن سے زبانی یا تحریری گفتگو اس قسم کی قطعی بند ہو چکی تھی۔ اس لئے سوامی صاحب کو یہ موقع نہ ملا کہ وہ پنڈت صاحب سے اپنے شبہات بیان کر کے ان کو حل کراتے۔ شاید جنوری سنہ ۸۹ء میں انھوں نے آریہ سماج سے اپنا تعلق قطع کر دیا۔ ہماری انگریزی کی کتاب چھپنے کے بعد ہمکو معلوم ہوا کہ اس قطع تعلق کے بعد سوامی صاحب سے ایک کمزوری ظہور میں

آئی - جو غالباً انکے دہرم سے پست ہو جانے کا نتیجہ ہے۔

چندروز تک ہر چہار سوامی صاحبان مذکورہ بالا پنڈت جی کے استھان پر رہے اور مختلف دہرم دشیوں پر بات چیت ہوتی رہی - ایسی صورت میں کیا تعجب ہے اگر لوگ پنڈت صاحب کے مکان کو ٹھیک معنوں میں ایک آشرم سمجھتے رہے۔ بلا شبہ بہت سے دہرم کے پیاسے اُس گھر کی طرف جاتے تھے - اور وید ودیا کے چشمے سے سیراب ہوتے تھے - ہر قسم کے منش یعنی گرستی اور سنیاسی جوق جوق پنڈت جی کے پاس آتے اور زندگی کے متعلق مشکل مسئلوں کے حل کرنے کی درخواست کرتے - درحالیکہ وہ اس طرح سے دہرم کے پرچار میں مصروف رہتے وہ اپنی ترقی سے بھی غافل نہ تھے - اس سال میں انھوں نے علاوہ بیشمار دیگر کتابوں کے دس اپنشدوں کو پڑھا - اور ایتریہ برہمن اور نروکت اور چرک کے بعض بھاگوں اور سورج سدہانت کا مطالعہ کیا سوامی دیانند جی کی ویدک پرکاش کی سہایتا سے وہ خود پتنجلی کی مہابھاش کا مطالعہ کیا کرتے تھے - اور سوائے دیانند سرسوتی جی کی کتابوں کے جو وہ بار بار پڑہتے تھے ستیارتھ پرکاش اور خصوصاً مکتی وشے کا حصہ انھوں نے بارہ دفعہ سے کم نہیں پڑھا ہوگا - اور وہ جس قدر زیادہ اس پستک کو دیکھتے اور اس کے دقیق مضامین پر وچار کرتے اسی قدر زیادہ ان کا وشواش سوامی جی کی فضیلت پر بڑہتا جاتا تھا - سوامی جی کی قدر ہر روز اُن کے ہردے میں نمایاں ترقی کرتی جاتی تھی - یہانتک کہ ۱۸۸۹ء کے وسط میں وہ اپنے معراج پر پہنچ گئی -

پنڈت صاحب کی خوبیٔ دل کا اس سے اندازہ ہو سکتا تھا - کہ باوجود

اس امر کے کہ ان کے ذمہ اس قدر فرائض تھے۔ اور وہ اس قدر مشغول رہتے تھے۔ مگر انھوں نے دوسروں کو پڑھانے یا مدد دینے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ یہ سوانح عمری یہ ذکر کئے بغیر بالکل نامکمل رہے گی۔ کہ ان دنوں میں پنڈت صاحب کو امریکن فلاسفر کی کتابوں نے بہت فائدہ پہنچایا جس کا نام انڈریو جیکس ڈیوس ہے۔ اپنی زندگی کے اخیر دو سال میں وہ ان کتب کا بکثرت مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اور ان کا پورا یقین تھا کہ صاحب موصوف یوگی ہیں وہ اپنے اکثر دوستوں کو خصوصاً ان کو جو سنسکرت سے ناواقف ہوتے تھے۔ اُن کتب کے مطالعہ کی فہمائش کرتے تھے۔ مگر صرف ان دوستوں کو جن کو وہ اُس کے دقیق مضامین کے سمجھنے کے قابل سمجھتے تھے۔ اور جن کی نسبت اُن کو خیال تھا کہ وہ مصنف کی ہنسی نہیں اڑائیں گے۔

اس سال میں پنڈت جی کی مفصلہ ذیل تصنیفات شایع ہوئیں

ویدوں کی اصطلاحات حصہ اوّل۔

ایشوا اپنشد معہ انگریزی کی دیا کھیا کے

ویدک ٹریکٹ نمبر (۱) (۲) و (۳)

یکم ستمبر سنہ ہذا کو پنڈت جی ایک سنسکرت لائبریری کی تلاش میں دو تی صاحب یا قلعہ سر جانے کے لئے وزیر آباد کو روانہ ہوئے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا وہ منزل مقصود تک پہنچے یا راستہ سے واپس آگئے۔ اور اگر وہ گئے۔ تو وہاں پر انکو کوئی کتب خانہ ملا یا نہیں۔

اس سال بھی ان کی صحت خراب رہی۔ اور ہم اکثر موقعوں پر اس کا ذکر ان کے روزنامچوں میں پاتے ہیں۔ ۱۶ مئی کی ڈائری میں وہ بیماری

سے سخت شاکی ہیں۔ اور باوجود اس کے بھی لکھتے ہیں کہ مجھکو ایک بڑے ضروری
وشئے پر ویاکھیان دینا ہے۔ اور میں اُس کے لئے تیار نہیں ہوں۔
اسی قسم کی بے پروائی نے اصل میں اُن کی صحت کا بالکل ستیاناس
کر دیا۔ ۳۔ اکتوبر ۸۹ء کے بعد کی کوئی ڈائری پنڈت صاحب کی معلوم نہیں ہوتی
ہے۔ سوائے چند دنوں سنہ ۸۹ء کی یادداشتوں کے جو ہمکو ایک سفید
کتاب سے دستیاب ہوئے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم اس سال کے واقعات
کو ختم کریں۔ ہم یہ درج کرنا چاہتے ہیں۔ کہ اس سال سماج کے ممبروں
میں دو تین مضامین پر اختلاف رہا جن میں سے ایک مضمون اینگلو ویدک
کالج میں ایڈیشنک کلاس کھول لینے کے متعلق تھا۔ اور دوسری گوشت
خوری کی بحث تھی۔ عیسائیوں نے مسئلہ نیوگ پر ایک سخت حملہ کیا۔
جس کی کہ ویاکھیا سوامی جی کی ستیارتھ پرکاش کے چوتھے باب میں
ہے۔ آئیندہ فصل میں ان ہر سہ مضامین کی بابت تحریر کروں گا۔
جہانتک کہ پنڈت صاحب کی ذات سے ان کو تعلق ہے۔

اختیار پیشہ کے متعلق پنڈت جی کے

چند خطوط اور رائے

یہ ایک ایسا کٹھن مرحلہ اور مشکل معاملہ ہے۔ جو بہت سے ایسے نوجوان

طالب علموں کو جو حب الوطنی اور ملکی و قومی ہمدردی کے جوش میں بھرے ہوتے ہیں بڑی گھبراہٹ اور ششش و پنج میں ڈالتا ہے۔ بیشک بہت سے پوتر آتما طالب علم ایسے پیدا ہو گئے تھے جو اپنی جان تک اپنے دیش اونتی کے لئے قربان کرنے کو تیار تھے۔ اور نہ خالی تیار بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس مرحلہ میں گام زن بھی تھے۔ اگر ان کے راستہ میں اپنے پیٹ کی پرورش اور اپنے والدین وغیرہ لواحقوں کے حقوق اور فرائض کے ادا کی فکر کا عمیق گڑھا درپیش نہ ہوتا۔ یہ فکر ان کے ان ارادوں اور خیالوں کے پورا کرنے میں کہ وہ اپنے سروسیہ کو قومی و ملکی اونتی پر قربان کر دیں بہت بڑی بھاری روک تھی۔ ہم ایسے بہادر اور دل چلے بھی نہیں ہیں کہ ان واقعات اور تقاضات کو بالکل فراموش کر کے صرف دیش اونتی کے پوتر کام میں ہی مصروف ہو جاویں۔ لیکن تاہم بمقتضائے اس قاعدہ کلیہ کے کہ جہاں ہیں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اور کوئی شے نیست مطلق نہیں ہوتی۔ ایسے بہادر دل کی بھی کمی نہیں ہو سکتی اگرچہ افسوس کا مقام ہے۔ کہ اسوقت ہمارے ملک میں بہت ہی کم اشخاص ایسے ہیں۔ جو ان خیالی بندھنوں کو توڑ سکیں۔ اور ان مشکلات سے توکل بخدا پیچھا چھوڑا سکیں۔ کیونکہ ایسا کرنے میں ان کو ان امیدوں کا خون کرنا ہوتا ہے جو ان کے والدین اُن پر ان کی پرورش کرنے میں اور ان کے دیگر لواحق بلحاظ رشتہ و قرابت کے ان پر رکھتے ہیں۔ نیز ان کو اپنے ان ولی ولولوں اور جوشوں کو مارنا پڑتا ہے۔ جو وہ ابتدائے عمر سے اپنے سینوں میں موجود پاتے ہیں۔ یعنی کہ ہم لائق ہو کر اپنے اور اپنے والدین وغیرہ کے لئے یوں کریں گے۔ اور نیز اپنے عیش و آرام دنیوی کو خیرباد کہہ کر ان

مشکلات وتکلیفات کا بھی مقابلہ کرنا ہوتا ہے جو دیش اونتی کے کام میں پیش آنیوالے ہیں۔ اور سب سے زیادہ لاحل یہ وسوسہ و فکر ہے۔ کہ اگر ہم ان رکاوٹوں وبندشوں سے نکل بھی گئے تو کیا کامیابی کے ساحل مراد کی صورت بھی نظر آئے گی یا نہیں۔ اور اگر ایسا ہو جائے کہ ہم اپنے اس مقصد میں اپنے دلیرانہ ارادوں سے ڈگمگا جائیں اور پھر سوجب ہنسی ہ ... ان دسرت دوستان ہونگے۔ ہاں باوجود ان مشکلات اور مصائب اور رکاوٹوں کے شاذ ایسے ... حب حوصلہ اور بہادر بھی ہیں جو ان زنجیروں اور قید کے بندھنوں کو توڑ کر دیش اونتی کے کھلے میدانوں میں پہنچکر سوائے مقصد کے بھوگنے کے اوسکاری بنتے ہیں جو اس وقت بھی جب کہ آرین نسل کے دل مردہ اور روحیں پژمردہ وخون سرد ہو گئے ہیں۔ اپنے سچے آرین خون کو جوش میں لاتے ہیں اور مردانہ وار میدان میں آنے سے اپنے آرین حسب ونسب واپنے بزرگان سلف کی مردانہ قربانیوں کی شہادت دیتے ہیں اور جس وقت قومی فرائض جن کا ولولہ خود ان کے پاک دبے لوث دلوں سے پیدا ہوا ہے ان کو پکار پکار کر کہتا ہے کہ آو تم میرے بھی قرضدار ہو اور تم پر میرا بھی حق ثابت اور قایم ہے۔ تو وہ پورا تما خوشی سے دلی رضامندی اور کشادہ پیشانی سے اس کی پکار کو سمجھکر اس کی طرف جھکتے اور قدم بڑھا کر اس نیک اور سب سے نیک عادل خدا کی قربت کر دیتے ہیں۔ مرحوم آزاد کے یہ اشعار ان کے شایان شان ہیں۔

ہمت کے ہاتھ میں ہیں اٹھائے سیہ نشاں ۔۔۔ ہے اسپہ روشنی سے لکھا ہاں بڑھے چلو

ہمت کا ان کے حال میں لکھکر بتاؤں کیا ۔۔۔ کاغذ کے کوزے میں کہو دریا کو لاؤں کیا

جاتے ہیں نوجوان عجب آن و بان سے ۔۔۔ پیدا شکوہ وشان ہے ان کے نشان سے

چلنے قدم اٹھائے تھے اور سر جھکائے تھے — گویا خروش و جوش کو اس میں دبائے تھے
کیا جانے فکر مند تھے یا کیا ملال تھا — تیور بگڑ گئے تھے کچھ ایسا خیال تھا
سینہ میں نعرہ بند تھا منہ میں نہ تھی صدا — لیکن خموشی انکی بآوازِ گرنا
دیتی تھی ہر قدم پہ صدا ہاں بڑھے چلو

آرام کہہ رہا تھا کہ آگے نہ جا نہ جا — اور وقت کہہ رہا تھا کہ سچ سچ بجا بجا
سمجھانے والے سب یونہی سمجھا کے رہ گئے — اتنا بھی وہ نہ سمجھے کہ ہم کیا یہ کہہ رہے
سنسان جنگل اور یہ درختوں کی سائیں سائیں — چاروں طرف پہاڑیں ہیں ڈرتی بلائیں
پانی کی ہیں پہاڑ سے آوازیں آرہیں — جو زیر و بم کے دور سے ہیں سُر ملا رہیں
طوفان برف سر پہ کھڑا ہے تُلا ہوا — ہے یہ درہ کہ موت کا ہی منہ کھلا ہوا
ہاں اک لطف عیش و طرب پر نظر نہیں — جاتا کہاں ہے جان کا بھی تجھکو ڈر نہیں
یہ سن کے نکلا شعلہ دل نوجوان سے — گویا ستارہ ٹوٹ پڑا آسمان سے
اور اس نے دی کڑک کے صدا ہاں بڑھے چلو

مبارک ہیں وہ لوگ جو دیش اونتی کے کام کے مقابل اپنی ذاتی تکالیف کو کچھ نہیں سمجھتے اور اپنے عیال و اطفال کی جو خدا کی ایک امانت ہے پرورش بھی کرتے ہیں اور پر اُپکار کے کاموں میں اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہیں کرتے مبارک ہیں وہ محبان قوم جو سوتے جاگتے راحت و رنج اور خوشی و تکلیف میں اپنے عہد و مقصد پر اُپکار کو نہیں بھلاتے اور جاگرت میں اس فکر کو اور خواب میں اس خیال کو اپنے سے الگ نہیں ہونے دیتے۔ اور جبکہ ان کو اپنی کوششوں کا ایک پھل بھی نظر آتا ہے تو جامہ میں پھولے نہیں سماتے۔ اس آنند کو در حقیقت سوائے ان کے کوئی محسوس نہیں کر سکتا جیسے

مزدور اپنی محنت کا تھوڑا بہت پھل حاصل کرکے آنند کو پراپت ہوتا ہے۔ اس کا مزہ سوائے اس کے دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

کیا ہی مبارک ہیں وہ بندگان خدا جو انھیں لوگوں سے طعن و تشنیع و لعنت و ملامت کی آواز سنتے ہیں۔ جن کی بھلائی اور بہتری کے لئے وہ اپنا خون جگر کھاتے اور اپنا پسینہ بہاتے اور اپنے جان و مال کو قربان کر رہے ہیں لوگ انکو دیوانہ کہتے ہیں۔ ان کے والدین اپنی امید دل کا خون ہوا سمجھکر اُن کو اُن ہوا سمجھتے ہیں۔ اور لفظ موا سے مخاطب کرتے ہیں۔ اور دیگر رشتہ دار ان و لواحقان ان سے نالائق کہلانے کے علاوہ زجر و توبیخ کے الفاظ بھی سنتے ہیں۔ مگر وہ اپنی دھن میں ایشور پرماتما کے راستے پر اپنے گذشتہ رشیوں منیوں کی راہ پر بے کھٹکے چلے جا رہے ہیں۔ اور کسی مخالف کی مخالفانہ آواز یا کسی ڈرانے والے کے دہشتناک الفاظ ان کو اس سیدھے راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کام سے انکو کسی خطاب کی توقع ہے یا دولت و حشمت دنیوی کے ملنے کی امید ہے جس سے اس محنت و جانکاہی کا معاوضہ عیش و آرام سے حاصل کریں گے نہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ نہیں ان کو اپنی گرہ سے اور اپنی نیک کمائی سے خرچ کرنیکے علاوہ اپنا بیش بہا وقت اور اپنے امولک زندگی قربان کرنی پڑتی ہے۔

ناظرین اس بیان سے یہ خیال نہ فرماویں کہ انھوں نے اپنے والدین کے حقوق اور اپنے لواحقوں کے اُن واجبی فرائض کو جو ان پر ہیں بالکل پس پشت پھینکدیا ہے۔ نہیں نہیں وہ اپنے ماں باپ کی خدمت گذاری اور اپنی استری اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت وغیرہ وغیرہ سب کچھ کرتے ہیں۔ لیکن ... جیسا کہ حتی المقدور کرنی چاہئے

بلکہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ جو ایسا نہیں کرتے وہ عقلاً نقلاً دھرماتما نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایشور نیم کے توڑنے سے گناہگار بنتے ہیں۔ منوسمرتی وگیتا کو مطالعہ کیجئے ان میں بھی لکھا ہے "وہ گرہستی سب سے دھرماتما اور سب سے بہادر ہے جو اپنے گرہست آشرم کو چلاتا ہوا دھرم انوسار کام کرتا ہوا اپنی زندگانی کو دھرم سمبندھی کاموں میں صرف کرتا ہے۔ اور وہ دھرم ارتھ کاریہ کرنیوالا انسان جس کے جورو نہ بچے یعنی گرہست آشرم نہیں ہے ان کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔ حقیقی دھرماتما اور سچے بہادر کامل انسان انھیں کو کہہ سکتے ہیں۔ جو بادجود عیالداری کے دھرم انوسار چلتے ہیں۔ شاید بعض لوگوں کو خیال گذرے کہ اس ستیاناسی زمانہ میں ایسے بہادروں کے وجود اس ہندوستان میں جس کو اب خارستان کہیں تو بجا اور نینہ کا استھان کہیں تو درست محض ناپید ہیں۔ لیکن میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ اگرچہ اُن رشیوں منیوں کی اولاد جنھوں نے اس ہندوستان کو جنت نشان کا مصداق بنایا۔ جنھوں نے اس کو دھرم استھان کی پدوی دلائی۔ جنھوں نے اس کو تہذیب اور ہمت ودلیری کا سبق پڑھایا۔ اب ایسی خراب حالت کو پہنچ گئی ہے۔ کہ ان کو اپنے سناتن دھرم پر ذرہ بھی نشچیہ اور وشواش نہیں اور انھوں نے اپنی بہادری وقومی جاں نثاری کو بالکل کھو دیا۔ مگر تاہم ابھی ایسے بندگان خدا بھی پائے جاتے ہیں جن میں گوتم وارجن کا خون جوش زن ہے۔ اور یودھشٹر درامچندجی مہاراج کی دھرم بدھی کا انش باقی ہے۔

ایسے اشخاص کے وجود کے ثبوت میں ایک مثال تو یہ سیداں نیخ عمری

آپ کے سامنے پیش کرے گی۔ اور دوسری زندہ مثال دیکھنا چاہتے ہو تو ذرا سی تکلیف گوارا کرکے دیانند ویدک کالج میں تشریف لے جائیے وہاں پر ایک چھوٹے سے کمرے میں معمولی لباس میں آپ کو ایک پوترآتما انسان کا وجود نظر آئے گا۔ جس نے اپنی جوانی کو اپنی آئندہ خوشحالی کی دنیوی اُمیدوں کو اور جس نے اپنے جسم و جان کو اپنی قوم کے بچوں کے لئے قربان کر دیا ہے۔ اس کی مسکین صورت پر نہ خیال دوڑانا۔ اور اس کے معمولی لباس پر نہ دھیان دھرنا۔ کیونکہ یہ سب باتیں جن کو شاید آپ لوگ اوگن خیال کریں اور جو ایک دانشمند و مہاتما کے نزدیک مہاگن ہیں۔ اس مبارک بندہ کو آپ کی خدمتگذاری یا اور تسیر عدم توجہی و ناشکری ہی سے نصیب ہوئے ہیں۔ بلکہ اس کے اُن بڑے گنوں اور اُپکاروں کو نظر انصاف سے جانچیے جو اس موجودہ وقت میں جبکہ باپ بیٹے کی اور بیٹا باپ تک کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ وہ اپنے برادران قوم و ملک کے لئے کر رہا ہے۔ اور اس کے اس مبارک مشن کو دیکھکر ایشور کا شکریہ کیجیے کہ جس نے آرین نسل کے خون کو ضائع نہیں ہونے دیا۔

کیا آپ ان کا نام نامی جانتے ہیں۔ لیجیے میں آپ کو بتائے دیتا ہوں یہ لالہ ہنسراج جی۔ بی۔ اے ہیں۔ ایشور پرماتما ان کو سلامت باکرامت رکھے۔

اب تیسری مثال کے لئے کبھی دور نہیں جانا پڑے گا۔ اگرچہ وہ اس وقت زندہ نہیں ہیں کیونکہ وہ پنڈت جی سے صرف دو ماہ بعد ہی انتقال کر گئے ہیں۔ یہ صاحب معقول تنخواہ پاتے تھے۔ جس میں گاڑی گھوڑے رکھنے اور

عمدہ امیرانہ لباس پہننے کی گنجائش تھی۔ مگر باوجود این ہمہ ہمیشہ وہ پیدل دفتر جاتے اور
وہاں چھ گھنٹہ محنت سے کام کر کے واپس گھر آتے۔ اور پھر دن بھر دیش انتی پر صرف
کرتے تھے۔ ان کا اسم شریف لالہ سائیں داس جی تہا۔ جو باوجود عیالداری وغیرہ کے
ذکر و افکار کے اپنے دیش کے اوپکار میں ہمہ تن مصروف تھے۔ ان حالات سے ناظرین کو
معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ ایک بہادر اور مستقل مزاج انسان کے مصمم ارادوں کے سامنے
دنیوی افکار سدراہ نہیں ہو سکتے۔ پس ہر صاحب حوصلہ کو واجب ہے کہ وہ ان افکار اور
توہمات سے ڈر کر اپنے دلی ولولوں اور قومی ہمدردی کے جوش کو سرد نہ کریں۔ ہماری یہ تحریر
امید ہے کہ آئندہ آنیوالی نسل کے نوجوان لوگوں کے لئے کارآمد ہوگی۔

مؤلف اوراق ہذا اور پنڈت جی کے درمیان جو ایک عرصہ تک ہم جماعت رہے
اور بعدہٗ ہمیشہ باہمی محبت و پیار سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ اکثر اوقات اس
مسئلہ پر مباحثہ ہوتا تہا۔ کیونکہ یہ مسئلہ ہم دونوں کے لئے ذاتی طور پر یکساں حالت پر ہونے
کی وجہ سے ضروری حل طلب تہا۔ اور ہم ہمیشہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہا کرتے تھے
کہ آئندہ کو کیا کرنا چاہیئے جس سے ہمارا مقصد دلی اور پیٹ پالن دونوں برابر چلے
جاویں۔ اور ہم کو کسی دوسرے کا دست نگر نہ بننا پڑے۔

پنڈت جی بہت مدت تک اسکو سوچتے رہے کہ اس سوال کے حل میں کوئی
راستہ نکل آوے۔ کہ جس سے دل کا اطمینان بہی ہو۔

وہ ایسا حل چاہتے تھے۔ کہ جس سے انکو اپنی کانشنس یا ضمیر کسی دوسرے
کی اطاعت بہی نہ ماننی پڑے اور انکی آزاد مرضی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کرے
اور ایشور کی بھگتی اور دیش اونتی کے کاموں میں کوئی ہرج نہ ڈالے اور ساتھ ہی
اپنی اور اپنی عیالداری وغیرہ کے بسر اوقات و کہان و پان کا بہی معقول سامان

بہم پہونچ سکے انکی گذشتہ زندگی کے حالات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان کے والد کوئی بڑے امیر نہ تھے۔ صرف ساٹھ روپیہ ماہوار کے ملازم تھے اسی میں وہ اپنا گذارہ کرتے تھے اور اس سے پنڈت جی کے لئے بھی خرچ وغیرہ دیتے تھے۔ اور پنڈت جی کی کتابوں کا خرچ بھی بہت زیادہ رہتا تھا۔ چنانچہ اُن کے ہمعصر اور ملاقاتی لوگ اس بات سے اکثر متعجب ہوا کرتے تھے۔ کہ انکو ایسے ایسے بیش بہا اور عمدہ کتابیں خریدنے کو روپیہ کہاں سے ملتا ہے۔ پس اس سے صاف یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ کہ اُن کے پاس کوئی ذخیرہ انکی گذرِاوقات کے لائق ورثہ سے ملا ہوا نہ تھا۔

بوجوہات مذکورہ بالا انکی طبیعت میں ایک سخت کشمکش کی حالت رہتی تھی دنیوی حاجات ان کے دل کو قدرتی طور سے اپنے دل لبھانے والے حسن کی طرف کھینچتی تھی۔ اور دوسری طرف دل کو مذہبی جوش وخروش اور دیش اونتی کی خواہش جو دنیا اور دین میں سب سے اعلےٰ درجہ کی نیک خواہش ہے۔ انکی طبیعت کو اسطرف جانے سے روک رہی تھی۔ ان تفکرات نے ان کا بہت سا وقت لیا۔ وہ ہمیشہ ایسے فکر میں غلطاں و پیچاں نظر آتے تھے۔ کہ کونسا پیشہ اختیار کریں۔ جو انکی عجیب وغریب طبیعت کو بھی شانتی دے اور صورت گذارہ بھی ہو جاوے۔

قانون۔ ڈاکٹری۔ انجنیرنگ۔ جوڈیشل نوکری۔ اور گورنمنٹ ملازمتیں سب باری باری ان کی آنکھوں کے سامنے سے گذریں۔ اور سب کی بابت اُنہوں نے سوچ و دچار کر کے ان سب کو خیرباد کہکر رخصت کیا۔ بہت دفعہ یہ سوال کہ کیا کروں اور کیا کرنا چاہئے آئندہ کسی موقع پر دچار کے لئے چھوڑا گیا۔ مندرجہ ذیل خلاصے انکی ڈائریوں اور اُن خطوط سے جو اس نیاز مند کے نام آئے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں اس سے معلوم ہو جاویگا کہ وہ اس سوال کے حل میں ازبس حیران و ششدر تھے اور یہ سوال انکی جان کیلئے ایک خلجان ہو رہا تھا۔

خلاصہ ڈائری ہاٹ پنڈت صاحب مرحوم

۲۲- اپریل ۱۸۸۵ء ایک مستقل ارادہ۔ تمام خیالات محبت وغیرہ کو تو کیوں ترک نہیں کر دیتا۔ اور تل اور دیانند کے ساتھ کیوں نہیں شامل ہو جاتا۔ کیا رشتہ محبت ہی سب سے زیادہ مضبوط ہے۔

کیا انجام کار یہ خیالات اپنے تئیں زندگی بھر قایم رکھیں گے۔ اور موت کے وقت بھی بے چینی کی حالت میں چھوڑیں گے۔

۱۰- دسمبر ۱۸۸۵ء آرین علم ادب کو بہت سے محنتی پیشواؤں کی ضرورت ہے۔ کیا ہم چوسٹر (ایک پہلا انگریزی شاعر) کی جگہ لے سکتے ہیں۔

۵- جنوری آج جو مسٹر ...... سے گفتگو ہوئی تو اس نے اثناء گفتگو میں کہا کہ تم ان دریا فتوں اور خیالات کو جن کو کہ تم اپنے ذہن میں ہی بھرتے ہو تحریر میں لاؤ تو بڑے مشہور ہو جاؤ۔ نوٹ وغیرہ نہ لکھنا یہ ایک بڑی کمزوری ہے۔ میں اپنے وہ فرائض جو میرے پیشہ سے متعلق ہیں۔ کل سے باقاعدہ شروع کرونگا۔

۸- جنوری۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کسی نہ کسی وقت کوئی ملازمت اختیار یا حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ موقع کے آنے تک متوقعہ اور مستقل رہے اور نیز فرمایا کہ غیر مستقل زندگی میں رہنے سے کچھ فایدہ نہیں ہے۔

۱۹- جنوری مسٹر اومن مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ میں کالج میں لکچر دینے اپڑ ہانم گے لئے رضامند ہو جاؤں۔

۲۲- فروری پھر وہی پرانا سوال میرے دل میں زیادہ روشن اور صاف شکل میں درپیش ہے۔ اے گورودت تو ان تمام جذبات کو مار ڈال اور زندہ رہ۔

۲۴- فروری ڈائرکٹر کو ایک عرضی حصول ملازمت کے لئے بھیجدے۔

۶- جون تکلیف کا زمانہ شروع ہوتا ہوا معلوم دیتا ہے۔ میرے والد مجھ کو ملنے کے لئے بہت متفکر معلوم ہوتے ہیں۔ ابھی تک میری ملازمت کی بابت کچھ فیصلہ نہیں ہوا۔ مجھکو والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے کہتا ہے۔ ...... مگر مجھکو ان کے دینے کے لئے سو روپیہ کی ضرورت ہے۔ کسطرح سے انتظام کیا جاوے۔

اس موقع پر ڈائریوں کی تحریرات کو چھوڑ کر میں دو خطوط کا خلاصہ لکھتا ہوں جو انہی دنوں چند سوالات کے جواب میں جو ایسے معاملہ کے متعلق میں نے ان سے کئے تھے۔ میرے نام آئے۔

لاہور ۱۳ جنوری ۸۶ء۔ میرے پیارے دوست۔ اس معاملہ میں میری امیدیں کبھی مجھکو روشن اور کبھی تاریک نظر آتی ہیں۔ اور ایک نیم روشن شعلہ کی مثل ٹمٹما رہے ہیں .... نہیں .... نہیں .... کوئی رائے بہادر یا خان بہادر اسبات کی جرأت نہیں کرسکتا کہ وہ اس حجاب کو جو ہندوستان کی حالت کے چہرہ پر پڑا ہوا ہے اٹھائے آدمی کو انسانی زندگی کا دکھ ہرنے کے لئے کسیر اعظم کی تلاش میں صحرا الصحرا پھرنا چاہئیے۔ میں خاص طور پر نہ تو خوش ہوں اور نہ اداس۔ میری حالت ایک جنگی حالت ہے اندرونی لڑائی ہو رہی ہے۔ ہر ایک چیز مشکوک اور دھندلی نظر آتی ہے اسلئے میری غفلت کا نقشہ کسیوقت کسی اور اندازہ سے نہ باندھا کرو۔ سوائے اسکے کہ غریب گورودت اپنے ساتھ آپ جنگ میں مصروف ہے۔ اسلئے وہ اپنے احباب کو بھول جاتا ہے۔ راقم تمہارا گورودتہ ودیارتھی۔

دوسرا خط ۲۴- جنوری ۸۶ء کو آیا جسکا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

میرے پیارے لاجپت رائے۔ میں تمہارے مشفقانہ خطوط کے پہونچنے سے خوش ہوا

اور بہت خوش ہوا ہیں۔ تہ دل سے تمہاری ان تعریفوں کے لئے کہ تم نے ان خطوط میں میری کیں شکر گذار ہوں۔ اگرچہ میں خیال نہیں کرتا کہ میں ان میں سے کسی ایک کا بھی مستحق اور مصداق ہوں۔

پنجاب میں عام رائے کا لیڈر رہنا کسی کوشش کرنے والے کے لئے ایک بہت بڑا مشکل کام ہے۔ میں نے اسکا پورا ہونا کبھی نہیں خیال کیا۔

میرے پیارے لاجپت رائے میں جانتا ہوں کہ ایسے بہت کم انسان ہیں۔ جو ایک دفعہ سنسار کے دھندوں اور پیشوں میں پھنسکر پھر اس سے صحیح و سالم نکل آئے ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ایسے بہت سے آدمی ہیں کہ جنہوں نے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں بڑی بڑی تجویزات و تدبیرات اپنے دلیش اودھار کے لئے اپنے دلوں میں سوچیں۔ اور یہہ کریں گے اور وہ کریں گے۔ کئی خیالی پلاؤ پکائے۔ لیکن جب ان کو دل لبھانے والے واقعات کا سامنا کرنا پڑا تو دولت کے دیوتا میمن یا کسی اور ایسے ہی کمبخت خیال نے انکو پیرا پار کر دیا۔ جس سے انہوں نے اپنے تمام خیالات اور اپنی تمام امیدیں نہ صرف ترک کیں۔ بلکہ ان روڑوں نے انکو اپنے ملک کے ادتار چڑھاؤ سے مطلق بے خبر ہی کر دیا۔

یہہ حال ان لوگوں کا ہوا جنہوں نے قانون کا پیشہ اختیار کیا اور یہی حال ان لوگوں کا بھی ہوا جنہوں نے جوڈیشل ملازمت یا ڈاکٹری وغیرہ کا پیشہ اختیار کیا۔ حتٰے کہ وہ چند آدمی بھی جو سررشتہ تعلیم میں داخل ہوئے۔ وہ ایسے ہی بن گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید وہ جوش جو ایک شخص میں بحالت طالب علمی برداشت تکالیف کے لئے پایا جاتا ہے وہ اسوقت جاتا رہتا ہے۔ جبکہ وہ ایک پیشہ میں داخل ہو کر گاڑی گھوڑے و عمدہ سواریاں و نرم نرم بستر و لذیذ میوہ جات وغیرہ حاصل کرتا ہے۔ مجھے

معلوم ہے کہ ایک طالب علم جس میں دیش ادتی کی بابت ازحد جوش پایا جاتا تہا۔
جس کی رائیں نہایت آزاد اور خیالات بہت پاکیزہ تھے اور جو عقل کا ایک مجسم
پتلا تہا اور وہ اپنے اس خداداد عقل و تمیز کو اپنے ملک کی بہتری میں صرف کرنے
کا وعدہ بہی کیا کرتا تہا۔ لیکن اب اگرچہ وہ اور اشخاص سے اچھا ہے۔ تاہم وہ روشن
شعلہ اس کے سینہ سے فرو ہو گیا۔ ایک اور شخص مسمے ۔۔۔۔ تہا۔ جو ایک دیوی یا
دیوتا معلوم ہوتا تہا۔ اور جسکو کارلائیل کی تصنیف کرام ویل کی سوانح عمری کے مطالعہ
نے جوش کہانے والی آگ کی مانند بھڑکایا ہوا تہا۔ اس نے علم تاریخ کا مطالعہ اس
لئے گرہن کیا تہا۔ کہ اسکی مدد سے اپنے ملک کے لئے عمدہ تدابیر سوچ سکے۔ لیکن جسوقت
انسان دنیوی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ اسوقت ایک عجیب نظارہ اس کے سامنے
آتا ہے وہ مطالعہ اور کتابیں اور وہ فکر و افکار تاش کے ورقوں اور شطرنج کے
میدان سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ دعوتوں کے جلسے اور تماشوں کے ٹھاٹھ
جلسہ اور لکچر کا کام دیتے ہیں۔ ایک اور ایسا ہی شخص تہا جس کی نسبت یہ خیال ہوتا
تہا۔ کہ اس نے پرومیتھیس (نام ایک یونانی حکیم کا) کی طرح آسمان سے آگ حاصل
کی ہے لیکن دنیا کے جل روپی سمندر میں جا کر اس کی وہ پرچنڈ اگنی سرد ہو گئی۔ کہ
جو طالب علمی کے زمانہ میں شعلہ زن تھی۔ ہائے۔ افسوس۔ اے آریہ ورت تیرے
وہ عمدہ عمدہ پودے بے پہل ہو گئے۔

جناب من یہہ عمدہ مثالیں ہیں جن سے ہمکو سبق لینا چاہئے یہ وہ (لائیٹ ہوس)
بلکہ روشنی کے سیارے ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر ہم اپنی زندگی کے جہاز کو تباہ کرنے
والی چٹانوں سے بچا سکتے ہیں۔ کیا میں آپ یا اسی قسم کے کسی اور شخص کی رائے
پر عمل کر سکتا ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ رائے مجھکو گناہ اور تباہی کے بے تہاہ

سمندر میں غرق کردیگی۔

شیوا ابھی میدان میں نکلا ہی نہیں اور اس بیچارے کی آنکھیں ابھی سے سخت خراب ہوگئی ہیں۔ پس اس سے بہی کیا توقع ہوسکتی ہے کیا خدمتش کا ساتھ اسو قت چھوڑ دے گا۔ جبکہ اور وقتوں کی نسبت اسکو اسکی مدد کی زیادہ ضرورت ہے۔

تم ہرایہ دیش میں ہو۔ اور قانونی خبط میں پھنسکر ریت کی کول بنا رہے ہو۔ میں جانتا ہوں مقتضائے وقت یہی تہا۔ کون ہے جو وقت اور واقعات کا غلام نہیں۔

اے وہ روح جو آزادی کے لئے ترس رہی ہے۔ ابھی تک مقید اور غلام ہے البتہ ابھی امید باقی ہے۔ پیاری امید۔ پیاری امید!

بیشک ایسے سخت دشمن کے مقابلہ میں ناچیز ارادہ کیا کرسکتا ہے۔ مگر کیا ہے جو یہ نہیں کرسکتا اسی امید میں کہ کوئی نہ کوئی راستہ اس تاریکی میں مجھکو بھی ملیگا میں اس خط کو بند کرتا ہوں ؛

تمہارا پیارا

گورودت ودیارتھی

اب میں پہر اصلی مطلب یعنے انکی ڈائریوں کے فقرات کیطرف متوجہ ہوتا ہوں ۱ جنوری مجھے یوگ کے۔ لئے کوشش کرنی چاہئے اور اپنی زندگی اپدیش کے کام میں کاٹنی چاہئے۔

۱۸ جنوری .... آج لاہور میں .... مجھکو ملے وہ میرے سے آیندہ کی بابت پوچھتے ہیں۔ مجھے جلد ہی کسی مستقل ارادہ پر قایم ہونا چاہئے۔

یکم فروری ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کالج میں اس عہدہ کے لئے میری سفارش ہوگئی ہے۔

۹ فروری جب میں .... کے پاس جاتا ہوں تو مجھے بتاتے ہیں۔ کہ جب آدمی

دھرم کالج میں لگ جاتا ہے تو پھر آزمایشوں میں نہیں ڈالا جاتا اور یہ تب تک ہی ہوتا ہے
کہ جب تک دھرم یہ پردین نہیں ہوتا۔

۲ فروری سینٹ نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ میں رضامند ہوں یا نہیں اگر وہ
اکسٹرا اسسٹنٹی کے لئے میری سفارش کرے ...... کیا جواب دوں۔

مؤلف کون انسان ایسے موقعہ پر سوچتا ہے کہ میں کیا جواب دوں کوئی
ہے کہ جو ایسے موقعہ پر رضامندی ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل کرے جبکہ نہ تو اس نے
کوئی کوشش کی ہو نہ خواہش کی ہو اور اسکو وہ عہدہ پیش کیا جاوے جو غایت آرزو
رعایائے ہند کی سمجھی جا سکتی ہے۔ اور جس میں بڑی عزت اور آبرو حاصل ہو سکتی
ہے۔ اور جو آرام اور چین سے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنیکا ذریعہ ہے اور با اختیار
عہدیدار ہو کر اپنے نوع اور برادران قوم و ملک پر حکومت کرنیکا موقعہ ملسکتا ہے۔ اور جس
میں انسان بڑی عزت حاصل کرسکتا ہے کہ جو ایک موجودہ گورنمنٹ اپنی دیسی رعایا کو
عنایت کرسکتی ہے۔ یعنے جو ان تمام باتوں کے حصول کا زینہ ہے لیکن گورو دت
کی آتما وہ پونہ آتما تھی جس نے ان سب خیالات اور واقعات کو حقارت اور نفرت
کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے قبول کرنے میں اپنی زندگی کے مشن کا نقصان بلکہ
بالکل ضائع ہو جانا خیال کیا۔

۲۹ مارچ۔ میں اب کالج سے علیحدہ ہوتا ہوں۔

۲۰۔ اپریل میں ۱۲ ماہ حال سے مسٹر اومن کیجگہ قائمقام مقرر ہوا۔

مؤلف ۱۱ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ڈپٹی کمشنر لاہور کے دفتر سے ایک ڈاکٹ بدیں مضمون
کہ تم ہمارے دفتر میں نقشہ امیدواران کمشنر اسسٹنٹی کی خانہ پری کرانے کے لئے
حاضر ہو ان کے نام صادر ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی نے اس

عہدہ کے لئے انکی سفارش کر دی ہتی۔ ناظرین کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ اس امتحان مقابلہ میں ہر شخص داخل ہو سکتا ہے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس میں وہ اشخاص لائق اور صاحب استعداد شامل ہو سکتے ہیں۔ جن کے باپ داداؤں نے اعلیٰ درجہ کی سرکاری خدمات کی ہوں اور رئیس اور صاحب جائیداد اور اپنے وطن میں بڑے بارعب ہوں۔ ان وجوہات کے ہونے پر بھی اس امتحان میں شامل ہونیکی اجازت کا ملجانا بڑی خوش قسمتی اور مغتنمات سے سمجھا جاتا تھا اور اور سمجھا جاتا ہے۔

پنڈت جی ڈپٹی کمشنر صاحب کیخدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے متعلق ہم کو ان کی ڈائری سے یہ فقرات ملے ہیں۔

۱۵۔ جون ۱۸۸۷ء میں ڈپٹی کمشنر کے پاس بموجب انکی طلبی کے گیا۔ درحقیقت کوئی انسان اپنے تئیں اور دنیا کو تکلیف دینے کے بدل اپنی طبیعت کے اس قانون کو جو ایشور نے قائم کیا ہے نہیں توڑ سکتا۔

مولف ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جب مہربان حکام اس بڑے عہدہ کیلئے جو گورنمنٹ اپنی دیسی رعایا کو دے سکتی ہے۔ اُن کی سفارش کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ ایشور کا سچا بیٹا یہ خیال کرتا تھا کہ گورنمنٹ کی اس قسم کی ملازمت کو اختیار کرنا اسکو اپنی طبیعت کے اس قانون کو توڑنا ہے جو ایشور نے اس میں رکھا ہے کوئی شخص اس امر میں شک نہیں کر سکتا۔ کہ اگر وہ اس امیدداری کو منظور کر لیتے تو قطعی کامیاب ہوتے اور ان کے فیل یا ناکامیاب ہونیکا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔

خدا کرے کہ تمام تعلیمیافتہ ہندوستانی اس خیال کو قبول کریں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو ہندوستان کی عام مصیبتیں اور ذلتیں اور افلاس وغیرہ ایسے بھاگ جائیں جیسے روشنی کے سامنے چمگادڑ یا اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔ میرے لئے یہہ ایک نہایت چھوٹی

شیخی کی بات ہو گی - اگر میں اُن لوگوں کو بُرا کہوں جنہوں نے کہ قانونی پیشہ اختیار کیا ہے یا جو ڈسٹیل سروس میں داخل ہوئے ہیں - کیونکہ پنڈت گورودت نے بھی بمقتضائے وقت کے لحاظ سے اُن کو معذور رکھا ہے - اور دیکھا ہے کہ کون واقعات کا علام نہیں ہوتا اور جبکہ کسی طرح سے یہ تحقیق نہیں ہے کہ اگر یہ لائق اور دیانت دار اشخاص اُن منصبوں کو ترک کر دیں اور اُن سے کم لائق اور کم دیانتدار اشخاص اُن کے جانشین ہوں تو ملک کو اس سے زیادہ نقصان نہ ہو گا - جتنا کہ موجودہ حالت میں خیال کیا جاتا ہے - مگر تاہم اس میں بھی ذرا شک نہیں کہ اگر یہ خیال ملک کے نوجوانوں کے دلوں میں جاگزین ہو جاوے تو ملک کی بہتری کا سوال بہت جلد حل ہو جائے - پنڈت گورودت کے دل میں مذکورہ بالا خیال گذرا ہوا نہ -

مگر یہ تحقیق ہے کہ وہ ایسے قانون کے مطابق عملدرآمد کرنا کہ جسکو وہ اپنی کانشنس میں غیر مساوی و نا منصفانہ خیال کرتے تھے - یا اُس خیال کی تائید میں گفتگو کرنا کہ جس کی نسبت وہ خیال کرتے تھے - کہ وہ اس غرض سے نہیں بنایا گیا کہ اُس سے پبلک کو مساوی حقوق حاصل ہوں - اور نہ اس خیال سے مدون کیا گیا ہے کہ اُس سے ایک بڑے بڑے زیادہ کثیر انبوہ خلائق کو ایسے فوائد حاصل ہوں کہ جو قانون کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہونے ممکن ہو سکتے ہیں بُرا سمجھتے ہیں۔

۲۴ - جنوری ۱۸۸۸ء کوئی بات قابل تحریر نہیں ہے - میں بہت سے معاملات میں گھبرایا ہوا ہوں -

۱۱ - مئی ۱۸۸۸ء برہما سے ایک پنجابی کی چٹھی آئی ہے اُس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی رسم و رواج ہمارے ملک سے بالکل الگ ہیں - کیا ایک منش وہاں بہت اچھا کام نہیں کر سکتا - اے ایشور تو مجھے وہ راستہ بتا جس سے

میں اپنی آتما کے لیے اور دنیا کے لیے مفید بن سکوں۔

مولف یہہ پنڈت گورودت کے اندرونی خیالات کا اظہار ہے اگرچہ وہ اپنے دیش سے بہت پریتی رکھتے تھے۔ لیکن تاہم یہ پریتی اپنے ملک کی چاردیواری کے اندر محصور نہیں تھی۔ انکی حب الوطنی کوئی تنگ دل حب الوطنی نہ تھی۔ مندرجہ ذیل قول جو ایک مشہور حب الوطن کی زبان سے نکلا تھا۔ اس معاملہ میں پنڈت جی کیخیالات کو اچھی طرح سے ظاہر کرتا ہے وہ کہتا ہے "جو لوگ اس بات کے دعویدار ہیں وہ ہمکو اخلاق سکھلائیں گے۔ لیکن ساتھ ہی ہمارے فرائض کو وہاں تک محدود کردینگے کہ جہاں تک اپنے کنبہ اور ہم دیش سے ہی واجب ہیں۔ پس وہ ہمکو ایک اعلیٰ درجہ کی خودپسندی سکھلائیں گے۔ جس کا نتیجہ ہمارے اور اوروں کے لئے بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ کنبہ و دیش دو دائرے ہیں جو ایک دوسرے کے اندر ایک بڑے دائرے کھچے ہوئے ہیں۔ اور یہ دونو ایک سیڑھی کے دو ڈنڈے ہیں جسکے بلا ہم بالاخانہ پر نہیں پہنچ سکتے اور انہیں ڈنڈوں پر بیٹھے رہنا منزل مقصود سے محروم رہنا ہے۔"

فقرات مذکورہ بالا کو یاد رکھکر ان کی ڈائری کے اس فقرہ کا ملاحظہ فرمائیے ۱۶ تاریخ کی ڈایری میں مرقوم ہے۔

اے ایشور پرماتما سرب شکتیمان تو اپنے داس کے دل کو بھگتی عطا کر کہ یہ تجھ پر اور ہستی تیری توجہ پا کر ہندوستان باسیوں کے لئے بہتری کا سامان مہیا کر سکے اور ان کے دلوں کو پوتر اور پاکیزہ و اعلیٰ خیالات و تاثیرات کے گرہن کرنیوالا بنا سکے۔

۱۸ ستمبر آج دن بھر دشیشک درشن پڑھتا رہا میں خیال کرتا ہوں کہ میں چھ درشنوں

پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ سکتا ہوں - جو دونوں طرح سے مفید ہونگے۔

اس مضمون پر جو آخری نوٹ انکی ڈایری میں ہے وہ ۲۲ جنوری ۱۸۹۰ء کا ہے اور وہ حسب ذیل ہے " کیا میں ست آر تھ پرکاش کا ترجمہ یا کوئی سنسکرت میگزین جاری نہیں کر سکتا۔

یہ آخری ارادہ تھا کہ جسکا اظہار جون ۱۸۸۹ء کے میگزین پر کیس میں شائع کیا گیا - اور جسکا خلاصہ اس کتاب کے اُن صفحات میں کہ جہاں ٹرمی نولوجی آف دی ویداز وغیرہ کا ذکر ہے ملیگا - اس کام اور اس ارادہ کے پورا کرنے کے لیے انکو ایک سخت محنت کی ضرورت محسوس ہوئی - چنانچہ اسی محنت نے ہمکو وہ دن دکھلایا جبکہ بیماری نے زور پکڑا اور وہ مقدس وجود ہمسے چھین لیا گیا - اے اجل تو کیسی بے رحم ہے - کیا تجھکو ایک یہی آتما ملی - کیا تجھکو بھی اسی کی ضرورت تھی - افسوس - افسوس اجل نے ذرا بھی ترس نہ کھایا۔

پنڈت جی اور یوگ وِدّیا

مجھ جیسے ناپاک اور پاپی کے ہاتھ کا کام نہیں جو ایسے پوتر اور متبرک مضمون پر جبہ از بس مشکل بھی ہے کچھہ دخل دے - چونکہ پنڈت جی کی سوانحعمری پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں پنڈت جی کی اُن کوششوں کا بیان نہ کیا جاوے جو انہوں نے اس مقدس مضمون کے حصول میں کیں - کیونکہ انکی زندگانی کا بڑا مقصد یہہ بھی تھا کہ وہ یوگی بنیں - چنانچہ اُن کے روزنامچہ کا خلاصہ جو میں آیندہ پیش کرونگا وہ اس امر کی شہادت دیتا ہے - لہذا مجھکو اپنی کتاب میں اسکے لئے ایک فصل رکھنی پڑی میں قبل ازین کہ پنڈت جی کی زندگی کے اُن واقعات کو تحریر کروں جو اُس

ودیا یعنے یوگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ظاہر کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ کہ میں اس پوتر مضمون کے بارے میں کچھہ لکھنے کا ہرگز ہرگز ارادہ نہیں کرتا اور نہ پنڈت جی کی تحریروں پر کسی قسم کی شرح و تفصیل لکھہ سکتا ہوں۔ میرا فقط یہ فرض ہے کہ اسپارہ میں جو کچھہ مجھکو انکی ڈایری سے ملا ہے اُسے بجنسہ ہدیہ ناظرین کر دوں۔ تاکہ اُنکی سوانحعمری کا مضمون ادھورا نہ رہجاوے اور میں یہہ بہی خیال کرتا ہوں کہ پنڈت جی کی وہ تحریریں جو اس معاملہ کی نسبت ہیں اپنی اصلی حالت میں زیادہ خوبصورت اور شایاں معلوم دینگی۔ بہ نسبت اسکے کہ وہ مجھہ جیسے ناواقف کے ہاتھہ سے کسی قسم کی شرح حاصل کرکے معلوم ہوں۔

ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ ہمنے پنڈت جیکو لڑکپن میں پرانایام کرتے اور مثنوی مولانا روم وغیرہ کتب تصوف مطالعہ کرتے پایا۔ اور پہر نوجوانی کے عالم میں بہی انکو یوگ کی مشق کرتے ہوئے اور اس رازدار مضمون کی تلاش میں ہر جگہ جہاں کہیں اس کا سراغ ملا تلاش کرتے ہوئے پاتے ہیں پس اس میں کچھہ شک و شبہ نہیں ہوسکتا کہ ابتدائی عمر سے انکو اس علم کا از بس شوق تھا۔ اب میں انکی ڈائریوں کی نقل پیش کرتا ہوں۔

۱۴ جنوری ۱۸۸۴ء میں آج سے آدھ گھنٹہ روز اپنے مقدس فرائض میں صرف کرنے کے لئے نکال لینے کا وعدہ کرتا ہوں۔

۱۵ اگست آج سے وہ سخت قواعد کہ جن کے اندر میں اپنے آپکو ڈالنا چاہتا ہوں شروع ہوگئے۔

۱۸ فروری ۱۸۸۵ء اے آپ ہی آپ روشن ہونے والی ودیا خوب پڑہ ہو

اور میرے دماغ کو مصالحہ دو اور طاقتور کرو۔

یکم مارچ مجھکو یوگ کے لئے پیروی کرنی چاہیے۔

۲۳-اپریل- چونکہ ابھی میری گھبراہٹ کی عادت اچھی طرح سے نہیں گئی اور موسم گرما شروع ہوگیا اسلئے مجھے فوراً کام شروع کردینا چاہیئے- اور مقدس فرائض کے پورا کرنے کے لئے فوراً تیار ہوجانا چاہیئے- کیسے افسوس کی بات ہے کہ پورے دو سال سے مشق چھوڑی ہوئی ہے- شرم شرم شرم

۲۴-اپریل ایک مصمم ارادہ ...... کیوں تو تمام محبت وغیرہ خیالات کو نہیں چھوڑ دیتا۔

۴ راکتوبر زندگی کا ایک نیا پہلو.... کیا میں دیوانہ ہوگیا ہوں- کیا میرے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہے ہیں- میں نے اپنے فرائض کا خیال بالکل بھولا رکھا ہے- ہا مجھکو اسے پورا کرنا چاہیئے

۲۱ رجون سنہ- فضول بکواس سے کچھ حاصل نہیں ہے- فوراً یوگ کی مشق شروع کردینی چاہیئے۔

۱۶ جنوری سنہ مجھکو یوگی بننا چاہیئے اور اپنی زندگی وعظ یا لکچروں میں صرف کرنی چاہیئے۔

۲۵ رجنوری باقاعدہ یوگ کی مشق۔

۲ فروری- آج میں لالہ.... کے ساتھ پنڈت کو ملنے کے لئے جاتا ہوں میں انکو دیکھکر بہت خوش ہوتا ہوں- معلوم ہوتا ہے- کہ وہ یوگ کے معاملات سے خوب واقف ہیں۔

۱۸ رفروری سنہ مذکور مسٹر.... کے پاس جاتا ہوں اور اس کے ساتھ

یوگ کے گیارہ سوتر پڑھتا ہوں۔

۹ فروری۔ میں مسٹر۔۔۔۔۔ کے پاس جاتا ہوں وہ مجھکو بتلاتے ہیں۔ کہ جب انسان دھرم میں داخل ہونا چاہے اسوقت اسکو اور آزمائشوں میں ڈالا جاتا ہے اس میں داخل ہونے سے پہلے پہلے اس قسم کی آزمائشیں البتہ ہوتی ہیں۔ مثلاً ہمکو کسیکو تعلیم دینی پڑی۔ کسی سے بحث کرنی پڑی اور چھپر چھپنک چھپنک کر وقت کا شمار کرنا پڑے اور ریت گرانا۔ جسوقت کہ مستورات سامنے کھڑے ہوں ۔۔۔۔۔۔ وہ مجھکو بتلاتا ہے کہ وہ ایک وقت کسی سے دریافت کر رہا تھا۔ کہ اُسکو سچی ودیا کون پڑھا سکتا ہے۔ اسوقت وہاں بہت سے سادھو موجود تھے۔ اور اسوقت انہوں نے بہت سے طریقے اس کے لئے بتلائے۔ لیکن اُن سب کو اُسنے رد کر دیا۔ اتنے میں ایک شخص لمبی ڈاڑھی والا آیا اور کچھہ دیر تک وہ کھڑا رہا اور پھر آگے بڑھکر اس نے کہا۔ کیا تم حقیقت میں حقیقی یوگ کی مشق کرنے کے مشتاق ہو۔ جاؤ۔ ابھی تمہارے لئے وقت ہے کہ تم اُسکو شروع کر دو۔

کیا تم چاہتے ہو کہ اُسیوقت اور اسیجگہہ عمل کرنے کے لئے کوئی قاعدہ یوگ کا تمکو بتلایا جاوے یا کہ ایسا طریقہ کہ جسکو تم اپنے پیشہ کے ساتھ اپنی زندگی کے طریقہ میں کرسکو۔۔۔۔۔۔ اس گفتگو کے بعد اُسکو لیگئے۔۔۔۔ مجھ سے پنڈت جی موصوف نے کہا کہ تم گرمیوں کی تعطیلات میں وہاں اُن کے پاس جاکر یوگ کرو۔ پنڈت گورودت اپنے والد کی بیماری کے اور اس ڈیپوٹیشن کے باعث جو کالج کے متعلق ان تعطیلات گرما میں ممالک مغربی شمالی کو گیا۔ اپنے اس ارادہ کو پورا نہ کرسکے۔

ڈائری۔ مجھے کل بہت سویرے اُٹھنا اور اگر ممکن ہو یوگ کرنا چاہئے۔۔۔۔ جاپ گائیتری کے لئے صبح اُٹھنا چاہئے اور یہ پوری کرنی چاہیئے۔

۱۰ فروری میں صبح اُٹھا اور ہزار جاپ گائیتری کے کئے۔۔۔۔۔۔ پھر شام گرُ اسکے پاس گیا۔ اور یوگ درشن کا پہلا ادھیائے ختم کیا۔

۲۰ فروری اب تک یوگ، کا کچھ نہیں کیا۔ افسوس صد افسوس۔۔۔۔۔۔

مولف اسی اثنا میں انکو اپنے پتا کی بیماری کی خبر پہونچی اور وہ ملتان کو چلے گئے جہان سے واپس آکر پھر اپنی ڈائری میں یوں رقمطراز ہوئے۔

آج ایک ارادہ بمشکل ایک تدبیر میں باندھا جاتا ہے۔ مگر افسوس کل اسکو توڑ ڈالتے ہیں۔

۱۹ مئی کیا میں باقاعدہ بن سکتا ہوں۔ اے ایشور مجھے بناوے جو مجھے بننا چاہئے۔

۲۵ مئی ایک جبڑی خط پہونچا جس میں۔۔۔۔ نہتی کیا ہوا تھا یوگ کی اچھی واقفیت ہے۔۔۔۔ یہہ بات کہ اسوقت کوئی یوگی نہیں مجھے غلط معلوم ہوتی ہے۔

۳۰ جون۔۔۔۔ اے ماد دانی۔۔۔۔ توہی میرا خواب ہے۔۔۔ توہی میرا مضمون ہے۔۔۔۔ اے ایشور پتا۔۔۔۔ پتا۔۔۔۔۔ پتا۔

یکم جولائی۔ پاپ ادہی۔ اے ایشور پتا۔۔۔۔ پتا۔۔۔۔ پتا۔

۴ جولائی۔ یوگ کی بابت ذکر ہوتا رہا۔

۸ جولائی وودانش سیکھے ہیں۔

۱۴ نومبر۔ میرے برت کا پہلا دن ہے۔

۲۱ر نومبر میں آج دیر میں اٹھا میرا ارادہ ہے کہ کچھہ نہ کھاؤں اور بغیر کمبل کے سوؤں اور سرد کپڑے پہنوں۔

۲۵ر نومبر ایک گھنٹہ ہر روز یوگ میں صرف کرنے کا ارادہ کرتا ہوں۔

مولف اگلے سال کے شروع میں پنڈت جی اکثر بیماری کا ذکر کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ مہلک بیماری انکو اسیوقت سے شروع ہو گئی ہتی۔

پرہتی۔ کوئی مشق نہیں ..... مجھکو آج شروع کرنی چاہئیے۔

۵ر ستمبر۔ دل میں بے چینی ہے ایک خوشگوار سندھیا کہ جس میں دل ایسا ذلیفتہ ہوتا ہے کہ کہنچا ہی چلا جاتا ہے اس بے چینی کو مٹاتی ہے۔

اس کے بعد ہمکو پنڈت جی کی کوئی باقاعدہ ڈائری نہیں ملی۔ اگرچہ کہیں کہیں کچھہ ملتا ہے جیسا کہ ہمنے اوپر لکھا اس امر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات دنوں اور مہینوں تک اسکی کچھہ پرواہ نہیں کی گئی۔

پنڈت جی کی عادات وصفات

جو کچھہ اس فصل میں درج کیا جاتا ہے۔ وہ عموماً ذاتی تجربہ اور میل ملاپ کا نتیجہ ہے۔ جب ہی کہیں ڈائریوں کے اندراجات بھی درج ہیں۔ اور نیز انکے دیگر دوستوں کی شہادتیں ہیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس خیال بارے میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوگا اور نہ ہے کہ پنڈت جی باقاعدہ نہیں تہے اور نہ ان کا کام باقاعدہ تہا۔ مثلاً کہانا۔ پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ پڑہنا۔ کہیلنا کودنا۔ ورزش واستراحت وغیرہ وغیرہ سب باتیں بے قاعدہ تہیں گویا بیقاعدگی انکی زندگی کا ایک جزو تہی۔ ہر ایک کام کو کہ جسکو انسان کرسکتا

ہے۔ کر لینے کی قابلیت اُنکی کامیابی کی کُنجی تھی۔ اور یہی بے قاعدگی ہر ایک کام
میں جو انہوں نے شروع کیا پائی جاتی تھی۔ اور یہی انکی ایسی جلدی موت کا باعث
ہوئی چنانچہ انکی عادت تھی۔ کہ اگر سونا شروع کیا تو پورے ۲۴ گھنٹہ تک پڑے
سوتے رہے سوائے کہانا کہانے وغیرہ رفع حاجات کے کئی دنوں تک سوائے سونے
کے اور کچھہ نہیں کیا۔ اور اگر پڑہنا شروع کیا تو راتوں پڑہتے ہی رہے اور مطلق آنکھ
نہیں جھپکی۔ اور اگر کبھی سیر کو گئے تو میلوں بے تکان چلے گئے۔ اور کبھی گھر میں بیٹھنے
کی سوجھی تو دنوں باہر ہی نہیں نکلے سوائے کالج جانے آنے کے کہیں جانے کا نام ہی
نہیں لیا۔ انکی ڈائریوں کی تحریریں انکی ان بےقاعدہ باتوں کی ازبس شکایت موجود ہے
یعنے اس قدر شکایتیں اپنی ان عادات کی نسبت لکھتے ہیں کہ میں حیران ہوں کہ سند اُن
کسکو پیش کروں۔ اور کسکو نہ کروں۔ پس اسوجہ سے میں بہتر سمجھتا ہوں کہ کوئی ایک
بھی نہ لکھوں۔ کہانے میں وہ تین باتوں کا خیال رکھا کرتے تھے۔ اول سرخ مرچ نہ کہایا کرتے
تھے۔ دوئم گوشت سے پرہیز تہا۔ سوئم جو سبز بہاجیاں اُن کے سامنے پروسی گئیں وہ
سب ایک ایک کرکے باترتیب کہالیں۔

اُن کے ایک دوست جو کئی سال تک اُن کے ہمراہ ایک مکان میں رہے ہیں۔ تحریر
فرماتے ہیں۔ کہ ایکدفعہ پورے دو ماہ تک سوائے دودھ بسکٹ کے کچھہ نہیں کہایا اور یہ
اُن دنوں کا واقعہ ہے جبکہ آپ کالج میں پروفیسر تہے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے
ملازم کو ملتان اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے تھے۔

اُنہیں منشیات سے سخت نفرت تھی مؤلف کو باوجود نہائت بے تکلفی و یگانگت
کے کبھی اس امر کا شک و گمان تک نہیں گذرا کہ پنڈت جی نے کوئی نشہ کہایا پیا ہو۔
لباس بہت مختصر اور سادہ پہنتے تھے۔ اُن کو کبھی اسباب کی پرواہ نہ تھی۔ کہ پارچہ پوشیدنی

کس قسم کے کپڑے ہوں۔ فقط رفع ضرورت سے کام تہا۔ اس امر کی کچھہ پرواہ نہی کہ کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے۔ جیسا ہوا پہن لیا۔ بناوٹ اور آرام کا کبھی خیال نہ تہا۔ اس معاملہ میں وہ اپنے لباس کی سادگی اور بے ڈھنگی پوشاک کیلئے مشہور تھے لاہور کے موسم سرما میں وہ کئی سال معمولی لٹھہ کے کپڑے پہنتے رہے۔ لٹھہ کی ایک پتلون ایک کوڑتہ دو واسکٹ و کوٹ و ایک معمولی سی چھوٹی سی ٹوپی پہنا کرتے۔ اس عادت کو اپنی زندگی کے اخیر دو سال میں چھوڑ دیا تہا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے جسمانی اعضا میں کسی قسم کی خرابی سرایت کر گئی تہی۔ اُنکے بستر میں صرف ایک معمولی سوتی دری کی قسم کا ملتانی ساخت کا کپڑا اور ایک اکہری فرد شال کی تہی۔ ناظرین! ان باتوں سے متعجب ہوکر ان کو مبالغہ نہ خیال کرنا چاہئے۔ کیونکہ مؤلف نے سنہ [illegible] سے لیکر شروع [illegible] تک یہ باتیں بچشم خود دیکھی ہیں۔ بلکہ ایکدفعہ مجھکو اُن کے ساتھ سونے کا بھی اتفاق ہوا اور باعث نہ کافی ہونے کپڑے کے سردی کے مارے رات بہر جاگتے کاٹنی پڑی۔ مگر وہ نہایت گہری نیند میں سو رہے تھے اور ذرا سردی کی علامت کا اظہار نہیں کیا۔ برخلاف اس کے موسم گرما میں سخت جلتے ہوئے آفتاب کی دہوپ میں وہ گرم کشمیرہ کا کوٹ اور واسکٹ پہنا کرتے۔ اور رات کو کمبل اوڑہتے۔ مگر موت کے دو تین سال پہلے یہ عادت بھی چھوٹ گئی۔ کیونکہ ان تکالیف کو برداشت کرتے رہے جو وہ آزمائش کے خیال سے کرتے تہے۔ انکی جسمانی قوتیں بہت کمزور ہو گئی تھیں اور صحت جسمانی جواب دے چکی تہی۔

وہ کسی خاص فیشن کے کپڑے نہیں پہنتے تہے۔ اور نہ کبھی شوقیہ کسی پارچہ کا استعمال کیا۔ لاہور آتے ہی تھوڑے دنوں بعد پاجامہ کی بجائے پتلون کا استعمال شروع کیا۔ کیونکہ انکو یہ خیال تہا۔ کہ پاجامہ کی نسبت پتلون سے انسان زیادہ

چست وچالاک رہتا ہے اور وہ اسباب کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ کہ پوشاک
میں کوئی قومیت کا بھی لحاظ رہے۔ انکی رائے میں ہر ایک شخص اپنی پوشاک اور
اپنے ڈریس کے اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ ہاں اتنا ضرور خیال کرتے تھے کہ
بھڑکدار وچمکیلی پوشاک کی بجائے سادہ صوفیانہ پوشاک ہونی چاہیئے۔ اور کہا
کرتے تھے کہ کسی سوسائٹی کو کسی خاص قسم کی پوشاک وردی کے استعمال کرنے
پر کسیکو مجبور کرنیکا کوئی حق نہیں ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ اُن کا اس قسم کی انگریزی
وضع کی پوشاک پہننے کا یہ مطلب تھا کہ اس بارے میں اُن کی رائے کا اچھی طرح سے
اظہار ہو جاوے۔ اس رائے کی درستی یا غلطی پر بحث کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ ناظرین
خود وچار لیں گے۔

بعض اوقات وہ عجب لباس پہن لیتے تھے۔ مثلاً معمولی طور پر یونیورسٹی
کے گون کو بھی اوڑھے پھرتے۔ غیر معمولی سردی میں ضرورت سے کم کپڑے
اوڑھنے کی بجائے پھر وہ ایک انگریزی کمبل کا استعمال کیا کرتے کہ جس میں
سمٹ کر لپیٹ جایا کرتے۔ سفر میں ہر موسم میں خواہ گرمی ہو یا سردی کمبل اکثر
ساتھ ہوتا تھا۔ وہ ایسے سادہ مزاج تھے کہ اکثر جب اُن کے پاس دو ماہ کے لئے
ملازم نہ تھا ہر روز صابون سے اپنے کپڑے خود دھو لیا کرتے۔ ایسا نہ ہو کہ ناظرین
ان باتوں سے ان کو کنجوس خیال کریں۔ اسلئے بہت ضروری ہے کہ میں چند
اسباب کو بیان کر دوں کہ وہ ایسے نہ تھے اور نہ یہ باتیں کنجوس ہونے
کی وجہ سے تھیں۔ روپیہ کو فقط خرید اشیا اور لین دین کا ذریعہ خیال کرتے
تھے اور اس کے جمع کرنے یا فراہم کرنے یا کفایت کا کبھی وہم و خیال بھی
اُن کے دل میں نہ گذرا تھا۔ وہ اُن آدمیوں میں سے تھے۔ جو روپیہ کو توجھی اور

کی اغراض کے سوائے جمع کرنا گناہ تصور کرتے تھے۔ جو کچھ اُنکو ملتا سب خرچ کر دیتے
اور جب کبھی اُن کے پاس روپیہ موجود ہوتا اور وہ اُسکو کسی دوست کو اس کی ضرورت
کے لیئے دیدیا جاتا تو کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ کسے قرض دیا ہے اور نہ کبھی
واپس مانگا۔ اور بہت موقعوں پر اس قسم کا اتفاق پڑا۔ خرچ کا حساب کتاب
کبھی نہیں رکھا۔ اور نہ ایک آدمی کے سوائے کبھی کوئی نوکر رکھا۔ اور نہ کبھی
کسی قسم کی عیش و آرام کے لئے ایک حبہ خرچ کیا وہ فراخ حوصلہ اور فیاض
اور ترس کہانے والے آدمی تھے۔ اکثر دفعہ انہوں نے اپنے تھوڑے سرمایہ
سے غریب طلباء کو خرچ دیا۔ اور پروفیسر ہو کر بھی اپنے طریق زندگی میں کوئی
تبدیلی نہ کی۔ حتیٰ کہ وہی چھوٹا سا مکان طالب علمی کے زمانہ والا سکونت
کے لئے رکھا۔ صرف ایک دفعہ دو ماہ کے لئے اسکو بدلا۔ کیونکہ ان دنوں میں
اُن کے والد بیمار ہو کر لاہور میں آ گئے تھے۔ اور اس وجہ سے اس تنگ
مکان میں گذارہ مشکل تھا۔ گویا جس مکان میں ایم اے کے امتحان کے دنوں
میں بود و باش کرتے تھے۔ اسی میں مر گئے۔ دو ماہ کے سوائے اُن کی آمدنی
کا بڑا حصہ خرید کتب پر صرف ہوتا تھا۔ جن کو سوائے خاص خاص کتابوں کے
ایک دفعہ پڑھنے کے بعد پھر کبھی حفاظت سے نہیں رکھا۔ انیڈرو جیکسن
ڈیوس کی کتب اور سنسکرت کتب کو بیشک احتیاط سے رکھا کرتے تھے
اور انکو مقدس کتب خانہ کہا کرتے تھے۔

وہ نہایت ہی ملنسار۔ نیک۔ محبت والی طبیعت کے آدمی تھے۔ اور
اُن کے طریق بہت خوشگوار اور عمدہ تھے ماتحتوں اور شاگردوں کیساتھ پدرانہ محبت سے پیش آتے
اور گھنٹوں بات چیت کرتے رہتے تھے اور کھیلتے رہا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ دینی

ہی طبیعت کے بن جاتے تھے۔ بچّوں سے بچّوں کی سی گفتگو کیا کرتے۔ بڑوں سے بڑوں کی سی۔ طالب علموں کو انہوں نے کبھی کوئی سخت لفظ نہیں کہا۔ اور اپنے درجہ یا رتبہ کا کبھی غرور نہیں کیا۔ اُنکی عادت میں اخیر وقت تک فرق نہیں آیا۔ تکلفات ظاہری سے بڑی نفرت کیا کرتے تھے۔ اور کئی دفعہ وہ ممالک مغرب و شمالی میں لوگوں کو ذرا گنوار سے ہی معلوم ہوئے ہونگے۔ مگر یہ اُنکی سادگی طبیعت اور ہمدردی برتاؤ کا نتیجہ تہا۔

جسمانی ورزشوں کا انکو بڑا شوق تہا۔ اور اکثر جمناسٹک کی ورزشیں انکو آتی تہیں۔ چلنے اور دوڑنے میں وہ ایسے تیز تھے۔ کہ کئی بار بڑے بڑے چلنے والوں کو انہوں نے ہرا دیا۔ جب تک گورنمنٹ کالج میں رہے کرکٹ و فٹ بال پارٹی کے ممبر رہے۔ نہانے کے معاملہ میں وہ بڑی احتیاط رکھتے تہے اور اکثر ہر ایک موسم میں دو دفعہ ٹھنڈے پانی میں نہاتے تھے۔

پنڈت جی کی زندگی کا آخری سال

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو ہمہ خنداں بودند و تو گریاں
زیستی کن کہ وقتِ مُردنِ تو ہمہ گریاں بودند و تو خنداں

اِس عرصہ میں آریہ سماج کے سبھا سدوں میں بعض ضروری مسائل پر بہت زور شور سے بحث مباحثے جاری رہے۔ اور آریہ سماج تمام جلسوں میں خواہ وہ جلسہ متعلقہ دیانند اینگلو ویدک کالج ہوتا تہا۔ یا سماج کے عام فائدہ کی غرض سے ایک غیر معمولی جوش دکھائی دیتا تہا۔ دیانند اینگلو ویدک کالج کی بابت سب سے مشکل سوال جس پر اس سال بہت

کثرت سے مباحثات ہوئے یہہ تہا کہ سکول اور کالج کے سلسلہ تعلیم میں کلاسیکل سنسکرت یا یوں کہو کہ ویدک سنسکرت کو کیا جگہ ملنی چاہئے۔ سماج کے ایک بڑے معتدبہ فریق کا یہہ خیال تہا کہ کالج اپنے مدعا سے دور چلا جاتا ہے۔ اور جن اغراض سے وہ قائم کیا گیا ہے۔ ان کے پورا ہونے کی امیدیں مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ یہہ بحث یہاں تک پہونچی کہ اُن میں سے بعض نے کہنے سے بہی دریغ نہیں کیا۔ کہ منتظمان کالج درحقیقت اس امانت کو ٹہیک طور پر انجام نہیں دے رہے۔ اور بہت سے سرگرم ممبروں کا یہ خیال تہا کہ ضرور ہے کہ موجودہ سلسلہ و انتظام تبدیل ہوکر کالج کے انتظام میں ایک انقلاب پیدا کیا جاوے۔ لوگوں کا یہ خیال تہا کہ پنڈت گورودت ودیارتھی اس فریق کے سرگروہ تھے اور فریق ثانی کے بعض اصحاب اس فریق کے تمام افعال واقوال کا ذمہ وار گورودت کو بناتے تھے۔ مجھکو سخت افسوس ہے کہ پنڈت صاحب کی راستبازی اور انکی اخلاقی دلیری سے بعض لوگوں نے بیجا فائدہ اٹھایا۔ چونکہ پنڈت صاحب کا ظاہر و باطن ایک تہا اور وہ ہمیشہ حکمت عملی سے بہت نفرت کیا کرتے تہے۔ اس لئے بہت سے قول و فعل ایسے لوگوں کے جو اس امر میں کسی حد تک پنڈت صاحب سے ہم خیال تھے۔ پنڈت صاحب کیطرف منسوب کئے گئے۔ میں نے اس سوال پر کئی دفعہ پنڈت صاحب سے بات چیت کی۔ اور جہانتک میں نے ان کی گفتگو کو سمجہا اس کا خلاصہ ذیل میں ہدیہ ناظرین ہے۔

اُن کا یہ خیال تہا کہ دیانند اینگلو ویدک کالج اس غرض سے قایم نہیں کیا گیا۔ کہ یونیورسٹی کے ڈگری یا فتوں کی تعداد میں ترقی ہو یا بہت سے

وکیل اس کالج سے نکلیں یا اور ایسے آدمی پیدا ہوں۔ جن کی خوشحالی موجب بربادی
ملک و قوم ہو اور جن کے وجود سے جیسے کہ وہ موجودہ زمانہ میں ہیں ملک کے
آتمک بھاگ کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ گورنمنٹ کے لئے کلارک
جوڈیشیل عہدیدار انجینیر وغیرہ ملازمان بہم پہونچانے کی جد و جہد سے اس کالج
کو قایم نہیں کیا گیا۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ان خیالات اور راؤں پہ قایم
رہیں۔ جو ہم نے کالج مذکور کی مدد کے لئے روپیہ مانگنے میں وقتاً فوقتاً پبلک
کے سامنے پیش کی ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ ہم کالج کے قیام کی اصلی غرض
کو نظر انداز نہ کریں اور ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی کوشش میں کلاسیکل سنسکرت
سے غافل نہ ہوں یہ انکی عادت میں داخل نہ تھا کہ وہ پیچیدہ باتیں بنا کر اپنے
مطلب کو پیچیدہ الفاظ میں بیان کریں۔ بلکہ وہ صاف طور پر یہ کہا کرتے تھے۔ کہ
وقت آگیا ہے کہ کلاسیکل سنسکرت کی زیادہ تعلیم دیجاوے۔ خواہ اس مطلب
کے حصول کے لیے ہم کو انگریزی کی تعلیم میں کچھ کمی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اُن کا
خیال تھا کہ صرف وید اور ویدک لٹریچر (ویدک گرنتھ) کی تعلیم سے موجودہ ٹوٹی ہوئی
ہندو سوسائٹی اپنی اصلی حالت کو حاصل کرنے میں کسی درجہ کامیاب ہو سکتی ہے اور
صرف اسی تعلیم سے ہندو سوسائٹی کے عیوب دور ہو سکتے ہیں اور اسلئے سچی
قومی ہمدردی اسی میں ہے کہ ایسے منش پیدا کرنے کی کوشش کیجاوے۔ جو ویدوں کے
ست اپدیشوں کو پھیلا سکیں اور منش ماتر کو اپنے جیون کا ادیش سمجھنے اور پورا کرنے
کے لئے طیار کر سکیں وہ یورپین سوسائٹی کے نمونہ پر اصلاح کے خیال کو پسند
نہ کرتے تھے سوائے قدیم ہندوستان کے اعلیٰ درجہ کے نمونوں کے اپنے لئے اور
کوئی نیا نمونہ نہ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لئے بہت سے لوگ انکی نسبت کہا

کرتے تھے - کہ وہ ہوائی گھوڑوں پر سوار رہتے ہیں - ان کے خیالات کیطرف
اوّل ہی اوّل کسیقدر سرد مہری ظاہر کی گئی - اور انگریزی علم ادب اور مغربی
علوم کو بدستور ویسے ہی ترجیح ملتی رہی - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اوقات پنڈت
جی کو انگریزی تعلیم سے بالکل منکر ہونا پڑا - لیکن اصل میں یہ کبھی ان کا منشا نہیں
ہوا - کہ انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کی سکشا کو بند کر دیا جاوے - وہ اس بات
کو القبول کرتے تھے - کہ مغربی علوم کی روشنی نے ایک معقول حد تک انکو ویدوں
اور ویدک علم ادب کے مخفی معنے سمجھنے کے قابل کر دیا ہے - مگر ان کا یہ خیال ضرور
تہا - کہ کوئی طریقہ تعلیم ہمارے لیئے مفید ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس
طریقہ تعلیم میں سنسکرت کو اعلیٰ درجہ کی جگہ نہ دیجاوے اور اس کی زیادہ پرواہ
کی جاوے - کلاسیکل سنسکرت کی تعلیم کے متعلق اُن کا خیال تہا کہ وہ اس طریق پہ
دی جانی چاہیے - جو سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے
اوّل حصہ میں جس میں پٹھن پاٹھن کا دستور بیان کیا ہے - ایسے لائق اور فاضل
ادھیاپکوں کے ابھاؤ نے جو زمانہ حال کے گذشتہ طریقہ تعلیم سنسکرت سے
بالکل مبرا ہوں اور جن کو آجکل کے زمانہ کی سنسکرت کی ہوا نہ لگی ہو انکو اس
خیال کیطرف راجع کیا تہا - کہ دیانند اینگلو ویدک کالج کا فرض ہے کہ اس جماعت
کو پیدا کرے اور اس کے نزدیک کالج مذکور میں اس کا کچھ انتظام ہونا ایک
مناسب امر تہا - مختصراً دیانند اینگلو ویدک کالج میں طریقہ تعلیم کی بابت انکی یہ رائے
تھی جو اوپر بیان ہوئی ہے - اور کسی شخص کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ انکی بحث ایک
بڑی حد تک معقول تھی - اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ سوائے دہرم کی
ترقی و ملکی بہبودی کے انکی اور کوئی اپنی غرض نہ تھی اور جو لوگ کہ اس بحث میں پنڈت

صاحب کیطرف مختلف قسم کی اغراض محمول کرتے ہیں - میرے خیال میں یہ خود ان
کی کوتاہ بینی ہے - اور دراصل اس کی کچھہ بنیاد نہیں جو قابل افسوس تفرقہ اس
بحث سے سماج کے سرگروہوں میں وقوع میں آیا تھا وہ دراصل اختلاف رائے
سے پیدا نہیں ہوا تھا - بلکہ ایک دوسرے کی اغراض کی غلط بیانی اور غلط فہمی
سے پیدا ہوا تھا - آریہ سماج کے ممبروں میں اختلاف رائے سے کبھی تفرقہ نہیں
پڑتا - کیونکہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ اکثر دفعہ دو بڑے پیارے دوست
آریہ سماج کے جلسوں میں مختلف رائے رکھتے تھے - اور اس اختلاف سے انکی
دوستی میں کچھہ فرق نہیں آیا - رنجش اگر کبھی درمیان میں آتی ہے - تو صرف اسی
وقت جب کہ بعض کوتاہ بین اصحاب ایک دوسرے کی اغراض و مطالب کو مبالغہ آمیز
گفتگو سے رنگ چڑھاتے ہیں - انسانی کمزوریوں میں سے یہ بھی ایک کمزوری ہے
کہ بعض وقت اپنے مطلب کی تائید میں خواہ وہ مطلب ٹھیک بھی نہ ہو - انسان دوسرے
شخص کی تقریروں اور تحریروں کی غلط تعبیر کرتا ہے - اور انکو ہمیشہ عیب بین آنکھوں
سے دیکھتا ہے - آریہ سماج کے ممبر خدا نہیں ہیں اور وہ معصوم بھی نہیں ہیں ان میں
سے بھی بعض میں یہ کمزوری ہے - ہمکو افسوس ہے کہ ایسی کمزوری پر بے فائدہ توجہ
دینے سے دیانند اینگلو ویدک کالج کے متعلق متذکرہ بالا اختلاف بہت تیزی سے بڑھتا
گیا اور کس درجہ رنجش کی حد تک پہونچ گیا - اور ایک وقت میں اس رنجش سے
بہت برے نتیجوں کی امید پڑتی تھی - مگر پرماتما کا شکر ہے کہ یہ اندیشہ بہت جلد
رفع ہو گیا - اس موقع پر فریق ثانی کے خیالات کو درج نہ کرنا ایک بڑی ناانصافی ہوگی
اور اس لئے میں یہ بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ فریق ثانی کے اغراض زیادہ
تر وقت اور زمانہ کے مقتضا کے موافق تھیں - ان کا یہ خیال تھا اور اب بھی ہے

کہ سنسکرت کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم صرف بتدریج رائج ہو سکتی ہے اور یک لخت
اپنا طریقہ تعلیم نہیں بدلا جا سکتا۔ جس سے سکول اور کالج کی بہبودی اور ترقی رک جاوے
ان کا خیال ہے کہ کالج میں خالص سنسکرت کلاس نہیں کھل سکتی۔ کیونکہ یہ کالج مغربی
علوم و فنون سنسکرت کے اعلےٰ تعلیم کے مشترک اغراض سے قائم کیا گیا ہے انکی یہ
بحث ہے کہ وقت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ انگریزی کی تعلیم میں کمی کیجاوے۔ اور اس
طرح سے قوم کی دنیوی ترقی کو بڑی بھاری زک دیجاوے۔ کیونکہ حالات موجودہ میں
بغیر مغربی علوم و فنون کے تعلیم و اعلیٰ درجہ کی انگریزی دانی کے قومی ترقی کا خیال
بالکل موہوم ہے۔ خیر اس موقع پر میں ان مختلف سوالات پر بحث کرنے سے غرض
نہیں رکھتا۔ پنڈت جی کی کوششوں کا اس بارے میں بہت عمدہ پھل نکلا ہے
جس سے ہمکو اس کالج کے ذریعے سنسکرت تعلیم کی ترقی کی امیدیں دن بدن
بڑھتی جاتی ہیں۔ چنانچہ پنڈت صاحب کی تجاویز میں سے بعض پر عمل درآمد شروع
ہو چکا ہے اگرچہ بعض ضروری ترمیمات کے ساتھ اور لوگوں کا چاہے کچھ ہی خیال
ہو۔ مگر میری رائے میں مڈل سکول میں اشٹا دھیائی کی تعلیم کا رائج ہونا کچھ چھوٹا
امر نہیں ہے اور کلاسیکل سنسکرت کی تعلیم کی تائید کرنے والوں کے لئے یہ ایسی بڑی
بھاری فتح ہے جو اس کالج کی تاریخ میں یادگار رہیگی۔ بعض اور تجاویز بھی منظور ہو
چکی ہیں۔ مثلاً ستیارتھ پرکاش و وید بھاشیہ بھومکا کے حصص کو مضامین تعلیم میں
مقرر کرنے کی تجویز بھی منظور ہو چکی ہے اور کالج ہنوز پانچ برس کا ایک صغیر سن
بچہ ہے ہر ایک کام نہایت احتیاط سے بعد غور کامل کے ہونا چاہئے ہمیشہ
وہ قدم آگے رکھا جانا چاہئے کہ جس کے پیچھے ہٹانے کی ضرورت نہ ہو۔ مثل مشہور
ہے کہ ترقی کی رفتار خواہ سست ہو مگر مستقل ہونی چاہئے۔ جس کالج کو اپنا النصف

سے زیادہ خرچ فیس طلباء کے ذریعہ سے نکالنا پڑے اس میں طریقہ تعلیم کو یک لخت ایسے طور پر تبدیل کر دینا جس سے قریباً کل دنیاوی اغراض کے طالبعلم چلے جاویں مصلحت نہیں معلوم ہوتی۔ ہم ہمیشہ سے ایسی ترقی کے طالب رہے ہیں جس میں تمام انسانی قویٰ بھی کارآمد ہوں۔ اور جو کل انسانی ضروریات کو بھی پورا کرنے والی ہو۔ اگرچہ تمام سنسکرت کی تعلیم میں ایک اور مستقل قدم آگے بڑھانے کا وقت آگیا ہے۔ اور غالباً عنقریب ایک قدم آگے بڑھے گا۔ مگر تاہم جس زمین پر ہم کو چلنا ہے وہ بہت چکنی ہے اور اس میں پاؤں کے پھسلنے کی بہت گنجائش ہے اس لئے پاؤں سنبھال کر مضبوطی سے رکھنا چاہئے تاکہ تمام دشوار گذار گھاٹیاں طے کر کے منزل مقصود سامنے دکھائی دے۔

میں بذات خود (مولف) ان ہر دو فریق میں سے کسی میں شامل ہونے کا فخر نہیں رکھتا۔ اور میری رائے ان ہر دو فریق سے نرالی ہے۔ لیکن تاہم میں دونوں کی کوششوں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوں۔ اور دونوں سے بادب ملتمس ہوں کہ براہ مہربانی اس قسم کے مباحثات میں ذاتیات کو خارج از مباحثہ رکھکر صرف دلائل سے بحث کیا کریں۔ تو ضرور جلد کچھ نہ کچھ قابل تشفی فیصلہ اس اہم سوال کا ہو جاویگا

گوشت خوری

دوسرا سوال جس کا میں نے اوپر حوالہ دیا گوشت خوری کا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ سوال باعث بربادی سماج ہو۔ ایشور کرے کہ یہ خیال ان کا بالکل پوچ اور غلط ثابت ہو۔ پنڈت جی کا یقین تھا کہ وید گوشت خوری کی صرف ممانعت ہی نہیں کرتے بلکہ مانس بھکشن کو پاپ تبلاتے ہیں

چنانچہ وہ اپنی راے کی تائید میں سوامی دیانند سرستی جی کے اقوال کو سند پیش
کیا کرتے تھے۔ کثرت سے ممبران آریہ سماج کا بھی یہ خیال ہے۔ مگر تاہم ایک دوسرا
فریق بھی ہے جو طبی وجوہات پر گوشت خوری کی تائید کرتے ہیں۔ اور اسکو پاپ نہیں
سمجھتے۔ اگرچہ فریق ثانی اپنی دلیلوں کی تائید میں آجتک کوئی وید منتر پیش کرنے
سے قاصر رہا ہے۔ اس معاملہ میں میری چند مرتبہ اس مہاشے سے گفتگو ہوئی جن
کی بابت لوگوں کا خیال ہے کہ وہ گوشت خوری کی موید پارٹی کے سرگروہ تھے
اور انصاف سے بعید ہے کہ اس کی راے کی بابت اسقدر مبالغہ کیا جاوے انکی
یہ راے ہے* کہ گو گوشت کا کھانا کوئی نیک کام نہیں ہے اور یہ ضرور نہیں ہے۔ کہ
گوشت خوری کو رواج دیا جاوے لیکن جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایسا کرنے سے
کوئی پاپ نہیں کرتے۔ وہ یہ بحث کرتے ہیں۔ کہ چونکہ ماس کا بہ جز ہندوؤں کی مستند
کتب طب یعنی سشرت اور چرک میں کئی موقعوں پر تجویز کیا گیا ہے۔ اس لئے
یہ فعل ایسا نہیں ہو سکتا کہ وید اس کی مخالفت کرتے ہوں۔ اگرچہ وہ مطلقاً
اپنے دعوے کی تائید میں کوئی وید منتر پیش کرنے کے ناقابل ہیں کیونکہ وہ کہتے
ہیں کہ میں نے وید نہیں پڑھا۔ ستمبر ۱۸۸۹ء میں پنڈت گورودت ودیارتھی اس
کام میں مشغول تھے۔ کہ اس مسئلہ پر جسقدر سندات لکھتے ہوں ان کو ایک جگہ
کرکے معہ ویاکھیان کے مشتہر کریں۔ مگر بےرحم موت نے انکو یہ موقع نہ دیا۔ کہ وہ اپنے

* نوٹ:۔ انگریزی کتاب کے چھپنے سے پہلے جو اُن کی راے تھی۔ یہ اس کا
خلاصہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد انہوں نے اپنی راے کو کسیقدر
اور زیادہ مضبوط کر لیا ہے ۱۲

اِس ارادہ کو پورا کر سکیں۔

نیوگ

تیسرا سوال محولہ فصل گذشتہ مسئلہ نیوگ کے متعلق تھا۔ عیسائی لوگوں نے بڑے زور شور سے اس مسئلہ پر حملہ کیا۔ اور خوب دل کھولکر سوامی دیانند کی نسبت اپنی معمولی عیسائی فصاحت کے ساتھ نہایت کریہہ سے کریہہ الفاظ استعمال کئے۔ پنڈت جی نے ان حملوں کا جواب دیا اور ان کا جواب بھی کچھ کم سخت نہ تھا۔ نیوگ کی جو دیا کھیا کہ پنڈت گورودت ودیارتھی نے کی وہ اعلیٰ درجہ کے اصولوں پر مبنی تھی۔ کہ عیسائی صاحبان کی محدود فلاسفی کے لئے اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ جو لوگ باوجود تمام سائنس کی روشنی کے بعض نہایت ہی بیہودہ سے بیہودہ مسائل کو جو صریحاً سائنس اور عقل کے خلاف ہیں ابتک باین ہمہ کرّ و فر مانتے چلے جاتے ہیں۔ ان کو نیوگ کے مسئلہ کا سمجھنا ذرا آسان کام نہیں ہے۔ وہ اس مسئلہ کو خلاف اخلاق سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے بعض ہندوستانی بھائی بھی ان کے ساتھ ترانہ شامل کرتے ہیں۔

اس سال کے دیگر وقعات

اس سال کے آغاز میں ہی بھارت دھرم مہا منڈل نے بُت پرستی اور عام پر چلیت مذہب ہنود کی تائید میں لاہور پر حملہ کیا۔ لاہور آریہ سماج نے بڑی خوشی سے انکو خوش آمدید کہا اور اگرچہ دونوں سوسائیٹوں میں جو دیا

کو الہام مانتے ہیں بہت سی کشمکش ہوئی۔ مگر اس تمام کشمکش کا نتیجہ بہت تشفی بخش رہا
پنڈت جی نے اُن مباحثات میں بہت بڑا حصہ لیا۔ اور بہت سے جوابی لکچر دیئے
۲۶۔ فروری ۱۸۹۵ء آریہ پتر کا تبلانا ہے کہ اس حملہ کے نتیجوں سے آریہ
سماج لاہور میں پچاس نئے ممبر ایزاد ہوئے۔ اسی مہینہ کی ۲۳۔ تاریخ کو انہوں
نے گوجرانوالہ آریہ سماج کے سالانہ اُتسب کے موقعہ پر برہم چریہ اور تعلیم کے
وشے میں ایک نہایت عمدہ لکچر دیا۔

ماہ مئی میں پھر ہمارے مہامنڈلی دوست تشریف لائے اور انہوں نے ویدک
اصطلاحات کو روڑہی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

پنڈت جی نے ایک فاضلانہ لکچر میں اس امر کی تردید کی جس نے لاہور
کی پبلک کے دلوں پر انکی فضیلت کے بارہ میں اور بھی مستقل اثر کیا۔ اس کے
تھوڑے دن بعد ہی لاہور دہرم سبھا نے انکو اس قسم کا چیلنج دیا کہ پنڈت
صاحب بھاشا میں بولتے ہیں۔ اور ان کو سنسکرت بولنے کی شکتی نہیں ہے۔
انہوں نے ایک بڑے مجمع سامعین کے سامنے فی البدیہہ ایک لکچر زبان سنسکرت
میں دیا۔ یہہ لکچر ایک گھنٹہ سے زیادہ عرصہ تک رہا اور لوگ انکی فضیلت اور
شاستروں کی وسیع واقفیت پر عش عش کرتے رہے۔ انہی دنوں پنڈت جی
اُپدیشک کلاس کی تحریک میں مصروف تھے۔ اور موجودہ اپدیشک کلاس فنڈ
کا وجود اُنہی متبرک کوششوں کا نتیجہ ہے اسی تحریک کے متعلق ایک
پروونشل ویدک کلاس کمیٹی بنی تھی اور سادہو رام آنند جی اوس کمیٹی کیطرف سے
چندہ جمع کرنے کے لئے تعین ہوئے تھے۔

اُنہیں ایام میں پنڈت جی نے اشٹادھیائی کی سکشا کیلئے اشٹادھیائی

کلاسیس قایم کی تھی۔ اس کلاس کی کامیابی کی بہت بڑی امیدیں تھیں
کیونکہ اس میں آریہ سماج کے چند نہایت ہی ہونہار نوجوان شامل تھے۔ مگر
کمبخت موت نے ہر ایک کام کو ادھورا ہی چھوڑ دیا۔ ماہ مئی میں ویدک میگزین
کا (اشتہار) شایع کیا گیا۔ اور یکم جون ۱۸۸۹ء کو اس کا پہلا نمبر شایع ہوا
جن لوگوں نے پنڈت صاحب کے میگزین کو ایک نظر دیکھا ہے۔ انکو اس امر
کے تسلیم کرنے میں کچھ شبہ نہیں رہا۔ کہ پنڈت جی سنسکرت اور علوم مغربیہ
کے اچھے فاضل تھے۔

اپریل ۱۸۸۹ء میں پروفیسر اوسن کی واپسی پہ پنڈت جی قایم مقام پروفیسری
گورنمنٹ کالج لاہور سے سبکدوش ہوئے۔ اور انہوں نے فوراً ایک آزاد اور
اعلیٰ زندگی بسر کرنے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ ان کے ایک دوست تحریر کرتے
ہیں۔ کہ ان دنوں میں در اصل ان کا یہ ارادہ تھا۔ کہ وہ چند روز تک مستعمل ہو یا
کو تیاگ کر بان پرست میں تپ کریں۔ مگر عیال اور اطفال کے خیال پرورش
نے ان کو ایسا کرنے سے روکا۔ اور انہوں نے تصنیف و تالیف کی زندگی پسند
کی چنانچہ ویدک میگزین کے لئے انہوں نے اس قدر محنت اور جفاکشی اختیار
کی کہ آخر اس جفاکشی نے ان کو بستر مرگ پہ سلا دیا اس ویدک میگزین کے لئے
انہوں نے پروفیسر میکس موکر کی قریباً سب کتب پڑھیں۔ نیائے بہاشیہ۔ ویشیشک
اور جوگ کو خوب غور سے دیکھا۔ نروکت و سوامی جی کا وید بھاشیہ و پاتنجلی کرت
مہابھاشیہ و منوسمرتی وغیرہ دیگر کتب ان دنوں ہر روز انکے زیر مطالعہ رہتی تھیں
غرض انکی مطالعہ کی کوئی حد نہیں تھی۔ ایشیا۔ یوروپ اور امریکہ تینوں دنیا کی
تصنیفات ان کے مطالعہ میں تھیں۔ انکی میگزین کے دوسرے نمبر کو پڑھ کر لوگ

کو پورن وشواش ہوگیا۔ کہ پنڈت جی اپنے اس نیک کام میں بخوبی تمام کامیاب ہونگے اور اسی مہینہ میں اُن کو یہ شکایت محسوس ہوئی کہ گویا اُن کے اندر سے کچھ بجلی سی نکلنے لگی۔ اگست کے شروع میں انکو زکام شروع ہوا۔ اور کھانسی بھی ساتھ ہی آئی۔ اور ستمبر کے پہلے ہفتہ تک برابر انکو یہ شکایتیں رہیں۔ یہانتک کہ انہوں نے تبدیل آب و ہوا اور آرام کے لئے پہاڑ جانے کا ارادہ کیا۔ میں بھی اُن دنوں اتفاق سے لاہور گیا ہوا تھا۔ اور انہوں نے مجھے بھی اپنی ہمراہی پہ آمادہ کرلیا۔ ہم دونو کوہ مری پہونچے۔ اور وہاں سردار امراؤ سنگھ مجیٹھیہ کے مکان پہ فروکش ہوئے جن کی مہربانی سے سب سامان آرام کا ہمیں مہیا تھا۔ میں قریباً ایک ہفتہ تک مری میں رہا۔ اور بعض اوقات میں اور پنڈت جی باہر پھرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ مگر اُن دنوں میں جو شخص پنڈت جی کی حالت کو دیکھتا تھا۔ وہ یہ کہے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔ کہ پنڈت جی کی صحت جواب دیچکی ہے۔ اُن کی طاقت جسمانی اپنی حالت سے گرچکی اور ان دنوں میں بھی انکو حرارت ہو جاتی تھی۔ اور زکام تو کبھی دور ہی نہیں ہوتا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی پنڈت جی کوہ مری سے پشاور گئے۔ اور آریہ سماج کے سالانہ جلسہ میں ویدوں پہ ایک دیا کھیان دیا۔ اور دو تین روز ٹھہر کر اور بھی ایک دو ویاکھیان آواگون وغیرہ وشیوں پہ دے پشاور سے سیدھے لاہور آئے اور بستر بیماری پہ ایسے پڑے کہ شفایابی کی نوبت نہ آئی۔ نومبر ۱۸۸۹ء میں میں نے لاہور سماج کے سالانہ اتسب پر اُن کے درشن کئے۔ اور اس وقت ابھی انکی حالت سے ناامیدی نہیں ہوئی تھی۔ پنڈت جی کی عدم حاضری سے اتسب مذکور کی رونق نصف رہ گئی تھی۔ مگر اُن کی آتش شوق و قومی ہمدردی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ اسوقت ایسی نازک حالت میں تھے اور سخت درجہ کی کمزوری

ان کو لاحق تھی۔ حتیٰ کہ ان کے بدن پر گوشت بہت ہی تھوڑا رہ گیا تھا۔ اور ان
کی شکل ایک انسانی مورت سے زیادہ نہیں کہی جا سکتی تھی۔ مگر تاہم وہ دیانند اینگلو
ویدک کالج کی مینیجنگ کمیٹی کے اجلاس میں تشریف لیگئے۔ اگرچہ اس روز بسبب کورم
پورا نہ ہونے کے جلسہ کمیٹی میں کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ مگر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ
پنڈت جی کی بہادری و جانبازی نے لوگوں کے دلوں پر کچھ اثر نہیں چھوڑا۔ کسی کو معلوم
نہ تھا کہ اگلے اتوار تک یہ آتما اپنے اس قالب عنصری سے پرواز کر جاویگی۔

پنڈت جی کا انتم سمہ

اتوار کے چند روز بعد ان کی حالت ابتر ہو گئی اور ان کے دوست معالجہ
کے واسطے گوجرانوالہ لیگئے۔ ڈاکٹر فتح چند جی نے جس توجہ۔ محنت و مشقت اور محبت سے
ان کا علاج کیا اس کے لئے ہم اس موقعہ پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتے
ہیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب کی فضیلت کی پنڈت جی کی بیماری کے سامنے کچھ پیش نہ
گئی اور ان کی حالت کیطرف سے مایوسی ٹپکنے لگی۔ میں اس موقعہ پر یہ کہنا واجب
نہیں سمجھتا کہ پنڈت جی کے مداحوں اور دوستوں نے ان کے علاج معالجہ
اور خدمتگذاری میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور جسقدر جس کے امکان میں
تھا۔ اسقدر ہر ایک نے ان کی خدمتگذاری کرنے کو فخر سمجھا۔ اس کے کہنے سے میرا
مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنے سے وہ کسی تعریف کے مستحق ہو گئے۔ بلکہ میرے
خیال میں انہوں نے اپنے کرتویہ سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔ ان کی بیماری کے ایام
میں تمام پنجاب نے ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور اکثر اوقات ان اخبارات
میں بھی جن کا آریہ سماج سے کچھ تعلق نہیں ہے ان کی بیماری کے حالات

نافع ہوتے رہے۔ جنوری سنہ ۹۰ء میں پھر اُن کو لاہور لے آئے اور ایک خاص بنگلہ لیا
ایک نہایت نامور اس لاہور کے لائق وید کا معالجہ شروع کیا۔ بیرونجات سے بھی
کئی طبیب آئے اور ہر ایک نے اپنی طبع آزمائی کی۔ مگر پنڈت صاحب کی بیماری
میں کچھ تفاوت نہ ہوئی۔ اِن دنوں میں ان کے کنبہ کے لوگ بھی آ گئے اور وہ پھر اپنے
پرانے مکان میں شہر کے اندر چلے آئے۔ آخرکار حکیم شیر علی جالندھری سے علاج
اُن کے دوستوں نے کرایا۔ حکیم صاحب کے علاج سے بہت جلدی اچھا فائدہ ظہور
میں آیا اور یہ امید ہونے لگی کہ چند روز میں پنڈت جی بالکل تندرست ہو جاویں گے
لیکن افسوس کہ وہ فائدہ عارضی تھا۔ اصل میں مستقل آرام نہ تھا۔ پنڈت جی کی حالت
پھر جلد ابتر ہو گئی۔ اور پھر کبھی ان کو کچھ بھی افاقہ نہ ہوا۔ پنڈت جی کی طرف سے
عجیب و غریب صبر و تحمل کا اظہار ہوا یعنی انہوں نے کبھی اُف تک نہیں کی۔ آہ بھرنا
دور کنار۔ ان ایام میں اکثر اوقات وہ ایشو اپنشد کا پاٹھ سنا کرتے اور جس دن
ان کا انتقال ہوا اسکی پہلی رات کو انہوں نے بھگت رام سے ایشو اپنشد سنا
اسی رات کو وہ تمام رات مراقبہ میں رہے اور پرماتما کی طرف انہوں نے دھیان لگا
رکھا۔ اُن کے چچا بعض اوقات آخری بھجن سناتے تھے۔ چنانچہ شانتی سرور بھجن
انہوں نے پنڈت جی کے آخری دموں میں سنایا۔ وہ خود بھی برابر وید منتر اوچارن
کرتے رہے۔ اور ایک لمحہ بھر کبھی اُن کی شانتی میں فرق نہ آیا۔ اُن کو جان کنی یا
نزع سے بالکل کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔ اور ان کی آتما منٹوں میں اُن کے جسم سے
علیحدہ ہو کر اڑ گئی۔ اس طرح سے بعد ۱ سال بیماری کے وہ ۱۹ مارچ سنہ ۹۰ء کو ۷ بجے
صبح کے عالم بقا ہو کر وصال حقیقی سے کامیاب ہوئے۔ انکے مرنے کی خبر لاہور میں مثل
برق کے پھیل گئی۔ اور ہر ایک نے ان کی موت کو [illegible] رشتہ دار کی موت سے زیادہ
محسوس کیا۔ [illegible] لوگ جوق در جوق انکے مکان کی طرف آنے لگے

۹ بجے سے قبل پانچ چھ سو آدمیوں کا مجمع اُن کے مکان کے آگے جمع ہوگیا اُس
مجمع میں ہر ایک شخص نہایت مغموم اور رنجیدہ نظر آتا تہا۔ اُسوقت لوگوں کو پنڈت
جی کی سب کمزوریاں بہول گئی تھیں۔ ہر ایک مذہب و ملت کا آدمی ایسے بے نظیر شخص
کی موت پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتا تہا لوگ حیران تھے کہ کیا تہا اور کیا ہوگیا۔ وہ گورودت
جس سے اسقدر امیدیں رکھتے تھے آناً فاناً مُردوں میں شامل ہوگیا۔ ایسی نیند سویا
کہ جس سے پہر جاگنے کی امید نہیں۔ پنڈت جی کی ماں کی گریہ وزاری کسی شخص سے دیکھی
یا سُنی نہیں جا سکتی تھی سچ ہے ایسے سپوت کی موت سے زیادہ کسی ممتنش پر اور کیا مصیبت
کا وقت ہو سکتا ہے۔ خصوصاً پوت بہی وہ جبکہ وہ ایک ہی سپوت ہو دس بجے
کے قریب شمشان بہومی کو چلنے کی طیاری ہوئی اور ساڑہے دس بجے کے قریب
انکی ارتہی اٹھائی گئی۔ اسوقت قریب ۷۰۰ آدمی اُن کے ہمراہ تھے۔ مگر بازار میں
لوگوں کا ہجوم ہر قدم پر بڑہتا جاتا تہا اُن کے بمان کے آگے آگے وید منتروں کا
اچارن کرتے اور ایشور کی مہما کے بہجن گائن کرتے ہوئے آریہ سماج کے سبہاسد
اور بورڈنگ ہوس کے طالبعلم یعنے (دیانند اینگلو ویدک کالج کے بورڈنگ کے) دنیا
کے لوگوں کو انسان کے فانی ہونے اور اسوقت کے آنے کا ثبوت دیتے چلے جاتے تھے۔ ہر
ایک شخص ایسے وِدوان کے مرنے پر ماتم کرتا تہا۔ بازاروں میں کھڑکیوں سے پہولوں کی
برشا انکی ارتہی پر کی گئی اور آخرکار اس ماتم سے یہ مجمع کثیر قریب ایک بجے کے شمشان
بہومی میں پہونچا۔ جہاں ویدی رچکر ٹہیک ویدک ریتی سے ان کا مرتک سنسکار
کیا گیا۔ قریب ۷۰ روپیہ کی سامگری سے ان کے جسم کو ہون کیا گیا۔ اس سنسکار
کے بعد لالہ ہنسراج جی نے پرارتہنا کرائی۔ اور لوگ غم والم کے بہرے ہوئے ہردے
لیکر اپنے گہروں کو واپس آئے۔ تمام آریہ اخباروں نے اس رنج میں ماتمی لباس
پہنا اور تمام صوبہ میں اس موت پر سخت رنج ظاہر ہوا۔ جگہ جگہ بس رنج کے اظہار

لئے جلسے وغیرہ ہوئے۔

اُن تمام جلسوں کی تفصیل کا اس موقعہ پر درج کرنا کچھ چنداں ضروری نہیں ہے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ پنڈت صاحب کی وفات کے بعد کئی دنوں بلکہ مہینوں تک ہمدردی اور رنج کی تاریں آتی رہیں۔ تقریباً کل اخباروں نے اس ماتم میں اپنے کالموں کے صفحے مخصوص کر دیئے۔ اور اس وفات پر بہت افسوس ظاہر کیا لیکن صرف اسی قدر ضروری ہے کہ پنجاب کے نامی و گرامی انگریزی اخباروں نے جو کچھ اس وفات کی نسبت لکھا ہے۔ اسکو اس جگہ نقل کر دیا جاوے۔ اُن اخباروں کا آریہ سماج سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

۱۹ مارچ سنہ ۹۰ء کے ٹریبیون میں جو اسی روز شائع ہوا اخبار مذکور نے پنڈت جی کا انتقال ان الفاظ میں... پنڈت جی کی وفات کی خبر لوگوں کو ان الفاظ میں سنائی گئی "بے رحم موت نے پنجاب کے نہایت ہونہار پسران میں سے ایک اور کا شکار کیا" اور ۲۲ تاریخ کے پرچہ میں اخبار مذکور نے حسب ذیل لکھا۔

اپنی پچھلی اشاعت میں ہمکو پنڈت گرودت ودیارتھی ایم اے کی افسوسناک وفات کی غمگین خبر سنانی پڑی تھی جو ۱۹ تاریخ کی صبح کو وقوع میں آئی۔ اُن کی وفات پر پنجاب میں عام طور پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اسکی زندگی بڑی امید کی بھری ہوئی زندگی تھی۔ آریہ سماج کو جسکا مرحوم چمکتا ہوا ستارہ تھا۔ یہہ نقصان ایسا ہے۔ جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا اور عام طور پر بھی ملک کے لئے اُسکی وفات ایک بڑا صدمہ بلکہ بڑا بھاری صدمہ ہے اسقدر لکھنے کے بعد اخبار مذکور نے پنڈت جی کی زندگی کے مختصر واقعات درج کرتے ہوئے حسب ذیل لکھا ہے۔

اپنی عقلی طاقتوں کی سہایتا سے وہ جس لائن میں (محکمہ سے مراد ہے) چاہتا داخل ہو کر شہرت حاصل کر لیتا۔ لیکن اُس نے بیرونی دنیا کے شور و شغب کے معاملہ میں

پڑھنے سے چپ چاپ ودیا کی طلب میں رہنا پسند کیا۔ اُس نے اپنی پوری طاقت
سے اپنے آپ کو کلاسیکل سنسکرت کے مطالعہ میں غرق کر دیا جس میں اُس نے
عجیب و غریب ترقی حاصل کی تھی۔ جبکہ پرماتما نے اُن کو اُٹھا لیا یہ شخص بڑے وسیع حوصلہ
کا آدمی تھا۔ اور درحقیقت اُس کے بڑتی حوصلہ نے اُس کا خاتمہ کر دیا اور اسکی قسمت
کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے آرام کرنا تو وہ جانتا ہی نہ تھا۔ ۹ یا ۱۰ گھنٹہ کا مطالعہ اسپر
شام کو ایک سنسکرت کلاس کو تعلیم دینا پھر رات کو بہت دیر تک مشکل مسائل پر
بحث کرتے رہنا جن کے پوچھنے کے لئے لوگ جوق جوق اُن کے پاس جاتے تھے
یہ سب اُنکی جسمانی صحت کو تباہ کر دینے کے لئے کیا کم سامان تھا۔ صرف یہی نہیں انگریزی
اور ہندی زبان کا سب سے فصیح اور موثر پنجابی لکچرار تھا۔ آریہ سماج کو اکثر اُس کی لیاقت
کی ضرورت پڑتی تھی۔ کوئی ہفتہ ایسا نہ گذرتا تھا کہ اُسکو کوئی نہ کوئی پرمغز سپیچ دینی
نہ پڑتی تھی جس کے ہر ایک فقرہ پر بعد میں مہینوں تک ممبران سماج شوق سے مباحثہ
کرتے رہتے تھے۔ دیانند اینگلو ویدک کالج کی کامیابی بہت حد تک اُسکی دلسوز اپیلوں
کی ممنون ہے اُسکی طاقت خیالیہ بہت وسیع تھی۔ اُس کی عقل عالمگیر تھی۔ عامل بھی
بہت بڑا تھا۔ اس حصہ ملک میں میدان بحث میں اُس کے مقابلہ میں بہت کم آدمی ٹھہر
سکتے تھے۔ اور اُس کے قویٰ اور اُس کی طاقتوں نے ایسے درست طور پر نشوونما
پایا تھا کہ وہ کسی طرف نامناسب طور پر نہیں جھکتی تھیں۔ اس کے چال چلن پر کوئی
داغ اور دھبہ نہیں لگا اور اس کا طریقہ زندگی پارسائی کی حد تک سیدھا سادھا
کہا جا سکتا ہے اُس کے چہرہ پر ہمیشہ تبسم رہتا تھا اور اُس کے چہرہ کے ہر ایک خط و
خال سے اس کی بڑی عقل کے آثار نمودار تھے اسکا چہرہ اُسکا ہمراز اور بالکل بے مکر
و فریب دل کا آئینہ تھا جس سماج کے ساتھ اسکا تعلق تھا اگرچہ اُس پر اُسکا بہت رعب
داب تھا۔ مگر کبھی اُس نے اس سماج کے انتظام میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ کیونکہ خود اُن

پاس نہیں پھٹک سکتی تھی۔ دوسروں کے دلوں پر جو تسخیر اُس کو حاصل تھی اُسکا بڑا کارن یہ تھا۔ کہ وہ خود غرضی اور خود پسندی کے پاس نہیں پھٹکتا تھا۔ جس وقت لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ گورودت ودیارتھی اس جہان سے گذر گیا۔ اُسوقت جو عالمگیر نعرۂ غم خلقت نے مارا اُس سے تصدیق ہوتی تھی۔ کہ پنڈت موصوف کی محبت نے ان کے ہموطنوں کے دلوں میں کسقدر گھر کیا تھا۔ وہ کبھی خودی کا خیال نہ کرتا تھا۔ اور ہمیشہ بدل و جان آریہ سماج کے اودیش میں جسکو وہ تمام ہندوستان کا اودیش سمجھتا تھا غرق رہتا تھا اُس کے اخیر دنوں میں اسکو بدرجہ کمال تکلیف رہی ہے۔ تپ دق کی بیماری میں ہر ایک دم سینے میں گویا تلوار لگتی تھی مگر اس کی سہن شکتی غیر معمولی تھی اور کبھی کسی نے اسکو ہائے ہائے کرتے یا روتے نہ سنا وہ ابھی ۲۶ سال کا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ موت کے بے رحم پنجہ نے اسکو ایسے مفید کام سے ہٹا کر اپنا شکار بنایا۔

ٹرڈالیٹ ایک عیسائی اخبار ہے جس کے ایڈیٹر ریورنڈ النٹ ایم اے پرنسپل دہلی مشن کالج اور ایڈیٹر ریورنڈ جی۔ آر۔ ای۔ وونگ صاحب ڈی۔ ڈی۔ پرنسپل لاہور مشن کالج تھے پنڈت جی کی وفات پر مضمون ذیل ریمارک لکھا ہے۔

ایک طول طویل بیماری کے بعد پنڈت گورودت ودیارتھی ایم اے جو لاہور آریہ سماج کے سر برآوردہ ممبر تھے انتقال کر گئے اُنکی وفات ایک پبلک صدمہ سمجھی گئی اور اسپر بہت سخت افسوس ظاہر کیا گیا۔ وہ ایک پبلک سپرٹڈ شخص تھے اور اپنے ہموطنوں کی ترقی میں بہت شوق رکھتے تھے کچھ عرصہ کے لئے وہ لاہور گورنمنٹ کالج کے پروفیسر رہے اور حال ہی میں اُن کا تعلق دیانند اینگلو ویدک کالج کے ساتھ ہوا جس کے قائم کرنے میں انہوں نے ایک معقول حصہ لیا وہ بہت محنتی اور شوقین طالب علم تھے اور زمانہ کے سوالات پر مستثنیٰ طور پر خوب واقفیت رکھتے تھے۔ سنسکرت کی فضیلت میں انہوں نے کچھ شہرت حاصل کی تھی۔ شام وید کا ایک ایڈیشن

اور پرشٹ چار بہاشیہ اور اُپنشدوں کے ترجمے انکی محنتوں کے ثمرے ہیں اُن کے تمام اطوار اور محنت سے بھرے ہوئے رویہ اور سچی زندگی کے باعث ہر ایک کو اُن سے محبت تہی۔ اگرچہ ہم انکی تمام رایوں سے متفق نہیں ہو سکتے۔ مگر ہم اُن کے اعتقادات کی سچائی اور اُس دلیری کے مداح رہے ہیں جس دلیری سے وہ ہر ایک مخالفت کے مقابلہ میں اپنے اعتقادات کا پرچار کرتے تہے۔

سول ملٹری گزٹ لاہور نے مفصلہ ذیل سطور لکھیں

پنڈت گورودت ودیارتھی ایم اے نے جو کچھہ عرصہ تک گورنمنٹ کالج میں سائنس کے پروفیسر رہے ۱۹ تاریخ کو بمقام لاہور وفات پائی۔ مرحوم سنسکرت کا ایک مشہور فاضل اور ایک سرگرم قومی خادم تہا۔ وہ آریہ سماج کا سرگرم ممبر تہا اور کچھہ عرصہ سے اُس نے ویدک میگزین میں ایک سلسلہ شائع کرنا شروع کیا تہا۔ جس میں ویدوں پر عمدہ تشریحات ہوتی تھیں۔ تمام فرقوں کے لوگ مرحوم کی بہت تعظیم کرتے تہے اور اُن کی نسبت یہ خیال تہا کہ وہ ایک ہی سنسکرت فاضل ہے جسکو پنجاب یونیورسٹی نے اِس وقت تک پیدا کیا ہے۔ انکی وفات کو دلی طور پر لوگوں نے بالعموم بہت صدمہ سے محسوس کیا ہے اور اُن کے مرنے پر تمام پبلک سکول اور کالج بند کئے گئے تہے۔ اُن کے جنازہ کے ساتھ ایکہزار سے زاید مردمان کا مجمع تہا۔ جو شمشان بھومی تک راستہ میں کے ساتھ بازاروں میں وید منتر اور بھجن گاتے ہوئے گئے۔

۲۲ تاریخ کو آریہ مندر میں ایک بہت بڑا مجمع ان کی وفات کے متعلق اظہار رنج کرنے کے لئے جمع ہوا اور باغبانپورہ میں انکی یادگار میں ایک کنیاپاٹ شالہ کھولنے کے لئے فہرست چندہ کہولی گئی۔

"علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ نے جو سرسید احمد خان کا اخبار کہا جاتا ہے حسب ذیل لکھا تہا

وفات پنڈت گورودت صاحب ایم اے :- دنیا میں کوئی رنج ایسے شخص کی

ذات سے زیادہ نہیں ہو سکتا جو ہونہار معلوم ہوتا ہو اور جس سے عموماً انسانوں کی یا قوم کی یا فرقہ کی بہلائی اور ترقی کی توقع ہو یہہ رنج اسوقت اور زیادہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ شخص اپنی ذات سے ہی لایق و باعث افتخار قوم ہو۔

پنڈت گورودت ایم اے اسی قسم کے لوگوں میں سے تھے وہ یورومین سائنس اور لٹریچر میں نہایت اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے تھے سنسکرت میں بہت مستند پنڈت تھے - انگریزی میں بڑے سپیکر تھے - انکی انگریزی سپیچیں نہایت تعجب خیز تھیں اگر انکی زندگی وفا کرتی تو ایک مشہور سپیکر ہوتے وہ آریہ سماج لاہور کے نہایت ممتاز ممبر تھے اور سب سے زیادہ یہہ کہ انہوں نے تمام تعلقات سے قطع نظر کرکے آریہ سماج کی ترقی پر اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا نہایت معزز نوکریاں ان کو ملتی تھیں مگر انہوں نے منظور نہیں کیں اور آریہ سماج کی ترقی اپنی زندگی کا مقصد سمجھا - یہی ایک ایسی بات ہے کہ انکی تمام خوبیوں کے لئے کافی ثبوت ہے - افسوس صد افسوس کہ ایسے شخص نے ۲۶ برس کی عمر میں ۱۹ مارچ سنہ کو مدقوق ہو کر انتقال کیا - ہزاروں آدمیوں نے اُن پر ماتم کیا اُن کے جنازہ کو جس قدر عزت دیجا سکتی تھی وہ دی مگر اس سے کیا ہوتا ہے جو نقصان قوم کو خصوصاً آریہ سماج کو اس کے مرنے سے پہونچا اس کی تلافی نہیں ہو سکتی - ہمارے نزدیک کسی قوم اور کسی مذہب کا آدمی ہو مگر کوئی کمال رکھتا ہو اسکا مرنا انسانوں کے لئے مصیبت ہے جس کے لئے سب کو ماتم کرنا چاہیے "

ہم اس موقعہ پر اُن صاحبان کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اسطرح سے اس پنجابی کی عزت میں اپنے سکول بند کئے اور ہمارے خاص شکریہ کے مستحق وہ فراخ حوصلہ انگریز ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دفتروں کے ملازموں کو ارتھی کے ساتھ جانے اور اسطرح سے اپنے ایک محب قوم مصلح کی آخری تعظیم ادا کرنے کی اجازت دی۔

پنڈت جی کے مرنے کے تھوڑے ہی روز بعد عام اتفاق سے پنڈت صاحب کے سمبندھیوں کے گذارہ اور اُن کے بچوں کی تعلیم کے لئے یادگار فنڈ کھولا گیا۔ اور میں بڑی خوشی سے اس خبر کو اشاعت دیتا ہوں۔ کہ چند سال میں ہی وہ رقم چھ ہزار سے زیادہ بڑھ گئی۔ باغبانپورہ میں اُن کے نام پر ایک گورودت کنیا پاٹھ شالہ اور دو سال ہا میں ایک گورودت پتری پاٹھ شالہ کھولی گئیں۔

ہا ہا اس طرح سے وہ جیون ختم ہوا جس سے بوڑھے بدنصیب بھارت ورش کو بہت امیدیں تھیں۔ ہائے پیارے آریہ ورت تجھکو عین بڑھاپے میں ایسے جوان مرد جوان بیٹوں کی وفات کے صدمے سہنے پڑتے ہیں کہ جن کے سننے سے پتھر ہوا خواہوں کے کلیجے کانپ اُٹھتے ہیں اور خیال گذرتا ہے کہ غالباً ہنوز تیری بدبختی کے ایام خاتمہ پر نہیں آئے۔ اور شاید ابھی تجھکو تیرے پاپوں کی کافی سزا نہیں ملی پرماتما پنڈت موصوف کی آتما کو شانتی دیں اور اُن کے بوڑھے مصیبت زدہ والدہ کو بھی شانتی دیں۔ اوم شم!

آخری التماس

لیپتک بھنڈار لاہور کا اجرا محض علمی۔ اخلاقی۔ ملکی مجلسی۔ تواریخی اور مذہبی کتب کو شاعت دینے کیلئے ہی ہوا ہے آجتک اُس نے جو کچھ علمی خدمات سرانجام دی ہیں اُس کے لئے اگلے اوراق میں لپتک بھنڈار کی صرف اپنی طبع شدہ کتابوں کی ایک مختصر فہرست دی گئی ہے۔ آپ ضرور ملاحظہ فرمائیں نیز سوائے مخزن الاخلاق قصہ جات وغیرہ کے ہر ایک قسم کی اعلیٰ کتب کے لئے یاد فرما دیں کیونکہ ہم ہیں۔

آپ کا خیر اندیش پنڈت دی داس تاجر کتب مالک لپتک بھنڈار لوہاری دروازہ لاہور

"اُردو زبان میں اپنے مضمون کی پہلی کتاب"

سماجک شاستر

ہر سماج اور سماج کے ہر فرد کے لئے اس کتاب کا مطالعہ یا اس کے سدھانتوں سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ فہرست مضامین باب (۱) کنبہ کی ابتدا (۲) سماج میں عورت کا درجہ (۳) پیشوں کی ابتدا (۴) مذہبی عقاید کی بنا (۵) سماجک شریر (۶) سماج کی اقسام (۷) سداچار اور سماج (۸) تعلیم اور سماج (۹) عورت کی موجودہ حالت اور اسکا مستقبل (۱۰) سماج اور شہری زندگی کے اثرات (۱۱) سماج اور جرائم (۱۲) ڈنڈ و گیان (۱۳) رچیہ کا سدھانت۔ قیمت چھ آنہ (۶)

آرین عظمت

پروفیسر میکس مولر کی مشہور ترین کتاب "انڈیا وہاٹ کین اٹ ٹیچ اس" کا مکمل اردو ترجمہ از ہتھہ بھی بی اے ایڈیٹر اس کتاب کو قدیم آریہ ہندو قوم کی عظمت کی ایک زبردست تاریخ سمجھنا چاہیے۔ قابل مصنف نے جس محنت اور کوشش سے تحقیقات کی ہے۔ یہ اُس کا ہی حصہ تھا۔ ایک بدیشی سکالر کی زبانی اپنے قدیم علوم و فنون کی ترقی پر نظیر راست لیشنی و صداقت شعاری اور اعلیٰ تہذیب کے سچے حالات سنکر کون بھارت باشی ہے جس کے دل میں خوشی اور آنند کی لہریں موجزن نہ ہوں قیمت صرف ۱۲؎

دھرم ویر حقیقت

بالکل نئے طرز اور نئے طریقہ میں دھرم مورت حقیقت رائے کے حالات زندگی قیمت ۱۰

جیون چرتر سوامی وویکانند جی

معہ خطوط و تقاریر آپ نے امریکہ دیش میں جس طرح عظمت ہند کا سکہ جمایا۔ اور جس جانفشانی سے تمام دیش اور جاتی کے لئے کام کیا وہ کبھی صفحات تاریخ سے نہیں مٹ سکتا قیمت ۱۰؍

جیون چرتر اشوک چندر ودیا ساگر

اس بے نظیر ریفارمر دیش سیوک در ہمدردی نوع انسان کے حالات زندگی کا مطالعہ ہمارا سب سے پہلا فرض ہونا چاہیے اور

جیون چرتر پرمہنس سوامی رام کرشن

آپ ہی کے چرنوں میں بیٹھ کر سوامی ویویکانند جی اور کیشب چندر سین جیسے قومی خادم پیدا ہوئے بنگال میں آپ کو ہندی قومیت کا بانی سمجھا جاتا ہے ۔قیمت ۶ ر

عورت کی بزرگی

از ڈاکٹر گوکل چند جی ایم اے بیرسٹر ایٹ لا لاہور جس میں تقریباً تمام دنیا کے مشہور ترین مصنفین اور اہل الرائے کی راؤں کا اقتباس کر کے استریوں کی بزرگی اور پوترتا کو نہایت مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے ۔قیمت صرف ۳ر

بچوں کی تربیت

مصنفہ ڈاکٹر گوکل چند ایم اے ۔کتاب اور مصنف کا نام ہی اسبات کی کافی دلیل ہے کہ اس کا مطالعہ ہر ایک صاحب اولاد کے لئے کسقدر ضروری ہے ۔ ۱۲ر

راجہ نل و دمینتی ۶ر مہارانی پدمنی ۱ر

ہند و عظمت کا آخری نظارہ

اس کتاب میں ان تمام باتوں کو واضح کیا گیا ہے جن کے باعث ہندوؤں کی عظمت ملیا میٹ ہوئی ۔آخری ہندو شہنشاہ پرتھی راج سنجوگتا اور دہرم ویر دیش بھگت رانا سمر سنگھ کی سچی راجپوتی سپرٹ کا ہو بہو فوٹو لیا گیا ہے ہندو تواریخ کے طالب علم کیلئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے ۔قیمت ۳ ر

لڑکا یا لڑکی

ہر ایک تعلیمیافتہ گرہستی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے اس میں مشرق اور مغرب کے تمام علما بڑے بڑے حکما اور فلاسفروں کے تجربات اور رائیں بیان کر کے وہ تمام ساوھن بتلائے گئے ہیں ۔جن پر عمل کرنے سے انسان جیسی خوبصورت اور باوصف اولاد چاہے یہاں تک کہ اپنی مرضی سے لڑکا یا لڑکی پیدا کر سکتا ہے ۔آرش گرنتھوں کے مشہور ترین عالم سوامی دیانند سرسوتی مہاراج جی کی زبردست رائے اور ویدک گرنتھوں کے حوالوں سے بھی وہ

تمام اصول بیان کئے گئے ہیں۔ جو ہر ایک استری پرش کیلئے بالحاظ مذہب اعدادٔ حسب خواہش نیک اور اعلیٰ اولاد پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ قیمت ۳ر

دُنیا کے نو مہا پرش

لالہ دیوان چند جی ایم اے پروفیسر ڈی اے وی کالج لاہور کی نہایت مقبول تصنیف جس میں دنیا بھر کے مہا پرشوں میں سے سقراط۔ ایک ٹینٹ فرینکلن۔ گارفیلڈ۔ رام چندر جی۔ بُدھ ھشتر۔ بُدھ۔ گورو گوبند سنگھ اور سوامی دیا نند کے حالات زندگی پہلو بہ پہلو رکھکر نہایت موثر طریقے میں درج کئے گئے ہیں۔ اعلیٰ ایڈیشن ۵ر

بھارت اور جاپان

یوں تو جاپان دیش کی ترقی کے حالات کا مطالعہ قدرتاً ہی ہر ایک ترقی چاہنے والی قوم کے دل میں ایک نئی زندگی پیدا کرتا ہے لیکن بھارتی لوگوں کے لئے تو نہایت ہی ضروری ہے کہ وہ اس آفتاب مشرق سے روشنی لیکر اپنے گھر میں اُجالا کریں۔ آج تک جاپان اتہاس پر جس قدر اردو

کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ سب سے نرالی اور مفید کتاب ہے ہر ایک ایسی بات کو واضح طور پر لکھا گیا ہے جس سے بھارت ورش علمی طور پر کچھ سبق حاصل کر سکتا ہے۔ قیمت صرف ۲ر

ہندو قوم مر رہی ہے

بنگال کے پرسدھ ڈاکٹر یو این مکرجی کی مشہور کتاب اے ڈائینگ ریس کا ترجمہ جس میں اعداد و شمار کی بنا پر ہندو قوم کا بہت ہی قابل غور پہلو پیش کیا گیا ہے قیمت ۱۲ر

بھگوان بُدھ کا سنیاس

مہاتما بدھ کا سنیاس آپ کی زندگی کا اہم ترین اور سب سے زیادہ سبق آموز واقعہ ہے جسکو نہایت دلچسپ پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اسکے ساتھ ہی بُدھ کی تعلیم اور تمام ضروری اقوال کا نہایت ہی قیمتی خلاصہ دیا گیا ہے قیمت ۱ر

نوکما رسکھشا

کچھ عرصہ ہوا امریکہ کے مشہور ڈاکٹر گراہم نے اپنے ملک میں نوجوانوں کی رہنمائی کے لئے

لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ جس کو اخر آپ نے (Chastity) "پاکیزگی یا پوترتا" اور لیکچر برائے نوجوانان کے نام سے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا۔ یہ اسکا اردو ترجمہ ہے اسمیں علمی طور پر ہر ایک ایسے خطرہ کو جس میں بدقسمتی سے تقریباً تمام دنیا کے نوجوان مبتلا ہو کر اپنی تمام زندگی تلخ بنا لیتے ہیں۔ نہایت اچھی طرح درج کیا گیا ہے یہ کتاب ہر ایک استری۔ پرش نوجوان لڑکے اور لڑکی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔

قیمت صرف ۶؍

مرگِ نونہالان

بچپن کا بھولا پن اور جوشِ جوانی کس طرح انسان کے لیے وبال جان ہوتا ہے اس کتاب میں اس پر اچھی طرح روشنی ڈالی گئی ہے نوجوانوں اور خصوصاً بچوں کے لیئے اس کتاب کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے قیمت ۵؍

جیون چرتر سوامی رامداس

چھترپتی سیواجی کے گرو سوامی رامداس جی کے حالات زندگی جن کا مطالعہ ہر ایک بھارتی بچے کے

لیئے نہایت ضروری ہے۔ قیمت ۲؍

جیون سکھشا

ہمارے ملک میں جیون ودیا یعنی علم زندگی پر ایسا بہت کم لٹریچر ملتا ہے اس چھوٹے سے رسالہ میں بچپن سے بڑھاپے تک انسانی زندگی کے متعلق ہر ایک مسئلہ قلمبند کیا گیا ہے۔ ۲؍

مرہٹوں کا عروج

جسٹس مہادیو گوبند رانا ڈے کی مشہور ترین تصنیف "رائیز آف مرہٹہ پاور" کا اردو ترجمہ قابل مصنف نے مرہٹوں کے عروج کا ہو بہو فوٹو رکھدیا ہے قیمت ۱۲؍

بھارتی بچوں کیلئے سنہری اپدیش

اس میں تمام نوجوانوں کے لیئے خصوصاً اور بھارتی بچوں کے لیئے عموماً ایسے اعلیٰ درجہ کے اقوال درج ہیں۔ جن کو پڑھ کر ملک کا ہر ایک بچہ ایک اعلیٰ درجہ کا بلند حوصلہ انسان بنکر آئندہ زندگی کے لیئے نہایت شاندار تیاری کر سکتا ہے والدین کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کو اسکے مطالعہ سے محروم نہ رکھیں قیمت صرف ۸؍

ستار تپنی

۴۱۶ - ادا قیمتی اقوال اور مفید نصیحتوں کا مجموعہ ہے - قیمت ۱۱ر

قوانین فطرت

اس پمفلٹ میں ایک مشہور سائنسدان نے فطرت کے قوانین کی تشریح کی ہے اور خدا کی ہستی پر بڑے زبردست اعتراضات کئے ہیں - ہر ایک خدا پرست کا فرض ہے کہ اس کا مطالعہ کر کے جواب تجویز کرے - قیمت ۱۰ر

استاد شاعری

یعنی تسہیل العروض - اس کتاب میں کہنہ مشق مشہور ناظم منشی کیول کرشن صاحب مرحوم نے نظم بنانے کے تمام طریقے اور اصول بیان کئے ہیں - نوجوان شاعروں کے لئے نہائت مفید کتاب ہے - قیمت ۱۲ر

کسب معاش

کتابیں ایمانداری سے روپیہ پیدا کرنے کے سینکڑوں طریقے درج ہیں - اور اگر کوئی طریقہ

بھی اس کے بغور مطالعہ اور درست عمل کے بعد غلط ہو - تو کتاب بمعہ محصول ڈاک واپس کر لی جاویگی - نوجوانوں کو جو آجکل آٹھ دس روپیہ ماہوار کی ملازمت کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں ایسی کتابوں کے مطالعہ سے فائدہ اٹھا کر روٹی کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے قیمت ۱۲ر

نوجیون ودیا

بزبان ہندی عبارت

امریکہ کے مشہور عالم ڈاکٹر کاؤن کی مشہور و مقبول تصنیف "دی سائنس آف اے نیو لائف" کا ہندی ترجمہ ہے - ہر ایک گرہستی اور گرہست میں پرویش کرنے والے استری پرش کے لئے ایسی ضروری کتاب ہے کہ وہ ہر روز اس کا پاٹھ کریں - اس میں مسئلہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر نہائت عالمانہ طور سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مندرجہ ذیل مضامین پر عالمانہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے (۱) شادی کا مقصد اور اس کے فوائد (۲) کس عمر میں شادی کرنی چاہئے (۳) صحیح نتیجہ انتخاب (۴) استری پرش کو کیسا ہونا چاہئے (۵) ویرج رکشا کے فوائد (۶) ...

رتو گامی ہونے کی فضیلت (۷) سنتان (۸) گربھادھان ودھی (۹) استریوں اور مردوں کی مخصوص بیماریوں کا مکمل بیان معہ تشریح الاعضاء (۱۰) دردِ زہ سے بچنے کی ترکیب (۱۱) بچہ کی تربیت (۱۲) استریوں اور پرشوں کی غلط کاریاں اور ان کے خوفناک نتائج اور علاج وغیرہ۔ گرہست آشرم کو سورگ دھام بنانے کیلئے یہ کتاب بڑی مفید ثابت ہوگی۔ تمام سدھانت سائنٹفک طریقہ سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور لطف یہ کہ تقریباً تمام سدھانت پراچین ویدک سدھانتوں سے ملتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر گوکل چند جی ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی بیرسٹرایٹ لاء نے بھومکا لکھی ہے۔ مختصر یہ کوئی استری پرش اس کتاب کے مطالعہ اور اس کے بعد عملی طور پر اس سے فائدے اٹھانے سے محروم نہ رہے اخبارات اور ملک کے پرسدھ اصحاب کی طرف سے اس پر اعلیٰ سے اعلیٰ رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ قیمت بلا جلد عہ قیمت مجلد درمیانہ عہ/ سنہری جلد ۳/

رشی دیانند کے دربار میں دکھی سرلا کی پکار قیمت ۱۰/

راجکمار دھرو

اس استقلال کی مجسم تصویر کے حالات زندگی کا مطالعہ ہر ایک بھارتی بچے کی آنے والی زندگی کو شاندار بناویگا۔ قیمت ۲/

جیون چرتر مہارانا راج سنگھ

مہارانا پرتاپ کے بعد یہ دوسرا راجستھان کا بیر ہے جس پر ہر ایک بھارتی بجا طور پر فخر کرسکتا ہے قیمت ۸/

دلاور کرن

اس بیر کے حالات زندگی کا مطالعہ نہایت ضروری ہے آپ کے نام سے بھارت کا بچہ بچہ واقف ہے قیمت صرف ۲/

ہمارے بچھڑے بھائی

اس میں آریہ سماج تو کیا تمام ہندو جاتی کی زندگی و موت کے سوال یعنی مسئلہ شدھی پر نہایت دلچسپ پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے قیمت صرف ۱۰/

نیو فیشن کا بیٹا اولڈ فیشن کا باپ ۱۳/

بنا سچائی کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے

پچھلے دنوں سینکڑوں فنڈ حشرات الارض کیطرح نکلے اور بند ہو گئے۔ خاصکر ڈیرہ اسمٰعیل خان تو ایسے تمام فنڈوں کا اچھا خاصہ گڑھ بنگیا۔ مگر یہ رونق چند یوم ہی رہی۔ آخر سب اپنی اپنی بنسری بجا چلدئے۔ لیکن پرماتما کی کرپا سے اور سچائی کے بل پر

یونین ریلیف فنڈ ڈیرہ اسمٰعیلخان

آجتک کامیابی سے کام کر رہا ہے۔ وہ طوفان حوادث جو پچھلے دنوں فنڈوں کی کشتیوں کے گرد لہریں مار کر آ رہا تھا۔ اور جو بالآخر تمام فنڈوں کو لے ڈوبا۔ ہمارے فنڈ کا کچھہ نہ بگاڑ سکا۔ جسکا نتیجہ یہ ہے۔ کہ آج سچے اور ایماندار اصولوں کی وجہ سے ہمارے فنڈ کے ممبروں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے آپ بھی شامل ہو جیئے۔ معقول امداد بروقت ملیگی۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل ہو سکتے ہیں۔ ممبر کی وفات کے پہلے دن یکصد روپیہ پیشگی برائے ارتھی دیا جاتا ہے۔

شرح حسب ذیل ہے

١٨	تا	٣٠	سے ر	سالانہ
٣١	"	٤٠	لعہ ر	"
٤١	"	٥٠	دعہ ر	"
٥١	"	٥٥	وعہ ر	"
٥٦	"	٦٠	ہعہ ر	"

نیم الگزیکٹو کمیٹی کی فہرست مفت منگائیں

مفصل -

تمام خط و کتابت سیکرٹری کے نام ہونی چاہیئے

سکریٹری یونین ریلیف فنڈ ڈیرہ اسمٰعیلخان

بنک آف راجپوتانہ اینڈ پنجاب لمیٹڈ

صدر دفتر انبالہ

شاخیں اور سب آفس۔ انبالہ۔ بٹالہ۔ روپڑ۔ لاہور۔ سکھر۔ حیدرآباد سندھ لاڑکانہ۔ شکارپور۔ امرت سر۔

ایجنسیاں۔ ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں کے علاوہ ولایت میں بھی ہیں۔

سرمایہ پانچ لاکھ روپیہ

منقسم بہ بیس ہزار حصص۔ فی حصہ مبلغ پچیس روپیہ

صرف چند حصص برائے فروخت باقی ہیں

سیونگ بینک حساب۔ پانچ یا اس سے زیادہ سے کھولا جاتا ہے جس پر چار فیصدی سالانہ سود دیا جاتا ہے

چلنت حساب۔ بغیر کسی اجرت کے کھولے جاتے ہیں۔ اور دو فیصدی سالانہ سود دیا جاتا ہے

میعادی امانت۔ متفرق قسموں کیلئے جمع کی جاتی ہیں جنکا سود دریافت کرنے پر معلوم ہو سکتا ہے

قرضہ۔ اچھی ضمانتوں پر دیا جاتا ہے

غرض کہ ہر ایک قسم کا ساہوکارہ کا کام ہوتا ہے۔ مفصل قواعد بلا قیمت درخواست کرنے پر مل سکتے ہیں۔

المشتہر

بشن سہائے آزاد ایف۔ ایل۔ اے سند یافتہ اکونٹنٹ لندن جنرل منیجر